محاضرات في الفرق والأديان

یعنی

مکالمہ بین المذاہب

افادات

مولانا ولی خان المظفر
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ فاروقیہ
شاہ فیصل ٹاؤن۔ کراچی

محاضرات في الفرق والأديان

یعنی

مکالمہ بین المذاہب

ادیان ومذاہب، فرق ومکاتب، افکار ونظریات اور اس موضوع سے متعلق ضروری تفصیلات اور قیمتی فوائد پر مشتمل ایک ایسی جامع ترین کتاب، جو ایک قاری کو مستند معلومات بھی فراہم کرتی ہے، صحیح فکر بھی اور عصر حاضر کی نظریاتی جنگ (الغزو الفکری) میں اپنے فرائض کا احساس بھی دلاتی ہے

افادات

مولانا ولی خان المظفر

استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

ضبط و ترتیب

بشیر احمد بن اظہار میاں

فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

تخریج و تحقیق

ناصر بن ابی سعید

متخصص فی الادب العربی، جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن کراچی، پاکستان

محاضرات فی الفرق والادیان

یعنی

مکالمہ بین المذاہب

مولانا ولی خان المظفر
استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی

2007 / 1428

مطبوعات مکتبہ فاروقیہ کراچی 75230 پاکستان
نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی نمبر 4
کراچی 75230، پاکستان
فون: 021-4575763
m_farooqia@hotmail.com

مکالمہ بین المذاهب

ترتیبِ مضامین

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وبعد:

مذاہب وفرق کے حوالے سے ''کلام'' نہایت اہمیت کا حامل موضوع تو ہے ہی، ذوق ودلچسپی کا بھی اس میں اتنا سامان ہے کہ اصحاب علم ودانش نے ہر دور میں خوب اسے اپنے مطالعے اور اپنی مساعی کا میدان بنایا، ہمارے ہاں قدیم مذاہب اور فرق پر تو بہت کتابیں لکھی گئیں ہیں جن میں کئی ایک قدیماً وحدیثاً داخل نصاب بھی رہی ہیں، تاہم فرقوں کا ظہور تو آئے روز ہو رہا ہے اور یقیناً تا قیامت ہوتا بھی رہے گا، اس لیے دینی درس گاہوں میں معاصر فرقوں کے تعارف اور تعاقب کے سلسلے میں کام کی ہمیشہ ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے اور اس سلسلے میں مناظرہ کورس یا دوسرے عنوانات سے طلبہ خصوصاً فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کو بڑے مدارس وجامعات میں ان فرق ومذاہب سے متعارف کرانے کے لیے تیاری کرائی جاتی رہی ہے، جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی میں بھی یہ کورس عرصہ دراز سے چلے آرہے ہیں، پہلے تو ایک ہی استاذ یہ ذمہ داری نبھاتے تھے، جب کہ گزشتہ کچھ سالوں سے ایک کے بجائے کئی اساتذہ سے مختلف فرقوں کے متعلق خدمات لینے کا ایک مفید تجربہ ہو رہا ہے۔

الحمدللہ متعدد حوالوں سے یہ تجربہ زیادہ فائدہ مند رہا ہے۔...... ہمارے مولانا ولی خان المظفر جامعہ فاروقیہ کراچی کے مایۂ ناز استاذ ہیں، عمدہ استعداد اور اعلیٰ علمی ذوق سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا ہے،

ادیان باطلہ: عیسائیت، یہودیت، ہندومت وغیرہ کے موضوع پر سالہائے گزشتہ میں ان کے نہایت مفید ومعلومات افزا اسباق اور محاضرات ہوتے رہے ہیں، بلکہ انہوں نے اس سلسلے کو ایک نیا رخ دے دیا ہے، اور اب یہ کام مناظرہ کورس سے زیادہ مقارنة الأدیان یا مکالمہ بین المذاهب کے نام سے موسوم کیے جانے کے قابل ہے، مکالمہ بین المذاہب کو بین الاقوامیت اور عالم گیریت کے اس پُرفتن دور میں مختلف فورموں پر اٹھایا جارہا ہے، جس سے وحدتِ اَدیان کی طرح مضر اور نقصان دہ مقاصد حاصل کرنے کی کوشش ہورہی ہے، اس لیے ہمیں بھی اس سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیے اور اس عنوان سے اپنی کوششوں اور مساعی کو مرتب کرنا چاہیے، تاکہ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ بحسن وخوبی انجام پذیر ہو۔

بہر حال مولانا موصوف نے اس حوالے سے اپنے یہ اسباق مرتب کرا کے ہمیں دکھائے، ہم نے دیکھا اور پڑھا تو بڑا اطمینان ہوا، انہوں نے ادیان و مذاہب ہی نہیں تقریباً تمام قدیم وجدید فرقوں، مسالک، افکار اور نظریات پر بھی خوب نظر ڈالی ہے اور ان کا اچھا خاصا استقصاء و احاطہ کیا ہے، اس جہت سے اگر دیکھا جائے تو یہ ایک مستقل مذاہب وفرق اور نظریات وفلسفوں کے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کے اس کام کو متلاشیان حق کے لیے نافع اور خیر کا باعث بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی آله وصحبه أجمعین۔

سلیم اللہ خان

شیخ الحدیث ورئیس جامعہ فاروقیہ کراچی
رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان
رئیس اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان

عرضِ مرتّب

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ مؤثر اور وسیع ترین ہتھیار ہے۔ میڈیا پر قابض قوتیں اس کے ذریعے اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا ثابت کردیتی ہیں۔ یورپ اور امریکا کے تمام نشریاتی اداروں، اخبارات، رسائل اور دیگر تمام ذرائع ابلاغ پر قابض یہود و نصاریٰ جہاں اپنے باطل اور فرسودہ عقائد و نظریات کی اشاعت کر رہے ہیں، وہاں اسلامی عقائد و تعلیمات، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و شخصیت اور اسلامی شعائر پر مسلسل حملے کر رہے ہیں۔ مغرب ذرائع ابلاغ خاص کر ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے مؤثر انداز میں پوری دنیا میں یہودیت، عیسائیت، لادینیت، قادیانیت اور دوسرے مذاہبِ باطلہ کی تبلیغ کر رہا ہے اور اسلام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرکے اسے قبول کرنے سے انہیں روک رہا ہے۔

آج کل چونکہ مدارس، جامعات، اسلامی تحریکوں اور مسلم ممالک کے پاس ذرائع ابلاغ کا یہ مؤثر ہتھیار اُتنا نہیں ہے جس کے ذریعے سے اسلام کے خلاف پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے اور مثبت جواب دے کر دنیا کو مطمئن کیا جاسکے، نتیجہ یہ ہے کہ لوگوں میں لادینیت، جدیدیت اور مادیت کا رجحان غالب ہوگیا ہے، ''جدید اسلامی دانشور طبقہ'' عقائد کے سلسلہ میں مداہنت کا شکار نظر آرہا ہے اور زیادہ تر توجہ دنیاوی مسائل کے حل کی طرف ہے اور آخرت میں نجات اور مغفرت کے حصول کو ثانوی حیثیت دے دی گئی ہے، جبکہ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ عقائد کا مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور انسان کا سب سے بڑا مسئلہ اور پوری شریعت کا اوّلین مقصود اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہوکر ''آخرت میں نجات'' حاصل کرنا ہے۔

اس سلسلہ میں عرصۂ دراز سے علماء کرام یہ ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اسلامی میڈیا کی ترویج ہونی چاہیے اور ساتھ یہ کہ دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے طلبۂ کرام کو فرق وأدیان سے آگاہ ہونا چاہیے،

تاکہ وہ بحیثیت عالم دین کفر، الحاد اور زندقہ کو دنیا پر واضح کر سکیں اور یہود و نصاریٰ، قادیانیوں اور مختلف باطل مذاہب کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا مؤثر و مثبت جواب دے سکیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کے حکم پر جامعہ فاروقیہ کراچی اور دوسرے مدارس و جامعات میں "تقابلِ اَدیان" کے کورس کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسی طرح مختلف مقامات پر درسِ قرآن کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

جب راقم دورۂ حدیث میں زیرِ تعلیم تھا اس وقت کورس میں شرکت کا موقع ملا۔ جامعہ فاروقیہ کراچی کے مایۂ ناز اساتذہ حضرت مولانا ولی خان المظفر صاحب مدظلہ، حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا زر محمد صاحب مدظلہ جیسے جید علماء کرام کو "تقابلِ اَدیان" کورس کی تدریس کے لیے منتخب کیا گیا، جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے دلنشین انداز میں تقابلِ اَدیان کے حوالے سے انتہائی جامع مانع تقاریر و محاضرات طلبہ کے سامنے پیش کیے۔ یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے، استاذ محترم حضرت مولانا ولی خان المظفر صاحب کے محاضرات کا ایک مختصر سا مجموعہ ہے۔ جب کورس اختتام پذیر ہوا تو راقم نے اس مجموعے کا مسودہ استاذ محترم کو دکھایا اور کتابی صورت میں شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ بہت خوش ہوئے اور حوصلہ افزائی فرمائی، کمپوزنگ کے بعد تصحیح کے دوران مزید کچھ اضافے بھی کر دیئے گئے ہیں۔

آخر میں راقم مشفق استاذ حضرت مولانا ولی خان المظفر صاحب کا تہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے اپنی قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت بندہ کے اس مجموعہ کو بھی دیا اور اپنے مفید مشوروں سے رہنمائی فرمائی۔ اللہ پاک اس حقیر محنت کو قبول فرما کر اہلِ ایمان کے لیے نافع بنائے اور حضرۃ الاستاذ و مرتب کو دارین کی سعادتوں سے نوازے، آمین۔

بشیر احمد بن اظہار میاں
فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی
۱۱/۵/۱۴۲۸ھ

پیش گوئی

مولانا عزیز الرحمٰن العظیمی
رکن شعبۂ دار التصنیف واستاذ الحدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی

دنیا میں تقریباً ہر انسان کا زندگی گزارنے کا اپنا ایک ڈھنگ، ایک طریقہ، ایک انداز ہوتا ہے۔ کچھ روایات، خیالات وتصورات اور عادات ورسوم کا وہ خود کو پابند سمجھتا ہے۔ اس ڈھنگ، اِن عادات اور اس پابندی کو ہم دین سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ دین جسے ہمارے ہاں مذہب بھی کہا جاتا ہے (دین اور مذہب میں ترادف یا تفاوت کی بحث کا شاید یہ موقع نہیں ہے) محققین نے اس کی مختلف تعریفات اور تشریحات کی ہیں اور اس بحث کو چھیڑا ہے کہ دین کی جامع اور قابل قبول تعریف کیا ہو سکتی ہے (دیکھئے ''مذاہب عالم'' از احمد عبداللہ)

تاہم زیادہ باریکیوں اور قیود وحدود میں الجھنے کی بجائے اس کی اس مذکورہ سادہ سی تشریح کو لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث اور عربی لٹریچر سے اسی کی تائید ہوتی ہے، سو دین کا معنی ہے ایک انسان کی عادات اور مخصوص طرزِ حیات۔ اور اسی کو مذہب بھی کہا جا سکتا ہے۔ عربی زبان کے ایک شاعر کا قول ہے "وللناس فی مایعشقون مذاهب"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "أريد من قريش كلمة تدين لهم بها العرب" میں ''تدین'' سے مراد طاعت، اتباع اور فرماں برداری ہے اور ایک دوسری روایت "إنّه عليه السّلام كان على دين قومه" میں ''دین'' سے یا تو حج، نکاح، میراث وغیرہ احکام ایمان مراد ہیں، جو ملت ابراہیمیہ کی باقیات کے طور پر اب (عہد نبوی میں) بھی موجود تھے۔ یہی بعض حضرات کا قول ہے۔ اور یا سخاوت وشجاعت جیسے عادات واخلاق اس سے مراد ہیں جو کسی قوم کی فطرت وطبیعت کا حصہ ہوتے ہیں۔ دونوں اقوال منقول ہیں۔ خوارج کے متعلق جو حدیث میں آیا ہے "يمرقون من الدين مروق السّهم من الرّمية" اس میں بھی دین سے طاعت مراد ہے کیونکہ ایک آدمی

نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا "أکفار ھم؟" کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا "من الکفر فرّوا" کفر سے تو وہ بھاگے ہیں اور کہا "أفمنافقون ھم؟" تو کیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا "إن المنافقین لایذکرون اللہ إلّا قلیلاً وھؤلاء یذکرون اللہ بکرۃً وأصیلاً" منافق تو اللہ کو بہت کم ہی یاد کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ صبح وشام اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب خوارج کافر بھی نہیں ہیں اور منافق بھی نہیں تو یہی اس کا معنی اور اس سے مراد ہوسکتا ہے کہ وہ طاعت گزار و فرماں بردار نہیں ہوں گے، چنانچہ فرمایا "قوم أصابتھم فتنۃ فعموا وصمّوا" فتنے میں پڑ گئے سو اندھے بہرے ہو گئے۔ ضال اور بے راہ رو ہو گئے ہیں۔

بہرحال ہر شخص، ہر قوم، ہر سوسائٹی، ہر ملک کا اپنا ایک دین ہوتا ہے یعنی زندگی گزارنے کا ایک طریقہ، کچھ عادات، خیالات وغیرہ جو کبھی نسلی اور قومی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے جیسے سامی مذہب کبھی جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جیسے آریائی اور منگولی مذاہب اور کبھی دوسری مختلف بنیادوں پر۔ اس طرح ابتدائے آفرینش سے اب تک کئی ایک ادیان وجود میں آئے ہیں، جن میں بہت سے تو حوادث زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں اور مرورِ ایام کے سبب آج ان کے نام تک سے کوئی واقف نہیں ہے، بہتوں کا صرف تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے اور بہتیرے آج بھی کسی نہ کسی صورت دنیا کے نقشے پر موجود ہیں۔ دینِ اسلام الہامی اور آسمانی ادیان کے سلسلۂ ذھبیہ کی ایک کڑی اور ان سب کے لیے ناسخ اور خاتم دین، اللہ کے آخری پیغام کا نام ہے۔

اسلام ایک مسلمان کو یہ تو اجازت نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے برحق دین کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر پرکھے اور جو اسے ٹھیک معلوم ہو، اسے لے اور جو دل کو نہ لگے، اسے چھوڑ دے۔ یا اپنے جذبات اور مخصوص مزاج کے تناظر میں، دوسرے ادیان کے ساتھ اس کا محاکمہ کرے اور پھر اس پر کوئی اپنا من چاہا حکم لاگو کر دے۔ تاہم قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلیدی ایمان سے تحقیقی ایمان کی اسلام میں زیادہ اہمیت اور فضیلت ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ماننے والوں کو عقل سے کام لینے، دل کی آواز سننے، دیکھنے، سوجھ بوجھ سے کام لینے، تحقیق کرنے، استنباط (اجتہاد) کرنے، سوچنے اور غور کرنے کے لیے کہتا ہے۔ شعور، احساس، تنبہ، تدبّر، تیقظ اور تحرّی جیسی چیزوں کی تحسین کرتا ہے۔ اعتدال، وسطیت (میانہ روی) اور

بصیرت کو اختیار کرنے کی تحریض وترغیب دیتا ہے۔

اندھوں بہروں، جاہلوں، حد سے نکلنے والوں، اندازے اور تخمینے لگانے والوں کے طرزِ عمل سے ڈراتا ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے۔ آباء پرستی، رسوم پروری، گروہ بندی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور راہِ حق کو بھی علی وجہ البصیرت اور ازراہِ انتخاب اختیار کرنے پر زور دیتا ہے۔ توارُث وتقلید کی بنیاد پر، دیکھا دیکھی اور اندھا بہرا بن کر نہیں......

☆☆☆

بناء بریں اگر ایک مسلمان اسلام کا دوسرے ادیان ومذاہب سے تقابل کرتا ہے تو چونکہ اسلام، اللہ جل جلالہ کا دین برحق ہے، اس کا حسن اور کمال، تقابل کی صورت میں بھی مزید نکھر کر سامنے آئے گا اور کسی غیرِ حق کی اس کے مقابلے میں برتری اور فوقیت حاصل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ سو اس کی اجازت ہونی چاہیے اور قرآن (اللہ کا کلام) اس طرح کے تقابل کا روادار ہی نہیں، خود علمبردار ہے۔ چنانچہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی زبان اطہر سے تحدی کے یہ الفاظ "هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين"، "فأتو بسورة من مثله"، "قل لئن اجتمعت الانس والجن على أن يأتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله"، "هاأنتم هولاء حاججتم فيمالكم به علم فلم تحاجُّون فيما ليس لكم به علم......" اسی کا حصہ ہے اور قدرتی طور پر جب ہم اسلام کے متعلق یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد حجۃ، دلیل، برہان، بینہ پر ہے، یہ فطرت سے ہم آہنگ اور سچ وحق کا علمبردار ہے تو یہ سوال اُبھر سکتا ہے کہ آئیں دیگر مذاہب سے اس کا موازنہ اور تقابل کریں، اس کی بابت مناظرہ ومجادلہ کریں......! اور فطری طور پر ایک متلاشی حق تقابل ہی کے راستے حق تک پہنچنا چاہتا ہے اور پہنچ سکتا ہے۔

آج جب سائنس وٹیکنالوجی اپنی ترقی کی آخری حدوں کو چھو رہی ہیں اور انسان خاص کر مغرب کا انسان اپنی ہمہ دانی اور ترقی کے گھمنڈ میں بُری طرح مبتلا اور اس خبط کا پوری طرح اسیر ہے اور ہر شعبۂ زندگی میں اس کے ایجادات اور دریافتوں کا آوازہ ہے۔ تقابل ادیان کے موضوع کو بھی اس نے طبع آزمائی کا میدان بنایا اور اپنی دانش گاہوں میں اسے خاص جگہ دی ہے۔ اور ویسے پوری متمدن دنیا میں اس حوالے سے

ریسرچ اور تحقیق کے مراکز قائم ہیں۔ عام تعلیم گاہوں میں اس کی تعلیم وتدریس کا انتظام ہوتا ہے۔ گو اس سے مطلوب صرف من پسند نتائج کا حصول ہوتا ہے اور خلوص وسچائی سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔ ہم مسلمان جب دین حق اور نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ اعتدال پسند اور امت وسطیٰ کہلانے کا اپنا استحقاق ظاہر کرتے ہیں، تبلیغ پر یقین رکھتے ہیں، دلیل وبرہان کے قائل ہیں، حق پرستی اور راست گوئی کا دعویٰ رکھتے ہیں تو کسی طرح ہمیں اس طرح کی چیزوں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے اور تقابلِ فرق وادیان کے لیے آمادہ ہونا ہوگا، بلکہ اس کو لازمی مضمون کے طور پر لینا چاہیے۔ اپنے تعلیمی اداروں میں اس کے لیے اسٹڈیز سینٹرز اور تربیتی ورکشاپز بھی قائم کرنے چاہئیں۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ مسلمانوں کو صحیح اسلامی تعلیمات کا زیادہ سے زیادہ علم ہوگا اور وہ اسلام کے نام پر غیر اسلام کو اختیار نہیں کریں گے، کیونکہ کھرے کھوٹے کا پتہ، پرکھنے اور مقابلہ وموازنہ سے چلتا ہے۔ بالفاظ دیگر استدلالی اور تحقیقی اسلام کا ان کے لیے راستہ ہموار ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں میں مذاہبِ باطلہ کی تردید اور دینِ حق کے دفاع کی صلاحیت پیدا ہوگی، جس سے علمی اور فکری طور پر اسلام پر وار کرنے اور اسے نقصان پہنچانے، مسلمانوں میں غلط فہمیاں پیدا کرنے اور شکوک وشبہات پھیلانے کا موقع نہیں ملے گا اور عالمی غزوِ فکری (نظریاتی جنگ) میں اس سے مسلمانوں کو تقویت ملے گی۔

اسلام چونکہ تبلیغی دین ہے اور کسی بھی فرد اور قوم کو اس کے دامن میں آکر اپنی نجات کا سامان کرنے کا حق حاصل ہے۔ سو راہِ تبلیغ میں ایک معقول اور غیر متعصب مخاطب کو (بلکہ کافی حد تک متعصب کو بھی) اسلام کی صحت اور دوسرے سماوی والہامی ادیان کے مقابلے میں اس کی حقانیت، مذاہب عالم کے لیے اس کی ناسخیت اور برتری ثابت کرکے مطمئن کرنا آسان ہوگا۔

☆☆☆

ہمارے ہاں دینی مدارس کے چونکہ کوئی مستقل وسائل اور ذرائع آمدنی نہیں ہیں اس واسطے گو قرآن وحدیث اور اسلامی علوم کی تعلیم کے ساتھ متعدد دیگر ضروری مضامین کے اہتمام کی بھی کافی کوششیں ہوتی ہیں، مگر کئی ضروری موضوعات کی طرف شایانِ شان توجہ نہیں ہو پاتی، انہی موضوعات میں "مقارنة الادیان والفرق"

بھی ہے۔ تاہم متعدد بڑے اداروں میں تقریباً شروع ہی سے مناظرے اور "مقارنۃ الادیان والفرق" کے دوروں کا اہتمام ہوتا ہے اور اس کے لیے ماہرین کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں، مادرِ علمی جامعہ فاروقیہ کراچی میں گزشتہ کئی سالوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔

جامعہ کے ایک مایۂ ناز مدرس اور ممتاز محقق اور متبحر عالم دین ہمارے استاذ مولانا منظور احمد مینگل صاحب کو فن مناظرہ سے خاص لگاؤ ہے۔ جامعہ میں ایک عرصے تک طلبہ کے مابین مختلف مذاہب و مسالک کے عقائد کے حوالے سے فرضی اور تدریبی مناظرے ہوتے رہے ہیں جن کی مولانا مینگل صاحب مدظلہ سرپرستی فرماتے رہے (بلکہ شنید ہے کہ ان کے زمانۂ طالب علمی سے بھی قبل جامعہ میں ہفتہ واری بزموں اور بین الفرق مناظروں کا ایک شہرہ رہا ہے)۔ مجھے یاد ہے ان مناظروں کے انعقاد سے پہلے مولانا، مناظرے کے آداب اور اس کے اصول و قواعد، نیز اس کے تقاضوں اور جامعہ کو اس سے مطلوب اہداف پر تفصیل سے روشنی ڈالتے۔ پھر واقعی اور حقیقی مناظروں کی طرح بڑے دھوم سے اور پورے شان و شوکت سے ان مناظروں کا انعقاد ہوتا۔ ذوق رکھنے والے علماء و طلبہ ان میں بڑی تعداد میں شریک ہوتے۔ مولانا منظور احمد مینگل صاحب نے عرصۂ دراز تک طلبہ دورۂ حدیث کو سالانہ تعطیلات میں فن مناظرہ اور مختلف فرق و فتن کے عقائد کی تردید اور اسلام اور اہلِ سنت کے عقائد حقہ کے دفاع کے حوالے سے اپنے تجربات، مبادیاتِ مناظرہ اس کے طرق و اسالیب اور دیگر قیمتی معلومات و ہدایات سے روشناس کرایا اور مناظرے کی فنی باریکیوں، مختلف فرقوں کے تعارف اور ان کے طریق تعاقب و تخاطب کے سلسلے میں طلبہ کی رہنمائی فرماتے رہے۔ حضرت شیخ الجامعہ دامت برکاتہم کے حکم پر گزشتہ تین چار سال سے اس کارِ گراں کی انجام دہی میرے، فضیلۃ الاستاذ مولانا ولی خان المظفر اور مولانا زر محمد صاحب کے ذمہ لگائی گئی اور تعطیلات کی بجائے اثنائے درس/ دورانِ اسباق ہی اس سلسلے کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مولانا منظور احمد مینگل صاحب جہاں فن مناظرہ اور علم جدل کے شہسوار اور مناظرہ میں کلیدی کردار کے حامل علوم۔ منطق و فلسفہ وغیرہ۔ کے رمز آشنا ہیں، مولانا ولی خان المظفر کی کچھ اتنی ہی ادیانِ عالم، جدید و قدیم افکار و نظریات اور تاریخِ اقوام و مذاہب پر نظر ہے۔ ان کی اس حوالے سے معلومات، وسعتِ مطالعہ، بین المذاہب مکالمے کا ذوق، مذاہب کی تجزیاتی و تقابلی صلاحیت اور اظہار خیال کا اسلوب منفرد و متاثر کن

ہے،ان حوالوں سے وہ ایک بین الاقوامی اسکالر کے روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔جن سے صرف قدیم طرز کے علماء اور مدرسی ماحول کے لوگ ہی نہیں، جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی استفادہ کرسکتا ہے، بالفاظ دیگر ٹھیٹھ علمی استعداد کے ساتھ ان کو جدید تقاضوں کا بھی ادراک اور ان پر پورا اترنے کی ان میں صلاحیت ہے۔ایسے رجال کی موجودہ پڑھی لکھی اور جہاں دیدہ نسل کو بڑی ضرورت ہے۔ مذکورۃ الصدر سلسلے کو انہوں نے "محاضرات في الفرق والادیان" کا نام دے کر، اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی اپنی سی کوشش کی اور فرق ومذاہب کے حوالے سے یہ ایک نئے طرز کا کام سامنے آیا، جو مناظرہ سے زیادہ مکالمہ کے نام سے موسوم کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے اور اس میں یک طرفہ تنقید کی بجائے تجزیہ سوال وجواب، ردّ وقدح اور محاضرات کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔طلبہ کو اس سے کتنا فائدہ ہوا۔ ان کے علم (نولج) میں اضافے، رسوخ عقیدہ، فکری ارتقاء اور نظریاتی غذا بہم پہنچانے کے لیے یہ کتنا مؤثر ثابت ہوا......؟ اسلام اور امت کے حق میں اس وقت اس کی افادیت اور نافعیت کتنی ہے......؟ اس کا صحیح فیصلہ تو ان کورسز کے شرکاء ہی کر سکتے ہیں اور کافی حد تک اس کتاب سے بھی اس کا اندازہ ہو جائے گا۔اہلِ علم کے لیے بھی یہ ایک کافی حد تک نیا تجربہ ہوگا اور وہ ازراہِ دیانت اس کے حسن وقبح کے بارے میں اپنے تاثرات اور اس حوالے سے کام کی نوعیت پر اظہار خیال فرما سکتے ہیں۔

ویسے کسی بھی مضمون کے خوب وناخوب کا اندازہ اس سے واسطہ پڑنے والوں کے تاثرات اور موافق ومخالف آراء سے ہوسکتا ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ متذکرہ بالا سلسلوں کی اس نہج کو درسِ نظامی کی تکمیل کرنے والے سینکڑوں افراد سے زبردست پذیرائی حاصل ہوئی اور ہمارے مشاہدے اور معلومات کے مطابق اس میں ان کی دلچسپی اور رغبت دیدنی ہوتی تھی۔

درس/محاضرہ کے آخر میں طلبہ کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات، اشکالات کی بھی مختصر نشست ہوا کرتی تھی جن سے ایک طرف موضوع کے مختلف توجہ طلب جہات وجوانب اور لازم الشمول مباحث کی نشاندہی ہوتی رہی تو دوسری جانب ان کے جواب میں مفید معلومات سامنے آتی رہیں، انہیں بھی افادۂ عامہ کے لیے کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کاوشوں سے مطلوبہ نتائج ومقاصد حاصل ہوں۔

☆☆☆

فِرق وادیان کا موضوع جتنا اہم ہے کچھ اتنا ہی نازک اور حساس بھی ہے۔ کوئی بھی دین یا مذہب دوسرے تمام ادیان و مذاہب سے عقائد اور افکار ہی کی بنیاد پر مختلف ہوتا ہے۔ عقیدہ (Creed) کا ذات وصفاتِ باری تعالیٰ سے تعلق ہو یا انبیاء و ملائکہ سے، وہ جنت و جہنم سے متعلق ہو یا اعمال و اقوال سے۔ کسی بھی دین یا مسلک کا یہ مابہ الامتیاز وصف اور رکن اساسی ہوتا ہے، اعمال و اخلاق اس کے فروع ہوتے ہیں، بنابریں ادیان و فرق کے متعلق ہر ایرے غیرے کو گفتگو کا حق نہیں پہنچتا۔ پھر چونکہ دینی اور مذہبی اختلاف قدرتی اور ضروری (منطقی اصطلاح میں) ہیں، سو یہ کہہ کر ان کی اہمیت گھٹانا ممکن نہیں ہے کہ یہ محض روایتی طرز کے علماء اور مسلمان حکمرانوں کا مذہبی اختراع ہے جو انہوں نے اپنی ریاست وسیادت کو دوام دینے کے لیے گھڑے ہیں، جیسا کہ یہ کہنا کسی طرح ٹھیک نہیں ہے کہ ہر کوئی اپنے عقیدے اور نظریے پر عمل میں آزاد ہے اور اس لحاظ سے ہر مذہب اور مسلک ٹھیک ہی ہے۔ کسی مذہب کو غلط قرار دینے اور اس کا جائزہ لینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

علامہ اقبال نے جو یہ کہا ہے کہ

ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

لوگوں نے اس سے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ، رسول، کتاب اور حرم ایک ہیں، تو ان کو ماننے والے بھی سب ایک ہی ہوئے اور ان میں اختلاف کی بات خود ساختہ اور خواہ مخواہ کی ضد اضدی ہے، حالانکہ اقبال کے یہ ابیات فقط اُن کی ایک نیک تمنا ہے اور بس...... زمینی حقیقت اور امرِ واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور کفر کی طرح سماوی اور غیر سماوی ادیان کا، پھر منسوخ اور ناسخ ادیان کا، ادیانِ باطلہ کے مختلف فرقوں کا، سنت اور شیعیت، سنت و اعتزال وغیرہ کا ایک حقیقی وجود ہے...... یہ سب محض نزاعِ لفظی، کاغذی داستانیں اور مختلف احساسات و نفسیات کی کارستانی نہیں ہے، جیسا کہ بعض نام نہاد دانشوروں کا خیال ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ۵۷۰ء میں ولادت اور اس کے چالیس سال بعد بعثت ہوئی اور آپ نے انسانیت کو

اسلام کی طرف بلایا تو یہ ایک بالکل نئے دین کی داغ بیل نہیں ڈالی جارہی تھی ("ماکنت بدعاً من الرسل" سے سمجھئے) اور اس کا ادیان سابقہ کے لیے ناسخ ہونے کا یہ مطلب نہ تھا کہ دین یہود (بنی اسرائیل) کو اللہ نے مشروع فرمایا، کچھ زمانہ چلایا پھر ختم کردیا اور دین نصاریٰ کو مشروع فرمایا، کچھ زمانہ چلایا پھر اس کا بھی بوریا بستر گول کردیا اور ایک بالکل نئے مذہب کو لائے، بلکہ اللہ کا دین درحقیقت سبھی کے لیے ایک ہی ہے "ان الدین عنداللہ الاسلام" میں جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ اسی کی حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولادوں کو وصیت فرمائی "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" کے الفاظ سے جس کی اللہ جل مجدہ نے حکایت فرمائی۔ اسی بناء پر اسلام کو "ملتِ ابراہیم" کہا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا: "ماکان ابراهيم يهوديا ولا نصرانيا ولكن كان حنيفا مسلماً وماكان من المشركين" یہی اسلام یا حنیفیت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان کی اولاد اسماعیل، اسحاق، اسرائیل (یعقوب) علیہم السلام کا دین تھا۔ یہی پھر بنی اسرائیل کا بھی دین تھا۔ بنی اسرائیل جن کے انبیاء کی تعداد (کہا جاتا ہے کہ) کل انبیاء کی نصف تعداد ہے اور انہی میں سے داؤد صاحبِ زبور، موسیٰ صاحبِ تورات، عیسیٰ صاحبِ انجیل بھی ہیں اور یہی پھر ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی اولاد سے سردار فخر موجودات سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ تاہم یہود ونصاریٰ نے اس دین کا اصل حلیہ اور حقیقی شکل بگاڑ دی تھی جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اپنی صحیح شکل میں ظاہر ہوا......"افغير دين الله يبغون وله اسلم من في السموات والارض طوعا وكرها واليه ترجعون، قل امنا بالله وما انزل علينا وما انزل على ابراهيم واسماعيل واسحاق ويعقوب والاسباط وما اوتي موسى وما اوتي النبيون من ربهم لانفرق بين احد منهم ونحن له مسلمون"...... میں یہی مضمون آیا ہے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دین الٰہی کی تجدید فرمائی اور ادیانِ سابقہ میں جو کچھ "اسلام" میں سے باقی تھا اسے بحال رکھا گیا اور جو کچھ ان کے پیروکاروں کے دست برد سے اس میں سے مٹایا یا اس میں شامل کیا گیا تھا اسے ختم کیا گیا۔ احکام اور فروعات میں اللہ حکیم نے البتہ کچھ ردّوبدل فرمایا جو خود اسلام میں بھی نسخ کے نام سے ابتدائے اسلام سے تکمیل اسلام تک ہوتا رہا۔

☆☆☆

ایک مذہب اور دھرم کی حیثیت سے اسلام کی حیثیت بھی وہی ہے جو یہودیت، عیسائیت اور دیگر مذاہب کی ہے۔تاہم اللہ کو حقیقی اسلام مطلوب ہے اور حقیقی اسلام یہ ہے کہ جو احکام اللہ تعالیٰ جب اور جیسے مشروع فرمائے ان کو جوں کے توں قبول کیا جائے۔عبداللہ بن سلام، کعب بن احبار، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم یہی کرتے رہے، سو وہ سب دوہرے اجر و ثواب کے مستحق قرار پائے۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین من امن باللّٰہ والیوم الاٰخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" اور "ان الذین امنوا والذین ھادوا والصابئین والنصاریٰ والمجوس والذین اشرکوا ان اللّٰہ یفصل بینھم یوم القیامۃ" کا یہی مطلب ہے کہ مسلمان، یہود، نصاریٰ اور صابئین میں سے جو حقیقی اسلام پر چلا اس کے لیے اجر و ثواب ہے، وگرنہ نہیں۔ اور دوم یہ کہ روزِ قیامت یہود و نصاریٰ، مجوس، صابئین، مشرکین اور مسلمان باہم متحارب و مخالف جماعتوں کی شکل میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے۔

معلوم ہوا کہ حق حقیقی اسلام میں منحصر ہے۔غیرِ اسلام کی طرح (ادیان سماویہ ہوں یا دوسرے مذاہب) نام نہاد اسلام بھی حق کا ضامن نہیں ہے۔آج عیسائیت (بقول ان کے) دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے اور یہودیت بھی کرۂ ارض کا ایک بڑا مذہب ہے اور ہم سمجھتے ہیں ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں کی اکثریت اپنے عقائد و نظریات کی حقانیت اور مبنی برحقیقت ہونے کی قائل ہے اور اسلام سے وہ جہل یا بدقسمتی کے باعث برگشتہ ہیں، عناد کی بناء پر نہیں (ہاں ان کے آباء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر اہلِ کتاب کے علماء واحبار حسداً وبغیاً کافر اور اسلام کے مخالف تھے) چنانچہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی پیغمبری اور تورات و انجیل کے منزل من اللہ ہونے کے باوجود ان کے پیروؤں کی گمراہی کا فلسفہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا اور وہ اپنی تمام تر ریاستی طاقت اور ذہنی صلاحیتوں کو اسلام کو مٹانے اور یہودیت و عیسائیت کے فروغ کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور پھونکوں سے اس چراغ کو بجھانے کا خواب دیکھ رہے ہیں، جسے اللہ نے تا قیامت جلائے رکھنے کا وعدہ فرمایا۔کچھ یہی معاملہ دوسرے مذاہب کا بھی ہے۔کہنے کو تو یہ چھوٹی سی بات ہے مگر درحقیقت یہ ایک طویل الذیل اور انتہائی متشعب موضوع ہے اور اسی حقیقت کی بناء پر ایک متلاشی حق کے لیے مقارنہ، مناظرہ یا مکالمہ بین المذاہب ہی ایک ایسا معقول اور سنجیدہ راستہ ہے، جس کی بنیاد پر حق تک

پہنچا جاسکتا ہے۔فرزندانِ اسلام کے، دھریوں، اہلِ کتاب، خود ساختہ مذاہب کے پیروؤں اور اسلام کی طرف منسوب مختلف فرقوں اور طائفوں سے شروع سے معرکۃ الآراء، مناظرے اور مباحثے ہوتے رہے ہیں۔رفتہ رفتہ مناظرہ اور عقائد سے بحث وتمحیص کے موضوع نے ایک اہم فن کی حیثیت اختیار کی جو علم کلام کے نام سے موسوم ہوا، علم کلام بھی نشیب وفراز کے مختلف مراحل سے گزرا، ہر عہد میں اس کے تقاضے بدلتے رہے اور اس پر نئے کام کی ضرورت محسوس ہوتی رہی، موجودہ دور سائنس وٹیکنالوجی کا دور کہلاتا ہے، اس وقت اس کام کے تقاضے اور اس کی ضروریات پہلے سے بالکل مختلف ہیں۔

اس وقت سائنس اور عقل کے تناظر میں عقائد ومذاہب کا جائزہ لیا جارہا ہے اور اسلام کے حوالے سے اقوام عالم کی تحقیقات اور خیالات نیز اس کے خلاف کی جانے والی سازشوں اور کوششوں کا ایک الگ انداز ہے۔مکالمہ، ڈائیلاگ، باہمی گفت وشنید، مطالعہ، دلیل، جمہوریت، رائے عامہ، مفاد عامہ، عدل عمرانی وغیرہ کی اہمیت کو محسوس کیا جارہا ہے۔اسلام نے آج سے سینکڑوں سال قبل انہی بنیادوں پر اپنی بات پیش کی ہے تو گویا سائنس نے اس کے پیغام کی اثر پذیری کے لیے راہ ہموار کردی اور یہ مسلمانوں کے لیے ایک گولڈن چانس ہے۔سو روایتی علم کلام اور فن مناظرہ سے ذرا ہٹ کر عصر حاضر کے فتنوں اور ذہنوں کے حوالے سے اسے رائج الوقت طرق واسالیب کے سانچوں میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ "مکالمہ بین المذاہب" کو اسی تناظر میں دیکھا اور پڑھا جائے۔

عزیز الرحمن العظیمی
جامعہ فاروقیہ کراچی
۱/۳/۱۴۲۸ھ

افتتاحیہ

مولانا ولی خان المظفر دامت برکاتہم

نگران شعبۂ تخصص فی الادب العربی واستاذ الحدیث، جامعہ فاروقیہ کراچی

(۱)

الحمدلله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد.

حضرة العلامة الإمام المحدث سماحة الشيخ سليم الله خان الموقر حفظه الله ورعاه ومتعنا الله تعالى بطول حياته جب سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے کلیدی عہدوں پر منتخب ہوتے رہے ہیں، روزِ اوّل سے انہوں نے اسے ایک منظم، مستقل، پایہ دار اور بین الاقوامی سطح کا ادارہ بنانے کی پیہم مساعی فرمائیں،...... آپ نے نظم وضبط کے ساتھ ساتھ وفاق کے نصاب ومنہج پر بھی بھرپور توجہ دی، جس کی بناء پر آج وفاق کا نصاب الحمدللہ کافی حد تک جامع نظر آرہا ہے اور امید کی جانی چاہیے کہ مزید اصلاحات ہوں گی،...... اس جمع واصلاح کے عمل میں سے یہ بھی ہوا کہ وفاق المدارس کی عاملہ وشوریٰ نے دورۂ حدیث کے طلبہ کے لیے مقالہ نویسی اور مقارنۃ الأدیان کے کورسز نصابی مضامین کے طور پر منظور کیے ...... جامعہ فاروقیہ کراچی چونکہ صدرِ وفاق کی طرف منسوب ہے، اس لیے یہاں وفاق کے فیصلوں کی من وعن تنفیذ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مقارنۃ الأدیان کا یہ دورہ پہلے مولانا ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب دامت زید مجدہم شعبان ورمضان کی سالانہ تعطیلات میں پڑھاتے تھے، جسے طلبہ کو اچھا خاصا علمی فائدہ ہوتا تھا، ان کی وہ تقریریں مرتب ہوکر منظرِ عام پر آگئی ہیں،...... بعد میں تعطیلات کی بجائے دورانِ سال بعداز مغرب اس مضمون کے پڑھانے کا فیصلہ ہوا، جس کی ذمہ داری احقر کے علاوہ مولانا عزیز الرحمٰن اور مولانا زرمحمد کو سونپی گئی، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب

کو سلفیت اور مولانا نازر محمد صاحب کو قادیانیت کا موضوع دیا گیا کہ وہ ان موضوعات پر جامع اور مفصل لیکچر دیں گے۔ اخیر میں مابقیہ فرق کے تعارف کے ساتھ ساتھ اُدیان و مذاہب عالم پر مختصر مختصر روشنی ڈالنے کی ذمہ داری راقم کو حضرۃ الأستاذ مولانا عبدالرزاق صاحب زید مجدھم (سابق ناظم تعلیمات) نے تفویض فرمائی۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ صاحب دام اقبالہم سے اس حوالے سے گفتگو ہوئی ہے اور اب حسب الحکم والارشاد یہ ترتیب ہے۔

(۲)

تعلیمی سال ۲۶۔۱۴۲۵ھ کے شرکاء دورۂ حدیث میں مولوی بشیر احمد بن اظہار میاں بھی شامل تھے، جنہوں نے مذکورہ اساتذہ کی یہ تقاریر و محاضرات سبق کے دوران قلم بند کیے اور بعد میں ہر ایک استاذ کو متعلقہ کاپیاں پیش کیں، جن میں معمولی ترمیم واصلاح کے بعد مناسب سمجھا گیا کہ اسے افادۂ عام کے لیے شائع کیا جائے، جس سے مرتب موصوف کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ آئندہ برسوں میں اس نہج پر کام کرنے والوں کے لیے بہت نہ سہی کچھ نہ کچھ رہنمائی کا سامان بھی ہوگا...... چنانچہ اب یہ مجموعہ کتابی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ہم نے سبق میں چونکہ عیسائیت کو مقدم رکھا تھا اس لیے وہ قدرے تفصیل سے ہے۔ اس کے لیے راقم نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ کی ''اظہار الحق'' اور اس کی شرح ''بائبل سے قرآن تک'' کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی '' ماهي النصرانية؟ '' اور رئیس المناظرین شیخ احمد دیدات کے ''خطبات دیدات'' کو مدار بنایا۔ نیز دیگر مختلف کتب سے بھی استفادہ کرتا رہا۔ اس کے علاوہ دیگر فرق واَدیان کے لیے میں نے ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا''، ''اردو انسائیکلوپیڈیا''، ''دائرة المعارف إسلاميه '' اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے كلية الشريعة وأصول الدين میں شامل نصاب کتاب '' الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة '' اور عربی جرائد و مجلات پر زیادہ تر اعتماد کیا یوں بلامبالغہ اس موضوع کے لیے قریباً دس ہزار صفحات کا مطالعہ عمل میں آیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں مقارنہ کم تعارف زیادہ ہے۔ نیز تصنیف کم، تالیف ہی تالیف ہے۔ جبکہ اس کے لیے موضوع کی مناسبت سے ایک وقیع مقدمہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے۔

(۳)

گلوبلائزیشن کے اس دور میں مکالمہ بین المذاہب کی جس قدر اہمیت وضرورت ہے، کسی بھی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں...... وسیع دنیا کے گلوبل ویلیج بننے اور اس کی وجہ سے بین الاقوامی تعلقات، تنقلات، ارتباطات، اتصالات اور پھر علاقائی وبین الاقوامی سطح پر مسلم وغیر مسلم، اقلیات واکثریات کے امتزاج واختلاط اور اس کے نتیجے میں معرض وجود میں آنے والی سلطنتوں اور حکومتوں سے کہیں بڑھ کر متشکل ومترکب ہونے والی تنظیمیں، کمپنیاں، مختلف النوع الیکٹرانک میڈیا اور این جی اوز نے اس موضوع کی ضرورت کو دوچند کردیا ہے۔

دینی مدارس کے طلبہ کا ہدف اپنے مستقبل میں چونکہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی ہے، خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول، معاشرت، تہذیب وتمدن اور سماجی، اجتماعی، سیاسی نظام اور ادیان ومذاہب سے آگاہ ہوں، تاکہ گلوبلائزیشن کے اس چیلنج کو وہ امت کے لیے ایک چانس، غنیمت، فرصت، اور نعمت میں بدل دیں۔ شاید وفاق کے اکابر نے یہ کورس اسی مقصد کے لیے وضع کیا ہے۔

اے اہلِ نظر، ذوقِ نظر خوب ہے لیکن — جو شی کی حقیقت کو نہ دیکھے، وہ نظر کیا
مقصودِ ہنر، سوزِ حیاتِ ابدی ہے — یہ اک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا
جس سے دلِ دریا متلاطم نہیں ہوتا — اے قطرۂ نیساں، وہ صدف کیا، وہ گہر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو — جس سے چمن افسردہ ہو، وہ بادِ سحر کیا
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں — جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

ولی خان المظفر
شعبۂ تخصص فی الادب العربی
شب جمعہ ۷/۵/۱۴۲۸ھ

سخنہائے گفتنی

عقائد کا موضوع فلسفہ اور منطق کی طرح نہایت بوریت کا حامل ہے، اس کی مشکل اور پیچیدہ ابحاث سے عموماً طبیعت اُچاٹ ہو جاتی ہے، کم لوگ ایسے ہوتے ہیں، جو عقائد کو اپنا موضوع بحث بناتے ہیں اور اسی کو اوڑھنا بچھونا بنا کر ہر دم مشقت طلب ابحاث کی کھود کرید میں لگے ہوں۔ خصوصاً پاکستان اور ہندوستان میں، ہاں، عالم عرب میں عقائد کا موضوع نہایت اہمیت کا حامل رہا ہے، PHD کے اکثر مقالات کا دائرۂ موضوع عقائد کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔

تقابل ادیان ایک ایسا موضوع ہے، جس میں ادیانِ عالم کے بنیادی عقائد کو زیرِ بحث لا کر ان کا تقابل اور موازنہ کیا جاتا ہے، جس کو پوری توجہ اور کامل انہماک کے بغیر سمجھنا مشکل ہے لیکن شومیِ قسمت سے ہمارے نصاب میں اس کے متعلق کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔

جامعہ فاروقیہ کراچی میں دورۂ حدیث کے طلبہ کو تقابل ادیان کا جو کورس کرایا جاتا ہے اس میں ایک اہم بحث "محاضرات في الفِرق والأديان" حضرت استاذ محترم مولانا ولی خان المظفر صاحب کو سپرد کر دیا گیا۔ چیدہ چیدہ مذاہب نیز اسلامی فرقوں کے متعلق انہوں نے کچھ لیکچرز (محاضرات) تیار کیے جو نہایت پسند کیے گئے، چونکہ یہ علمی جواہر پارے بلاشک وشبہ سینکڑوں کتابوں اور ہزاروں اوراق کے سینوں میں چھپے موتی تھے جن کو مرتب نے ترتیب وتنسیق کے تار میں پرو لیا جس سے ایک وقیع علمی دبستان بن گیا۔ افادۂ عام کے لیے ان کی باقاعدہ طباعت کا فیصلہ کیا گیا محاضرات کو کتابی شکل دینے سے پہلے ضرورت اس بات کی تھی کہ ان کو باحوالہ پیش کیا جائے۔ ایک مرتبہ استاذ محترم نے سرِراہ یونہی اس بات کی طرف اشارہ کیا جس کو حکم سمجھ کر اس بارگراں کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھانے کی ٹھان لی۔ دل افگندیم بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا۔

علمی دنیا میں روز نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا ہے ہر کتاب اپنی ندرتِ موضوع اور کیفیاتِ فن کے اعتبار سے اہمیت کا حامل ہوتی ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاتا ہے کہ مصنف، مؤلف یا مرتب نے اپنے موضوع سے کتنا انصاف برتا ہے، چنانچہ ہر لکھاری کی اولین ترجیح ہوتی ہے کہ وہ اپنے موضوع کے تمام گوشوں کا احاطہ کرے اور اس کے متعلق کوئی بات تشنۂ تفصیل محتاجِ توضیح نہ رہے۔ زیرِ نظر کتاب اپنے موضوع کا احاطہ کرنے میں خلعتِ تعریف سے سرفراز ہے جس کا فیصلہ ہر قاری کر سکتا ہے۔

استاذ مکرم نے دیگر مصنفین اور مؤلفین کے طرز سے ہٹ کر ایک نرالہ اور اچھوتا طرز اختیار کیا ہے اس لیے کہ عام طور پر اس موضوع میں کسی مذہب کے صرف بنیادی عقائد ذکر کیے جاتے ہیں۔ جبکہ مذہب کی ابتداء، عقائد کی اساس وبناء،

چیدہ چیدہ معتبر شخصیات اوران کے احوال زندگی بدستور پردۂ خفا میں ہوتے ہیں جس کی وجہ سے نہ صرف موضوع تشنۂ تفصیل رہتا ہے بلکہ بعض دفعہ موضوع کے بارے میں بنیادی معلومات بھی حاصل نہیں ہو پاتیں۔ اس بارے میں مذکورہ تمام باتوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ کسی مذہب یا گروہ کے ہاں عبادت کے شعائر، معاشرت کے رموز تہذیب وثقافت کے اسرار اوران کے لیے استعمال ہونے والی مروّجہ اصطلاحات کو بھی الگ عنوان دے کر واضح کر دیا گیا ہے۔ سیاسی گروہوں، ان کے سرخیل قائدین، مواثیق ومعاہدوں، تنظیمات ومؤتمرات کے بارے میں سیر حاصل بحث ہوتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ان محاضرات کو مختلف کتابوں سے منتخب کیا گیا ہے تخریج ومراجعت کا مطلب یہ ہے کہ ان مصادر اور مراجع تک رسائی حاصل کی جائے جہاں سے مؤلف نے خوشہ چینی کی ہے اور یہ ابتداءً مشکل کام تھا، لیکن سعی پیہم اور تتبع کامل کے بعد نہ صرف مصادر تک رسائی ہوئی بلکہ موضوع کے متعلق بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی اور دشت ہائے کتب کی راہ نوردی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

لہٰذا تخریج ومراجعت کا طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا کہ جس کتاب کا صفحہ نمبر مذکور ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف نے وہاں سے براہِ راست استفادہ کیا ہے اور جہاں صفحہ نمبر مذکور نہیں وہاں موضوع کے متعلق معلومات پائی جاتی ہیں۔ حاشیہ میں آیات، احادیث اور تفسیری عبارات کے ذکر سے حتی الامکان احتراز کیا گیا ہے۔ تاکہ کتاب کی ضخامت کا سبب نہ بن جائے نیز ایک سے زائد حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ بوقت ضرورت مراجعت کی جا سکے۔

حاشیہ میں بعض چیزوں کی وضاحت ناگزیر تھی حسب ضرورت کچھ توضیحی عبارتوں کا اضافہ کیا گیا ہے لیکن اس میں طوالت سے اجتناب کو مدنظر رکھا۔ دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلو پیڈیا، اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں معلومات حروف تہجی (Alphabetic) کی ترتیب سے ہیں، اس میں صفحہ نمبر کا زیادہ تر اہتمام نہیں کیا گیا۔ آخر میں کتابیات کے عنوان تلے موضوع سے متعلق جدید وقدیم دسیوں کتب کا حوالہ محقق قارئین کی سہولت کے لیے دیا گیا ہے۔

ناصر محمود بن ابی سعید الصدوی
متخصص فی الادب العربی، جامعہ فاروقیہ کراچی
۱۴۲۸/۶/۲۶ھ

باب اول:

ادیان ومذاہب

یہاں ہم ادیان ومذاہب عالم پر تفصیلی کلام پیش کریں گے، جس میں مذہب اسلام کے ساتھ اس کی بعض اصطلاحات بھی ہیں، جبکہ اسلامی فرقوں کے تذکرے کے لیے بوجہ کثرت الگ باب مختص کیا گیا ہے، البتہ دیگر مذاہب وادیان کی ضروری اصطلاحات اور اہم فرقے کو انہی کے ساتھ اسی باب میں شامل کیا گیا ہے۔ (مرتب)

دین

لفظ دین وسیع معنوں کا حامل ہے اور یہ خالص قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن میں اسلام کے لیے دین کا لفظ آیا ہے۔ دین اور مذہب میں یہ فرق ہے کہ مذہب صرف عبادات تک محدود ہے اور دین ایک پورے نظام کی نمائندگی کرتا ہے جس کی ترکیب چار اجزاء سے ہوتی ہے: (۱) حاکمیت و اقتدار اعلیٰ (۲) حاکمیت کے مقابلے میں تسلیم و اطاعت (۳) وہ نظام فکر و عمل جو اس نظام کے زیر اثر بنے (۴) مکافات جو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری و اطاعت و سرکشی و بغاوت کے صلے میں دی جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی فی دین اللہ کا استعمال ہوا ہے، اس سے مراد یہی چار معنی ہیں یعنی اقتدارِ اعلیٰ اور اس اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت و بندگی قبول کرنا۔

اللہ کے دین کا مطلب یہ ہے کہ انسان حاکمیت، فرماں روائی اور حکمرانی کا حق صرف اللہ کے لیے مختص کر دے اور اپنی اطاعت و بندگی کو اللہ ہی کے لیے خالص کر دے، دین سے مراد قانون، ضابطہ، شریعت، طریقت اور وہ نظام فکر و عمل ہے جس کے مطابق انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ اقتدار جس کی سند پر کسی ضابطہ و نظام کی پابندی کی جاتی ہے اللہ کا اقتدار ہے تو آدمی اللہ کے دین میں ہے، اگر وہ کسی بادشاہ کا اقتدار ہے، تو آدمی بادشاہ کے دین میں ہے۔ اگر وہ پنڈتوں اور پروہتوں کا اقتدار ہے تو آدمی انہی کے دین میں ہے۔ الغرض جس کی سند کو آخری سند اور جس کے فیصلے کو منتہائے کلام مان کر آدمی کسی کے طریقے پر چلتا ہے تو اسی کے دین کا وہ پیرو ہے۔ 1

1 ﴿إن الدين عند الله الاسلام﴾ سورۂ آل عمران/ 19 اور ﴿ومن يبتغ غير الاسلام ديناً......﴾ آل عمران/ 85 پر مختلف تفسیری تشریحات ملاحظہ ہوں۔ نیز اردو دائرۂ انسائیکلوپیڈیا لفظ (دین)، موسوعۃ مصطلحات العلوم/ 435۔

اسلام

اسلام(ISLAM)ایک بین الاقوامی،گلوبل اور عالمگیر مذہب ہے چنانچہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:
﴿وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين﴾ 1، ﴿وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيراً ونذيراً﴾ 2،
﴿إني رسول الله إليكم جميعاً﴾ 3 ،جس کی اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔ بنیادی طور پر اسلام یہودیت اور عیسائیت بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیغامات کا ہی ایک تتمہ، تکملہ اور مسک الختام ہے جس کی وجہ سے اسے دین ابراہیمی کہا جاتا ہے،لیکن جب سے اسلام کی تعلیمات کی ابتدا ہوئی اُس وقت سے سابقہ تمام مذاہب، نیز یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات منسوخ ہو گئیں۔

ابتدا سے ہی اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے، مگر اس کی تبلیغ کسی خاص گروہ یا قبیلہ کے لیے محدود نہیں رہی، بلکہ اس کی تعلیمات انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں جس سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اسلام تمام عرب میں پھیل گیا تھا بلکہ وفود کی شکل میں آنے والے عرب وعجم کے بدولت اپنی آفاقیت میں ابتدائی قدم رکھ چکا تھا اور سو سال کے اندر اسلام کے اثرات عرب کے ہمسایہ ممالک میں افریقہ کی ساحلی ریاستوں اور اسپین تک میں قائم ہو گئے تھے، مسلمان سیاسی اور تمدنی لحاظ سے دنیا کی سب سے اہم قوم (سپر پاور) بن گئے تھے اور صدیوں تک وہ ایشیا، افریقہ اور یورپ میں تہذیب وتمدن کی قیادت کرتے رہے۔

اسلام کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ نبوت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرنے کے لیے غارِ حرا میں تشریف لے جاتے تھے اور وہیں غور وفکر (مراقبہ) میں ڈوبے رہتے تھے کہ ''آخر لوگ بتوں کو

---

1 سورۂ انبیاء/107

2 سورۂ سبا/28

3 سورۂ اعراف/158

کیوں سجدہ کرتے ہیں!!؟؟......ان کو معبود کیوں قرار دیتے ہیں!!؟؟......آپ اسی الجھن میں گرفتار رہتے کہ کائنات کا خالق کون ہے اور اس کی عبادت صحیح طریقہ پر کس طرح کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی غور وفکر میں مشغول تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنایا: ﴿اقرأ بسم ربك الذي خلق، خلق الإنسان من علق، اقرأ وربك الأكرم الذي علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم۔﴾ 1 اس طرح آپ کو نبوت کا درجہ عطا ہوا اور ایک مذہب جس کا نام ''اسلام'' (اللہ تعالیٰ کی مرضی کا پابند ہو جانا اور تابعداری کرنا) رکھا گیا اور اس کی اشاعت کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت کے سپرد ہوئی۔ 2

اسلام کے قوی پہلو:

۱۔اسلام کا تبلیغی مذہب ہونا، ۲۔عالمگیر ہونا، ۳۔اقوام گیر ہونا، ۴۔جغرافیائی متوسط ہونا، ۵۔اس کے مرکز کا اب تک محفوظ ہونا، ۶۔اس کی مقدس زبان کا محفوظ اور روز بروز وسیع تر ہونا، ۷۔سادہ اور مطابق فطرت ہونا، ۸۔مختلف مذاہب، ثقافات، اقوام او[ر ز]بانوں پر مؤثر ہونا، ۹۔دین ودنیا کے لیے جامع ہونا، ۱۰۔سیاسی ومعاشی مساوات کا حامل ہونا، ۱۱۔خلافت کی صورت میں وحدت اور مرکزیت کا حامل ہونا، ۱۲۔صدیوں سے ہر حال میں مخالفین کی کامیاب مقاومت کرنا۔ 3

اسلامی تعلیمات:

پیغمبر اسلام کی تعلیمات کی رو سے مندرجہ ذیل عقائد پر ہر مسلمان کے لیے ایمان رکھنا ضروری ہے، بغیر اس کے کوئی بھی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

---

1 سورۂ علق/1-5

2 تفسیر عثمانی/آل عمران/19، التاريخ الاسلامی/ د ابراهيم شريفی، الباب الاول، موسوعة مصطلحات العلوم/108، مذاہب عالم/45۔

3 مذاہب عالم/45-74۔

۱.....خدائے واحد پر ایمان لانا اور اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ سمجھنا۔

۲.....خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانا اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر آخر الزماں سمجھنا۔

۳.....آسمانی کتابوں پر ایمان لانا اور قرآن مجید کو خدا کا آخری کلام جاننا۔

۴.....خدا کے فرشتوں کے وجود پر یقین رکھنا۔

۵.....روزِ جزا اور آخرت پر ایمان لانا، جب ہر انسان کے اعمال کے مطابق اس کو سزا یا جزا دی جائے گی۔

۶۔تقدیر پر ایمان لانا۔

یہ وہ احکامِ خداوندی ہیں جن پر یقین رکھنے اور عمل پیرا ہونے سے کوئی بھی اسلام کے دائرے میں داخل ہوسکتا ہے۔اسلام کے ارکان (توحید کے علاوہ) مندرجہ ذیل ہیں: (۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوٰۃ (۴) حج [(۵) جہاد ودعوت]۔

☆.....نماز: خداوند کریم کی عبادت دن میں پانچ وقت ہر مسلمان پر فرض کی گئی۔

☆.....روزہ: رمضان کے مہینے کے روزے ہر صحت مند مسلمان پر فرض کیے گئے۔

☆.....زکوٰۃ: ہر ذی حیثیت مسلمان پر اس کی سال بھر کی بچت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ مقرر ہوئی، تا کہ دولت کی تقسیم ہو سکے اور سرمایہ ایک جگہ جمع نہ ہو جائے۔

☆.....حج: ہر صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے، تا کہ وہ سنتِ ابراہیمی ادا کر سکے، عالمگیر اسلامی اخوت میں عملی طور پر شریک ہو سکے اور خدا کے گھر پہنچ کر خالق سے روحانی تعلق قائم کر سکے۔

[☆.....جہاد ودعوت: اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے۔] [1]

---

[1] تعلیم الاسلام/مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، تعلیم الدین/حضرت تھانوی رحمہ اللہ، مذاہب عالم/ 48-52،
نیز اسلامی انسائیکلوپیڈیا لفظ (اسلام)

قرآن:

مسلمانوں کی مقدس کتاب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ۲۳ سال کے عرصے میں مختلف حصوں کی صورت میں نازل ہوئی۔ اسے الذکر، الکتاب اور فرقان بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تعلیم بھی مسلمانوں کے لیے لازم ہے۔ [1]

پیغمبرِ اسلام:

پیغمبر اسلام عرب کے مشہور قبیلہ بنو ہاشم میں ۵۷۱ء میں پیدا ہوئے، عربوں کی سیاسی، مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی حالت بہت خراب تھی۔ مذہبی لحاظ سے مکہ کو مرکزیت حاصل تھی، کیونکہ یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ موجود تھا، مگر اب اس میں خدائے واحد کی عبادت کی جگہ تین سو ساٹھ بتوں کی عبادت کی جاتی تھی، جو عربوں کے سیاسی اور مذہبی اختلافات کا واحد ثبوت تھے۔

عربوں کی اقتصادی اور معاشرتی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی، وہ عام طور پر خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے، معاشرے میں ہر طرح کی برائیاں پائی جاتی تھیں عورتوں کی کوئی عزت نہ تھی، بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھنے پر فخر کیا جاتا تھا۔ شراب نوشی اور جوا کھیلنے کا رواج عام تھا۔ ان ہی سب خرابیوں کی وجہ سے اس زمانے کو قرآن شریف میں "زمانۂ جاہلیت" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

---

[1] تعلیم الاسلام/ مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ، تفصیل کے لیے دیکھیے علوم القرآن/ مفتی تقی عثمانی، نیز موسوعۃ مصطلحات جامع العلوم/ 694، دائرہ معارف اسلامیہ، مباحث فی علوم القرآن/ مناع القطان/ 15-17، اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

پیغمبر اسلام کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کے والد کی وفات ہوگئی تھی اور چھ برس کی عمر میں ماں کا سایہ بھی اٹھ گیا، چنانچہ آپ کی پرورش کی ذمہ داری آپ کے دادا اور بعد میں چچا ابوطالب کے سپرد ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانداری کی وجہ سے آپ کو ''امین'' کہا جاتا تھا۔آپ کی ایمانداری کی وجہ سے مکہ کی ایک دولت مند بیوہ بی بی خدیجہ نے آپ کے ساتھ شادی کرلی جیسے جیسے وقت گزرتا گیا آپ کا زیادہ وقت عبادت میں گزرنے لگا، یہاں تک کہ غارِ حرا میں کچھ دنوں کے لیے کھانے پینے کا سامان لے کر چلے جاتے اور وہاں غور وفکر میں مشغول رہتے، آپ نے شروع ہی سے کبھی بتوں کو سجدہ نہ کیا تھا، اب آپ اسی الجھن میں گرفتار رہتے کہ خالقِ کائنات کی پرستش کس طرح صحیح طریقہ پر کی جاسکتی ہے، ایک دن جب آپ اسی غور وفکر میں مشغول تھے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس خدا کا پیغام لے کر آئے اور آپ کو خوشخبری سنائی کہ خدا نے آپ کو پیغمبر آخر الزماں مقرر کیا ہے اور ساری دنیا کی رہبری کا کام آپ کے سپرد کیا ہے، اس طرح آپ کو نبوت کا درجہ عطا ہوا اور ایک نئے مذہب جس کا نام اسلام (خدا کی مرضی کے پابند ہوجانا) رکھا گیا اور اس کی اشاعت کی ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی۔

مذہب اسلام عرب کے دیرینہ عقائد سے چونکہ بالکل مختلف تھا اس لیے ہر شخص نے اس کی مخالفت کو اپنا فرض سمجھا اور پیغمبر اسلام پر طرح طرح کے مظالم شروع کیے۔ابتداء میں اس سے صرف چند ہی لوگ متاثر ہوئے مگر ان کے پختگی نے ہر مخالفت کا سامنا کیا جس نے دوسروں پر بھی اسلام کی حقانیت کو واضح کردیا تھا، قریش مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آکر آپ نے مکہ کے باہر تبلیغ شروع کی۔طائف کا سفر کیا۔حج کے زمانہ میں جو تبلیغ مدینہ سے آئے ہوئے قبائل میں کی گئی وہ اسلام جلد ہی مدینہ کی سرزمین میں پھلنے پھولنے لگا۔حالات سازگار دیکھ کر آپ بھی مع مسلمانوں کے مدینہ ہجرت کر گئے۔جہاں سے اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے، کیونکہ ہجرت کے بعد ہی اسلام کی ترقی نہایت تیزی سے ہوئی اور دس سال کے اندر اندر اسلام کو عرب قبائل نے قبول کرلیا۔اسلام کی یہ ترقی ایک حد تک مخالفت کا نتیجہ تھی کیونکہ ہر جنگ کے بعد اسلام مٹنے کے بجائے زیادہ پھیلتا تھا۔جس میں اہم جنگیں بدر، اُحد اور خندق ہیں، ان جنگوں نے اسلام کی طاقت کو بجائے ختم کرنے کے اور زیادہ ترقی کرنے کے مواقع فراہم کیے، کیونکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ

بات اچھی طرح آگئی کہ اگر خدا کی مدد مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتی تو وہ ہرگز اپنے سے کئی گنا زیادہ فوجوں کا مقابلہ نہ کر پاتے یہاں تک کہ ۸ھ میں خود مکہ فتح ہوگیا۔ جس کے بعد عرب قبائل کے علاوہ، تبلیغی خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایران، روم، مصر اور حبش وغیرہ کے بادشاہوں کے نام بھیجے جن سے کافی قومیں متاثر ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا کام اب ختم ہو چکا تھا، چنانچہ ۱۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ [1]

شریعت:

اصطلاحِ مذہب اسلام میں خدائی احکام وقوانین، شریعت دراصل ان احکامِ الٰہی کے مجموعے کو کہتے ہیں جو اخلاقیات سے الگ شمار ہوتے ہیں۔ فقہ شریعتِ اسلامیہ کی فلاسفی اور نظریہ ہے۔ شریعت کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے جس میں کسی فرد یا جماعت کو تنقید کا حق نہیں۔

قوانین شریعت کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں: (۱) وہ قوانین جو عبادت وغیرہ سے متعلق ہیں۔ یہ حقوق اللہ کہلاتے ہیں۔ (۲) وہ قوانین جو عدالتی یا سیاسی اور سماجی سرگرمیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں حقوق العباد کہا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت میں انسانی زندگی کے ہر شعبے کے متعلق جامع اور واضح قوانین موجود ہیں۔ [2]

فقہ:

اسلامی علم قانون۔ فقہ کے دائرہ اختیار میں مسلمانوں کے جملہ مذہبی، سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل شامل ہیں۔ یہ ان تمام معاملات کو قرآن وسنت کے مسلمہ قوانین کی روشنی میں حل کرتا ہے جو مسلمانوں کو اپنی نجی اور اجتماعی زندگی میں پیش آسکتے ہیں۔ اسلامی فقہ میں کسی امر کو قانوناً طے کرنے کے لیے چار اصول مانے

---

1 تفصیل کے لیے تاریخ وسیر کی کتابیں ملاحظہ ہوں، نیز مذاہب عالم از احمد عبداللہ/ 45-48، الأعلام للزرکلی ج: 6/ 218۔

2 دائرہ معارف اسلامیہ (شریعت) نیز اسلامی انسائیکلوپیڈیا، موسوعة مصطلحات العلوم/قاضی عبدالنبی/506، کشاف اصطلاحات العلوم والفنون/محمد علی ج: 1/1128، القاموس الفقهی/193 -

گئے ہیں: (۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس۔

اجماع ان امور میں مستند ہے جن کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی نص صریح ہے اور نہ حدیث میں کوئی واضح حکم۔ مسلمانوں کی اکثریت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اجماع معتبر ہے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جو قرآن و سنت کے علاوہ اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی روشنی میں بھی حل نہ کیا جا سکتا ہو تو کوئی مجتہد، قاضی یا مفتی قیاس سے کام لے سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن و سنت یا اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی کسی ایسی نظیر کو ملحوظ رکھے جو پیش آمدہ معاملے سے کسی نہ کسی حد تک ملتی جلتی ہو۔

علم فقہ پر سب سے مشہور کتاب امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی مؤطا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے اسے ترقی دی۔ اس زمانے میں قیاس کے بارے میں اختلاف ہوا جو لوگ فقہ میں قیاس کو نہیں مانتے وہ اہلِ حدیث (غیر مقلد) کہلاتے ہیں اور جو قیاس کو اہمیت دیتے ہیں وہ اصحاب الرائے مشہور ہیں۔ فقہ کے چار امام مانے جاتے ہیں: (۱) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ (۲) امام شافعی رحمہ اللہ۔ (۳) امام مالک رحمہ اللہ۔ (۴) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ۔ ان کے مقلد بالترتیب حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کہلاتے ہیں اور سب اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں۔ اہلِ ظواہر، اہل حدیث، خوارج اور اہل تشیع (جعفریہ و زیدیہ) کی الگ الگ فقہ ہیں۔ [1]

فتویٰ:

اصطلاحِ اسلام میں اس شرعی رائے کو کہتے ہیں جو کوئی مفتی یا عالمِ دین دیتا ہے۔ فتویٰ سابقہ نظائر کی روشنی میں دیا جاتا ہے۔ اس میں مفتی کی ذاتی رائے کو زیادہ دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ مستند حوالے پیش کرتا ہے۔ ہر مذہب فقہ کے مفتی جداگانہ ہوتے ہیں۔ فتویٰ کسی مسلّمہ قانون کے بارے میں نہیں لیا جاتا بلکہ ایسی فروعات کے بارے میں لیا جاتا ہے جن کا حکم واضح نہ ہو۔ [2]

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا (فقہ)، نیز مقدمات کتب فقہ، سیر حاصل تفصیل کے لیے دیکھیے ''برصغیر میں علم فقہ'' اور ''تاریخ الفقہ و الفقہاء''/حماداللہ، القاموس الفقهي/سعدی ابو حبیب/289۔

[2] اردو انسائیکلوپیڈیا (فتویٰ)، شرح عقود رسم المفتي، کشاف الاصطلاحات ج:2 /1282۔

اجماع:

فقہ کی اصطلاح میں کسی غیر منصوص شرعی معاملے کے متعلق علماء امت کے متفقہ فیصلے کو اجماع امت کہتے ہیں۔ فقہ میں کسی معاملے کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے چار اصول مرتب کیے گئے ہیں۔ قرآن، حدیث، اجتہاد اور اجماع۔ اس کی بنیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا جاتا ہے کہ میری امت کبھی غلط طریقے پر جمع نہیں ہوسکے گی۔ لیکن اجماع صرف انہی معاملات کے بارے میں ہوسکتا ہے جن کے متعلق نہ تو قرآن کریم میں کوئی نص صریح موجود ہو اور نہ کوئی صحیح حدیث ثابت ہو۔ یہ اصول اجتہاد پر بھی حاوی ہوسکتا ہے یعنی جس اجتہاد پر اجماعِ امت ہو جائے وہ مسئلہ مطابق شریعت سمجھا جائے گا۔ [1]

اجتہاد:

اسلامی فقہ کا ایک اہم اصول جس کا مقصد قرآن اور حدیث کی روشنی میں کسی ایسے مسئلے کا حل تلاش کرنا ہے جس کا ذکر قرآن اور حدیث میں صراحتاً موجود نہ ہو۔ فقہ کے چار بڑے ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے طریقے وضع کیے۔ فقہ اسلامی کی بنیاد اجتہاد ہے۔ [2]

وحی:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ، فرمان یا ہدایت۔ قرآن کے مطابق وحی کی تین قسمیں ہیں: (۱) صریح اشارہ یا القاء جس میں الفاظ نہیں ہوتے، بلکہ خیال ذہن میں آتا ہے۔ (۲) غیبی آواز، جس میں آواز تو سنائی دیتی ہے نظر کوئی نہیں آتا ۳۔ فرشتہ خود ظاہر ہو کر پیغام لائے، جیسے جبرئیل خود سامنے آتے اور الفاظ میں وحی کا اظہار کرتے تھے۔ (سورۂ شوریٰ آیت نمبر ۵۱)۔ [3]

وحی صرف پیغمبروں پر نازل ہوتی تھی۔ یہودیوں کے نزدیک بھی وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام لاتے تھے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ وحی فرشتے کے توسط سے آتی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانی فرشتہ

---

1. اسلامی انسائیکلوپیڈیا (اجماع)، القاموس الفقهي/سعدی ابوحبیب/66۔
2. اردو انسائیکلوپیڈیا (اجتہاد)، کشاف الاصطلاحات ج: 101/1، القاموس الفقهي/ابوحبیب/71۔
3. سورۂ شوریٰ/51، القاموس الفقهي/سعدی ابوحبیب/375، کشاف الاصطلاحات ج: 1776/2۔

فاختہ کی شکل میں دکھائی دیا کرتا تھا۔

توحید:

''توحید'' باب تفعیل کا مصدر ہے۔تنہا کرنا،تنہا سمجھنا۔یکتائی،وحدت واحد ہونا،علم الکلام کی اصطلاح میں خدا تعالیٰ کی ذات کا ہر طرح کے شرک اور دوئی سے پاک ہونا۔اسلام کے بنیادی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔قرآن مجید میں خدا کے واحد ہونے کا بیان کئی مقامات پر آیا ہے۔

علمائے دین اس امر پر متفق ہیں کہ توحید کے معنی اللہ کو ایک ماننا اور اس پر ایمان لانا کے ہیں۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات اور صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔شہرۂ آفاق مسلم اسکالر ابن خلدون کے نزدیک توحید کے بارے میں فقط ایمان یا تصدیق کافی نہیں بلکہ دل میں ایک ایسی کیفیت کا پیدا ہونا ضروری ہے جس سے انسان بے اختیار اللہ کو ذات،صفات اور افعال میں یکتا مان لے۔ 1

توحید کے دلائل:

مختلف اسلامی فرقوں نے علم توحید کی طرح طرح کے دلائل سے توضیح کی ہے۔پہلی دلیل تو یہ ہے کہ کسی بھی نظام کار کے لیے حاکمیت اعلیٰ کا واحد اور غیر منقسم ہونا ضروری ہے۔کسی ایسی تنظیم کا تصور بھی محال ہے جہاں دو یا دو سے زیادہ صاحب اقتدار ہوں۔اگرچہ جمہوریت حکومت کا حق بہت سے لوگوں کو تفویض کر دیتی ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ عامل بھی بہت سے ہوں۔یقیناً انہیں ایک نہ ایک عامل منتخب کرنا پڑتا ہے مثلاً صدر یا وزیر اعظم۔ 2

اسلام کی مذہبی زبان عربی:

یہ ایک سامی الاصل زبان ہے، جسے عرب لیگ میں شامل قریباً 23-24 ممالک کے عوام اور دنیا بھر کے کروڑوں انسان بولتے اور سمجھتے ہیں،خدا کی آخری کتاب قرآن اسی زبان میں ہے، بلکہ بعض روایات

---

1 تفصیل کے لیے علم الکلام/مولانا ادریس کاندھلوی،لغوی تحقیق کے لیے لغت کی کتب میں مادہ (و،ح،د) ملاحظہ ہو۔

2 ایضاً۔

میں آتا ہے کہ تمام انبیاء کے پاس وحی عربی زبان میں آتی تھی، پھر حضرات انبیاء اپنی اپنی اقوام کی زبانوں میں ترجمہ کر کے پیش کرتے تھے، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اور آپ کی سنتوں کے ذخیرے کی زبان بھی عربی ہے، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں کہیں شامل ہے کہ ملک کی مذہبی زبان عربی ہوگی، دفتری انگریزی اور بولی کی اردو، بہرکیف یہ مسلمانوں کی مقدس زبان ہے۔ 1

جاہلیت:

اصطلاح میں اس سے مراد زمانہ قبل اسلام کے عربوں کی حالت، دعوت اسلام سے پہلے اور بالخصوص قبل از ہجرت نبوی کا زمانہ مراد ہے کیونکہ اس زمانے میں مشرکین عرب کا اجتماعی اور سیاسی قانون جاری و ساری تھا جو کسی وحی الٰہی کے تابع نہ تھا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ چار مختلف جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔

''اور ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلاف حق تھے۔'' 2

''تو کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔'' 3

''اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔'' 4

''جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی۔'' 5

جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی

---

1 القاموس الوحید اور المعجم کے مقدمات، نیز المعجم المفہرس لألفاظ القرآن (ع، ر، ب) اور علامہ بنوری کی بصائر و عبر ج: 1/290۔

2 سورۂ آل عمران/154، تاریخ اسلام/ نجیب آبادی 1/44-73۔

3 سورۂ مائدہ/50

4 سورۂ احزاب/33

5 سورۂ فتح/26

طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔

مفسرین میں سے بعض کے نزدیک دور جاہلیت اس زمانے کا نام ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تھا اور بعض کے نزدیک ہجرت نبوی تک کا زمانہ ہے۔ بعض نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈیڑھ سو سال پہلے تک کے زمانے کو عہد جاہلیت قرار دیا ہے۔ [1]

کافر/کفر:

اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا منکر یا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا منکر۔ اسلام میں یہ لفظ سب سے پہلے اہل مکہ کے واسطے استعمال ہوا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا نہ صرف انکار کرتے بلکہ آپ کو طرح طرح کی ایذا دیتے تھے۔ شروع شروع میں ان سے جدا رہنے کا حکم آیا۔ پھر اپنے آپ کو ان سے محفوظ رکھنے کی ہدایت کی گئی اور بالآخر ان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ قرآن میں قیامت کے دن کافروں کی رسوائی اور عذاب کا جگہ جگہ ذکر ہے۔ کفر کی چار قسمیں ہیں: (۱) کفر الانکار، جس میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا جائے۔ (۲) کفر الجحود، اللہ تعالیٰ کو ماننا لیکن زبان سے اقرار نہ کرنا۔ (۳) کفر المعتقد، زبان سے اقرار کرنا مگر دل سے یقین نہ رکھنا۔ (۴) کفر النفاق، بظاہر دکھانے کے واسطے اقرار لیکن دل سے انکار۔

حدیث شریف میں کافروں کا بیان اور ان کے انجام کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ ابتداً اسلام میں یہ بحث چھڑی کہ آیا گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہا جا سکتا ہے یا نہیں (صحیح بخاری، کتاب الایمان میں ہے کہ جس نے مسلمان کو کافر کہا وہ خود کافر ہے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مسلمان سے قتال کرنا کفر ہے)۔ [2]

---

1 تفصیل کے لیے دیکھئے قصة الحضارة، کتب تاریخ و سیر کے اولین ابواب، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ (جاہلیت)، تاریخ اسلام/ نجیب آبادی ج:1 / 67-71۔

2 مسلم حدیث نمبر 221 موسوعة الکتب الستة، علم الکلام/ کاندھلوی، نیز اردو انسائیکلوپیڈیا (کافر)، القاموس الفقهي/ 321۔

فائدہ:

پاکستان اور افغانستان کے درمیان ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کا نام ''کافرستان'' ہے۔ یہاں آبادی بہت کم ہے۔ ۱۸۹۶ء تک یہ لوگ کافر تھے اور خدا کی موجودگی سے انکار کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کا علاقہ کافرستان کہلاتا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں ان لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو یہ علاقہ ''نورستان'' کہلانے لگا۔ چترال کے علاقے کیلاش کو بھی کافرستان کہتے ہیں، ان لوگوں کا عجیب وغریب مذہب ہے، یہاں دعوتی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

مُرتد:

عربی مصدر ارتداد کا اسم مفعول، جس کے معنی پھرا ہوا۔ اصطلاحاً وہ شخص جو دین اسلام قبول کر کے اسے ترک کردے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دین سے منحرف ہو جائے اسے قتل کردو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور ان کے قبائل بنو دلج، بنو حنیفہ اور بنو اسود مرتد ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان مرتدوں کے خلاف جہاد کیا اور بقیۃ السیف کو دوبارہ دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ حالیہ دنوں میں جرمنی میں اسلام سے برگشتہ کچھ لوگوں نے جمعیت المرتدین بنادی ہے۔ [1]

بدعت/ بدعتی:

نئی بات یا نئی رسم نکالنا یعنی ایسی بات نکالنا جس کا کتاب وسنت تو کجا آثار صحابہ تک میں پتا نہ چلتا ہو۔ بدعت اور اجتہاد میں زمین آسمان کا فرق ہے، بدعت ضلالت (بدی) ہے اور اجتہاد دین کی ضرورت ہے۔ دین میں نئی بات نکالنا کوئی معمولی برائی نہیں ہے۔ اس پر شدید وعید اس لیے آئی ہے کہ بدعت سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ایسی باتیں بیان کرنے سے رہ گئیں جن کے

1 کتب لغت (ر،د،د)، فقہ وحدیث/ ابواب ارتداد، نیز اردو انسائیکلوپیڈیا (مرتد)، تاریخ اسلام/ نجیب آبادی ج:1/ 232، القاموس الفقھی/ 147۔

کرنے سے آخرت میں بڑا ثواب ہوگا اور آخرت میں ترقی ہوگی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعت سے نہ صرف نفرت تھی بلکہ ایذاء اور تکلیف بھی ہوتی تھی۔ بدعت ایک مہلک اور متعدی مرض ہے۔ اس کے مریضوں سے دور رہنا چاہیے۔ قیامت کے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے بدعتیوں کو دیکھ کر فرمائیں گے۔ ''جنہوں نے میرے بعد دین میں کوئی تبدیلی کی اور بدعت پھیلائی وہ مجھ سے دور رہیں۔''

بدعت کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے وہ مردود ہے۔'' [1]

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''بہترین باتوں کی کتاب قرآن ہے اور بہترین راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں نئے نکالے جائیں اور دین میں ایجاد کی ہوئی ہر نئی چیز گمراہی ہے۔ [2]

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص صاحب بدعت سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کا عمل ختم کردے گا اور اس کے قلب سے ایمان کی نورانیت سلب کرے گا۔ اے مخاطب تو جب کسی کو اس راستہ پر چلتا دیکھے تو تو دوسرا راستہ اختیار کرلے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک قول کی بناء پر بدعت کی دو قسمیں ''النہایہ'' میں بیان کی گئی ہیں۔ (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ۔ جو نئی بات اچھی ہو اور قرآن وسنت اجماع یا اثر کے خلاف نہ ہو اور اجتہاد سے اس کا پتہ چلا لیا جائے وہ بدعت حسنہ ہے اور جو ان ماخذوں کے خلاف ہو وہ بدعت سیئہ ہے۔ تراویح کے سلسلہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بدعت کے حسنہ ہونے کا ایک نکتہ اور اصول بتادیا ہے۔ تراویح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی پڑھی جاتی تھی اور جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باجماعت تراویح کے طریق پر ہمیشہ عمل نہیں فرمایا۔ یہ پورا سلسلہ مسنون تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس طریقہ مسنونہ کو ہمیشہ کے لیے جاری کردیا۔ [3]

---

1. سنن ابن ماجہ باب اجتناب البدع والجدل/6 مطبوعہ ایچ ایم سعید۔
2. مشکوۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ/27 مطبوعہ ایچ ایم سعید۔
3. النہایۃ فی غریب الحدیث (بدع) 1/226، نیز سابقہ حوالہ بر شروح حدیث۔

بدعت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ایک حال میں قائم نہیں رہتی۔اس میں اضافے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پچھلی امتوں نے شرک وبدعات اوراحداث فی الدین کے ذریعے دین کو مسخ کردیا تھا۔بدعت کوئی ایسی ہلکی اورمعمولی برائی نہیں ہے۔ جسے نظرانداز کردیا جائے۔ 1

زندقہ/زندیق

وہ شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف کرنے کے باوجود کافرانہ عقائد رکھتا ہے۔فقہ اسلامی میں یہ اصطلاح اس فاسد العقیدہ بدعتی کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کی تعلیم حکومت کے لیے خطرہ بن جائے۔یہ جرم سزائے موت اورعذاب جہنم کا مستوجب ہے۔مالکیوں کے نزدیک مجرم سے توبہ کرنے کے لیے کہنا بھی بے فائدہ ہے۔بعض نے کہا ہے کہ زندیق ثنویت کا قائل ہے جو دو خالقوں کو مانتا ہے یعنی یزداں واہرمن۔یزدان خالقِ خیراوراہرمن خالقِ شر ہے۔زندیق حق تعالیٰ اورآخرت پر ایمان نہیں رکھتا اور اگر ایمان ظاہر بھی کرے تو درحقیقت باطن میں کافر ہوتا ہے۔مسعودی کے نزدیک مزدکیوں میں اس بدعتی کو زندیق کہتے ہیں جو اوستا کی کسی عبارت کی تاویل کرکے اس کی نئی شرح نکالتا ہے۔داتا گنج بخش بھی اسی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔خوارزمی کے نزدیک مزدک کے پیروکو زندیق کہتے ہیں جو مانوی خارجی تھا۔ ادبی روایات میں تین مشہور مصنفوں،ابن راوندی،توحیدی اورمعرّی کو اسلام کے تین زندیقوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔عملاً قدامت پسند لوگ مناظرانہ تحریروں میں ہراس شخص کو زندیق یا آزاد خیال بتادیتے ہیں جو ان کے نزدیک دین کا ظاہری اقرار کرنے میں کافی خلوص نہ رکھتا ہو۔فقہاء نے زندقہ کو بتدریج ایسی ذہنی بغاوت بتایا،جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا استخفاف ہوتا ہے(امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، ابن حجر ہیتمی) حنبلیوں کے نزدیک زندیقوں کے پانچ فرقے ہیں۔(۱) معطلہ جو خلق وخالق کے منکر ہیں۔(۲) مانویہ (۳) مزدکیہ (جو مجوسی ہیں) (۴) عبدکیہ (۵) روحانیہ، جو عشق کے ذریعے روح کو خدا سے واصل کرکے اپنے آپ کو شرعی قیود وقوانین سے نجات دلوانا چاہتے ہیں۔امام غزالی کے نزدیک زندقہ میں خدا کے وجود سے انکار پایا جاتا ہے۔حسین بن منصور حلاج (جو خود اسی جرم میں سزائے موت

---

1 مقدمہ سنن ابن ماجہ مع شروحات، نیز دائرہ معارف اسلامیہ اور اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اھل البدع والزندقۃ/ ابن حجر ھیتمی۔

سے ہمکنار ہوئے) اخبار الحلاج میں لکھتے ہیں کہ قلب ماہیت کرنے والے وصال کے آستانے پر پہنچ کر تصوف میں عین ذات (خدا) ہونے کا احساس پیدا ہو جاتا ہے جو زندقہ ہے۔ 1

الحاد:

نصوص میں قصداً من مانی تاویلات پیش کرنا اور ضروریات دین سے انکار کرنا۔ 2

حدودُ اللہ:

مذہب کی طرف سے انسانی زندگی کی فلاح و بہبود کے لیے بعض حد بندیوں کا نام حدود اللہ ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے حدود اللہ کے بنیادی ارکان یہ ہیں: ایمان لانا اور نیک کام کرنا۔ ایمان میں اللہ کی وحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ماننا۔ نیک کاموں میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور وہ سب احکام ربانی شامل ہیں جو بنی نوع سے معاملے کے سلسلے میں قرآن مجید کے ذریعے مسلمانوں کو دیے گئے ہیں جو لوگ حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں، انہیں ظالم قرار دیا گیا ہے۔ فی زمانہ حدود اللہ قرآن و حدیث میں مختلف مجرمین کے لیے وضع کردہ جسمانی سزاؤں کو کہتے ہیں۔ 3

ختم نبوت:

مسلمانوں کا عقیدہ: اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید پرانی تمام آسمانی کتابوں کے احکام کو منسوخ کرنے والی اور تمام معاملات کے احکام و قوانین میں جامع و مانع ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی کتاب اللہ کی جانب سے نازل ہوگی نہ ہی کوئی کتاب اور نبی آئے گا۔ بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں، یہ فرماتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اٹھائیں۔

---

1 اسلامی انسائیکلو پیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ، کشاف الاصطلاحات (زندیق)، القاموس الفقهي/160۔

2 مفردات القرآن، إكفار الملحدين/علامہ كشميري رحمه الله، نیز سورۂ فصلت/40، سورۂ اعراف/18 اور سورۂ حج/25 پر تفسیری تشریحات ملاحظہ ہوں۔

3 القاموس الفقهي، کتب فقہ و حدیث میں ابواب الحدود، نیز قرآن کریم میں یہ لفظ دس گیارہ مقام پر واقع ہے۔

مطلب یہ تھا کہ ان دو انگلیوں کے درمیان کوئی تیسری انگلی حائل نہیں۔ اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان بھی کوئی نبوت نہیں۔ میرے بعد بس قیامت ہی ہے اور قیامت تک میں ہی نبی رہنے والا ہوں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے نبی کہہ دو کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' 1 دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تا کہ وہ تمام جہان والوں کے لیے متنبہ کرنے والا ہو۔ 2 ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ 3

ایک گروہ لفظ ''خاتم النبیین'' کے معنی نبیوں کی مہر کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ لیتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو انبیاء بھی آئیں گے وہ آپ کی مہر لگنے سے نبی بنیں گے۔ ایک دوسری تاویل اس گروہ نے یہ بھی کی ہے کہ ''خاتم النبیین'' کے معنی افضل النبیین کے ہیں یعنی نبوت کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے البتہ کمالاتِ نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئے۔ عربی لغت اور محاورہ کی رو سے ''ختم'' کے معنی مہر لگانے، بند کرنے، آخر تک پہنچانے اور کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانے کے ہیں۔ قرآن کے سیاق و سباق اور لغت کے لحاظ سے اس لفظ کا جو مفہوم ہے اسی کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث سے ہوتی ہے۔ 4

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، بلکہ خلفاء ہوں گے۔ 5

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے

---

1 سورۂ اعراف/158۔

2 سورۂ فرقان/1۔

3 سورۂ احزاب/40۔

4 کتب لغت مع مفردات القرآن (اصفہانی) لفظ (ختم) مفردات القرآن/اصفہانی/286۔

5 صحیح بخاری حدیث/3455۔

جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہارِ حیرت کرتے تھے مگر کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ 1

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے اور چھٹی فضیلت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ میرے اوپر انبیاء کا سلسلہ ختم کردیا گیا۔ 2

(۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی امت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو۔ اب میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو۔ لامحالہ اس کو تمہارے اندر ہی نکلنا ہے۔ 3

(۵) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔ 4

(۶) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: "میرے ساتھ تمہاری نسبت وہی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کی تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔" 5

(۷) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ 6

---

1 صحیح بخاری، کتاب المناقب/3534 موسوعۃ الکتب الستۃ۔

2 سنن نسائی/ 429، بخاری شریف/ 335، مسلم شریف/ 521، مسند احمد/ 14268۔

3 سنن ابن ماجہ/ کتاب الفتن/4077 موسوعۃ الکتب الستۃ۔

4 سنن ترمذی/ کتاب المناقب/3686 موسوعۃ الکتب الستۃ۔

5 ترمذی، باب مناقب علی رضی اللہ عنہ /3724 موسوعۃ الکتب الستۃ۔

6 سنن ابوداؤد/ کتاب الفتن /4333 موسوعۃ الکتب الستۃ۔

منکرین ختم نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے مقابلے میں اگر کوئی چیز پیش کرتے ہیں تو وہ یہ حدیث ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''یہ تو کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں مگر یہ نہ کہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جس روایت میں یہ قول منسوب کیا گیا ہے وہ بجائے خود غیر مستند ہے اسے حدیث کی کسی معتبر کتاب میں کسی قابلِ ذکر محدث نے نقل نہیں کیا۔ تفسیر کی کتاب دُرِّ منثور اور لغت حدیث کی ایک کتاب "مجمع بحار الأنوار" سے اس کو نقل کیا جاتا ہے، مگر اس کی سند کا کچھ پتا نہیں ملتا۔ ایسی ایک ضعیف ترین روایت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے مقابلہ میں پیش کیا جاتا ہے جنہیں تمام اکابر محدثین نے صحیح سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اب آپ ہی فرمادیں کہ اس کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے!

قرآن وسنت کے بعد تیسرے درجے میں اہم ترین حیثیت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع کی ہے۔ یہ بات تمام معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور جن لوگوں نے ان کی نبوت تسلیم کی، ان سب کے خلاف صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بالاتفاق جنگ کی تھی، اس سلسلے میں مسیلمہ کذاب کا معاملہ قابلِ ذکر ہے۔ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا منکر نہ تھا بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نبوت کیا گیا ہے۔ بنو حنیفہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے اور انہیں اس نے واقعی غلط فہمی میں ڈالا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود شریکِ رسالت کیا ہے۔ مگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بنو حنیفہ کو مسلمان تسلیم نہیں کیا اور ان پر فوج کشی کی۔ مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروؤں پر جب چڑھائی کی گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور جب وہ لوگ اسیر ہوئے تو فی الواقع ان کو غلام بنالیا گیا۔ یہ کارروائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں

اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری جماعت کے اتفاق سے ہوئی۔ اجماع صحابہ کی اس سے زیادہ صریح مثال شاید ہی کوئی اور ہو۔

اجماع صحابہ کے بعد جس چیز کو حجت کی حیثیت حاصل ہے وہ دور صحابہ کے بعد کے علماء امت کا اجماع ہے۔ پہلی صدی سے لے کر آج تک ہر زمانے کے اور پوری دنیائے اسلام میں تمام علماء اس عقیدے پر متفق ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے یا اس کو مانے، وہ کافر اور خارج از ملت اسلام ہے۔ 1

اس سلسلے کے چند شواہد درج ذیل ہیں:

(۱) علامہ ابن جریر طبری (۲۲۴ھ/۳۱۰ء) اپنی مشہور تفسیر قرآن میں سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''جس نے نبوت کو ختم کر دیا اور اس پر مہر لگا دی، اب قیامت تک یہ دروازہ کسی کے لیے نہیں کھلے گا۔'' 2

(۲) امام طحاوی (۲۳۹ھ/۳۲۱) سلف صالحین اور خصوصاً امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے عقائد بیان کرتے ہوئے نبوت کے بارے میں یہ عقیدہ تحریر فرماتے ہیں: ''اور یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے، چیدہ نبی اور پسندیدہ رسول ہیں اور وہ خاتم الانبیاء، امام الاتقیاء، سید المرسلین اور حبیب رب العالمین ہیں۔ ان کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور خواہش نفس کی بندگی ہے۔'' 3

1 تفصیل کے دیکھیے الفقہ الاکبر اور شرح عقیدہ طحاویۃ۔

2 تفسیر طبری برآیت 40 سورۂ احزاب: 2/210۔

3 مہذب شرح العقیدۃ الطحاویۃ/94۔

(۳) علامہ زمخشری (۴۶۷ھ/ ۵۳۸ء) تفسیر کشاف میں لکھتے ہیں: ''اگر تم کہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی کیسے ہوئے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانے میں نازل ہوں گے، تو میں کہوں گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اس معنی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہ بنایا جائے اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ بھی شریعت محمدیہ کے پیرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلے کی طرف نماز پڑھنے والے کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔ گویا کہ وہ آپ ہی کی امت کے ایک فرد ہیں۔'' 1

(۴) علامہ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) اپنی مشہور و معروف تفسیر میں لکھتے ہیں: ''پس یہ آیت (احزاب: ۴۰) اس باب میں نص صریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی اس مقام کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، دجال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے خواہ وہ کیسے ہی خرق عادت، شعبدے، جادو اور طلسم اور کرشمے بنا کر لے آئے۔'' 2

(۵) فتاویٰ عالمگیری جسے بارہویں صدی ہجری میں اورنگزیب عالمگیر کے حکم سے ہندوستان کے بہت سے اکابر علماء نے مرتب کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے: ''اگر آدمی یہ سمجھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہیں ہیں تو وہ مسلم نہیں ہے اور اگر وہ کہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا میں پیغمبر ہوں تو اس کی تکفیر کرنا واجب ہے۔'' 3

قرآن مجید کی رُو سے ختم نبوت اسلام کے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جن کے ماننے یا نہ ماننے پر آدمی کے کفر و ایمان کا انحصار ہے۔ ایک شخص نبی ہے اور آدمی اس کو نہ مانے تو کافر اور وہ نبی نہ ہو اور آدمی اس کو مان لے تو کافر۔ ایسے نازک معاملے میں اللہ تعالیٰ سے کسی بے احتیاطی کی بدرجۂ اولیٰ توقع نہیں کی جا سکتی۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ خود قرآن میں صاف

---

1 تفسیر الکشاف: 533/3۔

2 تفسیر ابن کثیر: 100/3 مطبوعہ دار القرآن الکریم بیروت۔

3 فتاوی عالمگیری: 263/2۔

صاف اس کی تصریح فرماتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس کا کھلم کھلا اعلان کراتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کبھی تشریف نہ لے جاتے جب تک اپنی امت کو اچھی طرح خبردار نہ کر دیتے کہ میرے بعد بھی انبیاء آئیں گے اور تمہیں ان کو ماننا ہوگا۔

قرآن مجید سے پتہ چلتا ہے کہ صرف چار حالتیں ایسی ہیں جن میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ اول یہ کہ کسی قوم میں پہلے کبھی کوئی نبی نہ آیا ہو اور کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام بھی اس تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ دوم یہ کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کی تعلیم بھلا دی گئی ہو یا اس میں تحریف ہوگئی ہو اور اس کے نقش قدم کی پیروی کرنا ممکن نہ رہا ہو۔ سوم یہ کہ پہلے گزرے ہوئے نبی کے ذریعے مکمل تعلیم وہدایت لوگوں کو نہ ملی ہو اور تکمیل دین کے لیے ایک اور نبی کی حاجت ہو۔

اب یہ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ضرورت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں رہی۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اور دنیا کی تمدنی تاریخ بتا رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مسلسل ایسے حالات موجود رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سب قوموں تک پہنچ سکتی تھی اور ہر وقت پہنچ سکتی ہے۔ اس کے بعد الگ الگ قوموں میں انبیاء آنے کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ قرآن مجید اس پر بھی گواہ ہے اور اس کے حدیث وسیرت کا پورا ذخیرہ اس امر پر شہادت دے رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم بالکل اپنی صحیح صورت میں محفوظ ہے۔ جو کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے۔ اس لیے دوسری ضرورت بھی ختم ہوگئی۔

پھر قرآن مجید یہ بات بھی صاف صاف کہتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دین کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ لہٰذا تکمیل دین کے لیے کوئی نبی درکار نہیں۔ چوتھی ضرورت کے لیے نبی درکار ہوتا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقرر کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ مقرر

نہیں کیا گیا تو یہ وجہ بھی ساقط ہوگئی۔

ختم نبوت کے لیے عظیم الشان قربانی دینے والوں میں ہمارے یہاں ۱۔ غازی علم الدین شہید، ۲۔غازی عبدالقیوم شہید، ۳۔غازی عامر چیمہ شہید کے اسمائے گرامی سرِفہرست ہیں۔ 1

☆☆☆

1 مزید معلومات کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں نہایت مفید ثابت ہوں گی:

☆موقف الأمة الاسلامية من القاديانية۔

☆ماهي القاديانية/ مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔

☆عقیدۂ ختم نبوت اور چہرۂ قادیانیت/ مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ۔

☆ قادیانیوں کا علمی احتساب/ لال حسین اختر۔

☆ فتنۂ قادیانیت کو پہچانیے/ مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔

☆القاديانية/ احسان الٰہی ظہیر۔

☆القاديانية/ ابوالحسن علی ندوی۔

☆ تاریخ قادیانیت/ ثناء اللہ امرتسری۔

☆ آئینۂ قادیانیت/ مولانا اللہ وسایا۔

☆المذهب القادياني/ الیاس برنی۔

عیسائیت

عیسائیت حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ حضرت عیسیٰ کو عربی میں عیسیٰ اور مسیح دونوں کہتے ہیں، اس لیے اس مذہب کو عیسائیت اور مسیحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عبرانی، سریانی اور انگریزی میں یسوع جسوع اور جزز کہا جاتا ہے۔

مسیح کا معنی ہے گناہ معاف کرنے والا اور نجات دینے والا۔ اسی طرح کرسٹ کا معنی ہے نجات دینے والا، اسی سے کرسچن ہے۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لیے "نصاریٰ" کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ "نصاریٰ" ناصری کی جمع ہے اور ناصری فلسطین کے ایک شہر الجلیل کی ایک بستی "ناصرہ" کی طرف نسبت ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی تربیت اور نشأ ونما ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت آج سے ۲۰۰۷ سال پہلے القدس شہر کے متبرک مقام "بیت لحم" میں ہوئی ان کی والدہ کا نام حضرت مریم ہے، مریم حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سے تھی اور بقول عیسائیوں کے یوسف نامی شخص سے ان کی نسبت ہوگئی تھی، یعنی وہ مخطوبہ تھیں یوسف نامی شخص کی۔

ہم مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں، کسی کی مخطوبہ نہیں تھیں، جب وہ بلوغت کو پہنچی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی متعدد کرامات بھی دیکھیں اور جب ان کو اللہ جل شانہ کی طرف سے بغیر باپ کے بیٹا عطا ہونے کا فیصلہ ہوا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری، اسی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ [1] ہم کہتے ہیں کہ اللہ

---

1 سورۂ مریم رکوع نمبر 2 مکمل، نیز سورۂ آل عمران آیت نمبر 33-63۔

کی طرف سے امر ہوا، ہمارا اور عیسائیوں کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ آپ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں نبوت ملی، آپ علیہ السلام نے فلسطین کے قریہ قریہ اور بستی بستی کا دورہ کیا وہاں آپ نے حق کا پیغام پہنچایا، آپ علیہ السلام کی تبلیغ اس لیے تھی کہ یہود دین حق سے ہٹ چکے تھے اور آپ علیہ السلام کی تبلیغ پر ان کی شدید تنقید ہوتی تھی، یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا اور اپنی مذہبی عدالت میں آپ علیہ السلام پر مقدمہ چلوایا، وہ عدالت ایسی تھی جو سزائے موت دینے کے مجاز نہیں تھی، اس لیے یہودیوں نے اُس زمانے کے فلسطین کے رومی گورنر کو ورغلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ آدمی آپ کی حکومت چھیننا چاہتا ہے، اس بناء پر حاکم وقت نے آپ علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کا فیصلہ کیا، پھر بقول عیسائیوں کے، حاکم نے ان کو سولی پر چڑھایا، ہاتھ اور پیر میخوں سے باندھے اور بقول عیسائیوں ہی کے، جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا تو آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''یا اللہ! اس قوم کو بخش دے یہ قوم سمجھتی نہیں ہے، پھر آپ علیہ السلام کو شہید کیا گیا، اس سولی کی وجہ سے پوری عیسائیت کے گناہ معاف ہوگئے اس لیے عیسائی صلیب کی پوجا کرتے ہیں، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد کے مطالبے پر ان کو لاش دے دی گئی، شاگرد لاش کو غار میں لے گیا اور غار کو بند کر کے اس میں دفن کر دیا، پھر تین دن کے بعد جا کر دیکھا تو وہاں لاش موجود نہیں تھی اور اتنے میں نداء آئی کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زندہ ہوگئے، ...... انہوں نے فلسطین کا دورہ بھی کیا پھر آسمان پر اٹھا لیے گئے پھر آخری زمانے میں آئیں گے اور عیسائیت پر ہوں گے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کا ارادہ تو کیا گیا مگر یہودیوں کو یہ اشتباہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک کو عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل بنا دیا، یہودیوں نے اس آدمی کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر لٹکوایا اور قتل کروا دیا، گویا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہ کر سکے۔ ﴿ ولکن شبہ لھم...... ﴾ 1

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسی وقت عیسیٰ علیہ السلام کو مع جسد عنصری کے آسمان پر اٹھا لیا گیا اپنی تمام انسانی صفات کے ساتھ۔ پھر آخری زمانے میں زمین پر آئیں گے، چالیس سال زمین پہ رہیں گے اور کفر سے لڑیں گے اور دین محمدی پر قائم ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوں گی، بعد ازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان آپ کی نمازِ جنازہ پڑھ کر حضور

---
1 سورۂ نساء/157۔

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس میں دفن کردیں گے۔ یہ تمام بحث ایسی احادیث متواترہ میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ 1

عیسائیت کے قدیم فرقے:

ویسے تو عیسائیت ہزاروں ٹکڑوں، جماعتوں اور فرقوں میں بٹ گئی ہے، لیکن ان کے قدیم تین فرقے ہیں: (۱) یعقوبیہ (۲) نسطوریہ (۳) ملکانیہ۔ 2

مشہورترین اور مؤثر جدید فرقے بھی تین ہی ہیں:

(۱)......کیتھولک: یہ رومن کیتھولک (الکاثولیکیة) کہلاتے ہیں، روم میں ان کا بڑا مرکز ہے وہاں ان کے پادری ہوتے ہیں، ان کو پوپ اور گرے گری بھی کہتے ہیں۔ روم اٹلی کا دارالخلافہ ہے، یہ دو حصوں میں منقسم ہیں: ایک حصہ رومی سلطنت کا مرکز ہے اور دوسرا حصہ چرچ کے تابع ہے اس حصے کو عربی میں فاتکان اور انگریزی میں (ویٹیکن سٹی) کہتے ہیں اسی میں پوپ بیٹھتے ہیں۔

(۲)......دوسرا فرقہ آرتھوڈوک ہے، اس کو عربی میں "الأرثوذوكسية" کہتے ہیں۔ ان کا مرکز قسطنطنیہ (استنبول) تھا، جس کی اسلام کے زیر نگین ہونے کے بعد آرتھوڈوک مرکزیت ختم ہو کر اسلامی مرکزیت قائم ہوئی۔ یہ دونوں فرقے قدیم بھی ہیں اور قدامت پرست بھی۔

(۳)...... پروٹسٹانٹ (البروتستانت): یہ سنہ ۱۲۰۰ء میں وجود میں آیا ہے، یہ جدیدیت پسند عیسائی فرقہ ہے، اس کا مرکز جرمنی ہے۔ 3

---

1 تفصیل کے لیے دیکھئے: "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح"۔

2 الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/135، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: عیسائیت کیا ہے/مفتی تقی عثمانی صاحب /64-67، النصرانية/ ابوزہرہ/190-195۔

3 الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/43-44، النصرانية/ابوزہرہ/48-78۔

اناجیل:

اناجیل انجیل کی جمع ہے۔ یہ عبرانی، سریانی کا لفظ ہے جس کا معنی ہے خوشخبری۔ چار اناجیل مشہور ہیں:
(۱) متی (۲) لوقا (۳) مرقس (۴) یوحنا۔ 1

انجیل برناباس:

ایک پانچویں انجیل بھی ہے جس کا وہ لوگ تذکرہ نہیں کرتے اس کا نام انجیل برنباس ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوشخبری ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس میں فارقلیط ہے، عربی میں اس کا معنی ہے محمد۔ ان پانچوں اناجیل میں جو واقعات ہیں سب حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہیں۔ 2

توریت:

توریت کا معنی ہے شرعی تعلیم۔ توریت پانچ کتابوں پر مشتمل ہیں:
(۱) سفر تکوین (مخلوق کی تکوین وتخلیق کس طرح ہوئی) اس کو سِفر (بکسر السین وسکون الفاء) الخليقة بھی کہتے ہیں۔
(۲) استثناء (اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے اواخر کے احکام وواقعات کا تذکرہ ہے۔
(۳) سفر خروج (مصر سے نکلنے کا واقعہ)
(۴) سفر احبار (ان کے علماء کا تذکرہ)
(۵) سفر عدد (یعنی ان کی تعداد) 3

"سِفرٌ" کا معنی ہے کتاب، جمع اسفار ﴿ کمثل الحمار يحمل أسفارا ﴾۔ 4

---

1 الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/ 32، مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: بائبل سے قرآن تک: 1/ 356، النصرانیۃ/ 72۔
2 اسلامی انسائیکلو پیڈیا/ 232، مذاہب عالم/ 146، الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/ 29۔
3 اسلامی انسائیکلو پیڈیا/ 544، مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/ 502۔
4 سورۂ جمعہ/ 5-6۔

زبور:

زبور کا معنی ہے مزمار، اس میں حمد وثناء اور نصائح پر ۱۵۰ مزامیر اور نظمیں ہیں۔ 1

بائبل:

بائبل کا معنی ہے کتاب۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ جو لوگ عیسائی ہیں ان کے مذہب میں کتابوں کی تعداد متعین نہیں ہے، لیکن جس ترتیب سے ہم نے جمع کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل ۷۴ کتابوں کا مجموعہ ہے، ان کے ہاں ان کتابوں کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عہد نامہ قدیم (۲) عہد نامہ جدید

ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: عہد نامہ قدیم اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) متفقہ کتب: ان کی تعداد ۳۸ ہیں (۲) مختلف فیہ: ان کی تعداد ۹ ہیں، کل ۴۷ ہو گئیں۔

اسی طرح عہد نامہ جدید کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) متفقہ کتب: ان کی تعداد ۲۰ ہیں (۲) مختلف فیہ: ان کی تعداد ۷ ہیں، یہ ٹوٹل ۲۷ ہو گئیں۔ سب کو جمع کر لیا جائے تو کل ۷۴ ہو جائیں گی۔ توریت، زبور، اناجیل اور صحائف سب اس میں داخل ہیں، توریت اور زبور کا تعلق عہد نامہ قدیم سے ہے اور اناجیل کا تعلق عہد نامہ جدید سے ہے۔

عہد نامہ قدیم کا مطلب ہے: وہ کتابیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے قبل کی ہیں اور عہد نامہ جدید کا مطلب ہے: وہ کتابیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد کی ہیں۔

عیسائی توریت، زبور اور صحیفے سب کو مانتے ہیں، لیکن یہودی عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب اور صحائف کو نہیں مانتے۔ 2

---

1. اردو انسائیکلوپیڈیا/543۔

2. مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا/ ت محمد صدیق/ 502، الملل والنحل/ شہرستانی۔

مجالس قسطنطین:

چونکہ یہ کتب شروع سے محل نزاع وتردد تھیں، اس لیے تیسری صدی عیسوی میں بادشاہ قسطنطین نے بائبل پر تحقیق کے لیے معاصر پادریوں کی کئی میٹنگیں کرائیں۔ اپنی پہلی میٹنگ میں بڑی تحقیق اور جستجو کے بعد ان پادریوں نے پوری بائبل میں صرف ایک جز کو واجب الایمان والتسلیم قرار دیا، بقیہ تمام اجزاء کو مشکوک قرار دیا۔

دوسری میٹنگ (یا کنونشن) میں انہوں نے مزید سات اجزاء کی صحت کا فیصلہ کیا،...... اس کے بعد تیسرا کنونشن ہوا، جس میں مزید سات اجزاء کو واجب الایمان قرار دیا گیا۔ ان کنونشنوں کو بالترتیب نالش، لوڈیشیا اور کارتھیج کنونشنز کے نام دیئے گئے تھے، ان کے بعد تین اجتماعات اور ہوئے، ٹرلو، فلورنس اور ٹرنٹ۔ ان اجتماعات میں تمام مشکوک اجزاء کو صحیح قرار دیا گیا، لیکن بغیر کسی واضح دلیل اور برہان کے۔ اسی لیے بعد میں جب فرقہ پروٹسٹنٹ نمودار ہوا، تو انہوں نے پھر سے بائبل کی کئی کتب (اجزاء) کو نہ صرف مشکوک بلکہ واجب الرد قرار دے دیا، پروٹسٹنٹ والے تردید کے مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں جن کے جواب اب تک نہیں مل سکے:

(۱)...... یہ کتابیں اپنی اصل زبانوں عبرانی اور جالدی میں جھوٹی ہیں اور موجودہ زمانے میں ان زبانوں میں یہ کتابیں (اجزاء) موجود نہیں ہیں۔

(۲)...... یہودی بھی ان کو الہامی تسلیم نہیں کرتے۔

(۳)...... عیسائیوں کا بھی ان کے مسلّم ہونے پر اجماع نہیں ہے۔

(۴)...... مشہور (پادری جیرو) کہتا ہے کہ یہ کتابیں دینی مسائل کی تقریر واثبات کے لیے کافی نہیں ہیں۔

(۵)...... پادری کملوس کا کہنا ہے کہ یہ کتابیں پڑھی جاتیں ہیں مگر ہر مقام پر نہیں۔

(۶)...... پادری یوسی بیس نے تصریح کی ہے کہ یہ کتابیں محرّف ہو چکی ہیں۔

اب آپ حضرات خود ہی ان کتابوں کی صحت وعدم صحت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ آپ حضرات تو دورۂ حدیث کے طلبہ ہیں گویا علماء اور فضلاء ہیں، ایک عام سلیم الطبع آدمی کے سامنے بھی اگر یہ تفصیل بائبل کے

متعلق بیان کی جائے، تو وہ بھی بلا تأمل اسے غیر مستند قرار دے دے گا۔ [1]

بائبل مستند کتاب نہیں:

بائبل مستند نہیں ہے، اس کی کوئی سند ہی نہیں۔ اس بات کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے تو توریت نا قابل تسلیم ہے اس میں جا بجا ایسے تناقضات ہیں جو رفع نہیں ہو سکتے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس کی روایات میں انقطاع ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہمیشہ غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا، اگر یہ کتاب اس زمانے کی ہوتی تو حال کا صیغہ استعمال ہوتا، موجودہ توریت کے متعلق تو خود عیسائی محققین نے بھی کہا ہے کہ اس کی زبان موسیٰ علیہ السلام کے نوسو سال کے بعد کی زبان سے ملتی جلتی ہے، قربان گاہ کے پتھر کے لیے توریت کافی تھی جبکہ آج کی توریت زیادات اور تصرفات کی وجہ سے دسیوں اسفار پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بہت لمبی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس اس زمانے میں لکھنے کا رواج نہ تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام تو منجانب اللہ پڑھے ہوئے تھے، اتنی لمبی کتاب مرتب کرنا اس زمانہ میں ممکن نہ تھا۔ نیز موجودہ توریت میں فحش غلطیاں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی نہیں ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام بھی نہیں ہو سکتا، اس میں لکھا ہے (نعوذ باللہ) ''لوط علیہ السلام اپنے بیٹوں کے ساتھ لواطت کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔''

لہٰذا ہم کہیں گے موجودہ توریت صحیح نہیں ہے، نیز اناجیل اربعہ کے تمام رواۃ مجہول ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں ہے لہٰذا بائبل وغیرہ سب مسترد ہیں اگرچہ بائبل کا مطالعہ کرنے سے کہیں کہیں روشنی کی کرنیں ملیں گی، ان چیدہ چیدہ کلمات پر جو کئی کئی صفحات کے بعد ملتے ہیں چرچ نے لال نشانات لگائے ہوئے ہیں۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ پوری بائبل ان کے یہاں بھی معتبر نہیں ہے۔

بائبل کے تضادات:

مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''اظہار الحق'' میں ۱۲۴ر تضادات وتناقضات گنوائے ہیں، ان تضادات میں سے چیدہ چیدہ تضادات پر ایک نظر:

---

[1] بائبل سے قرآن تک: 1/ 323

(۱)......ایک انجیل میں بنی اسرائیل کی تعداد کا تذکرہ ملتا ہے آٹھ لاکھ اور انہیں میں سے ایک گروپ کی تعداد پانچ لاکھ نقل کی گئی ہے جبکہ دوسری انجیل میں بالترتیب گیارہ لاکھ اور ان میں سے دوسرے گروپ کی تعداد چار لاکھ بتائی گئی ہے۔

(۲)......جاد علیہ السلام جو اکثر (انباء الغیب) یعنی غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ایک بائبل میں قحط کو سات سال بتاتے ہیں اور ایک میں تین سال۔ یہ بہت بڑا اختلاف ہے۔

(۳)......آخزیاہ ایک بادشاہ ہے ایک بائبل میں لکھا ہے کہ وہ ۴۲ سال میں تخت نشین ہوئے اور ایک میں لکھا ہے کہ ۲۲ سال میں تخت نشین ہوئے۔

(۴)......اسی طرح اور ایک بادشاہ ہے یہویاکین۔ایک بائبل میں لکھا ہے کہ ۸ سال اور ایک میں لکھا ہے ۱۸ سال (یعنی تخت نشینی کے وقت ۸ برس کا تھا یا ۱۸ کا)۔

(۵)......ایک بائبل میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام تابوت کو فلسطینیوں سے جہاد کے بعد لے کر آئے اور ایک بائبل میں ہے کہ جہاد سے پہلے لے کر آئے۔

(۶)......ایک بائبل میں طوفانِ نوح کے بارے میں آیا ہے کہ تمام پرندو چرند اور حشرات الارض میں سے ایک ایک جوڑا (نر و مادہ) کشتی میں سوار کرایا گیا تھا، جبکہ بعض دیگر اناجیل میں ہے کہ سات سات جوڑے یا دو دو جوڑے سوار کرائے گئے۔......کس قدر اختلاف و تضاد ہے!

(۷)......ایک آیت میں ہے کہ بنی اسرائیل نے مدین والوں کو نیست و نابود کر دیا تھا بالخصوص مردوں (جوانوں، بوڑھوں حتیٰ کہ شیر خوار بچوں) کو بے دریغ تہ تیغ کیا تھا، جبکہ ایک سو سال سے بھی کم مدت میں آگے ان کی طاقت و دبدبے کا تذکرہ ملتا ہے کہ بنی اسرائیل ان سے مغلوب اور عاجز تھے جو عقلاً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

(۸)......اسی طرح نوح علیہ السلام کی کشتی کے بارے میں لکھا ہے کہ ساتویں مہینہ میں وہ ارمینیا میں رک گئی اور آخری آیت میں ہے کہ پہاڑ دسویں مہینہ میں نظر آنے لگا تو کشتی وہاں رک گئی۔......کتنا سنگین تناقض ہے!

(۹)......آخزیاہ جب مرا تو اس کی عمر ۳۶ سال تھی اور بیٹا تخت نشین ہوا تو اس کی عمر ۲۵ سال تھی تو گویا کہ اس کی عمر ۱۱ رسال تھی جب ان کے یہاں بیٹا ہوا، حالانکہ یہ عقلاً وعادۃً محال ہے۔

(۱۰)......سلیمان علیہ السلام کے عہدے دار ۳۳۰۰ تھے اور ایک روایت میں ۳۶۰۰ آیا ہے۔

(۱۱)......ایک جگہ ہے: ''جب خداوند یہودیت پر ناراض ہوئے تو ان کے دشمن کو ان پر بھڑکا دیا۔''
یہودیوں کے نزدیک اللہ خالق خیر وشر ہے اور عیسائیت کے نزدیک خالق شر اللہ نہیں ہے بلکہ شیطان ہے۔ اسی لیے انہوں نے مذکورہ بالا آیت میں تحریف کر کے خداوند کے بجائے شیطان لکھ دیا۔

(۱۲)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسب میں عیسیٰ بن یوسف بن یعقوب اور بعض میں آیا ہے عیسیٰ بن یوسف بن ہالی بعض سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناتن بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں، جبکہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں۔

(۱۳)......بعض اناجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان ۴۲ اور بعض میں ۲۶ پشتوں کا فاصلہ ملتا ہے۔

(۱۵)......حضرت مریم علیہا السلام کے نسب میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں یا حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے۔

(۱۶)......بائبل میں کہیں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشہور مناظرہ یہودیوں سے یروشلم پہنچنے کے دو دن بعد ہوا اور کہیں آتا ہے کہ دوسرے دن ہوا وغیرہ وغیرہ۔ 1

تضادات وتناقضات کے اس (مشتے از خروارے) سے کوئی بھی ذی عقل سلیم یہ اندازہ بہت آسانی سے لگا سکتا ہے کہ بائبل اگر آسمانی کلام کا مجموعہ ہوتا، تو اس میں اس قدر اختلافات ہرگز ہرگز نہ ہوتے۔ اسی لیے قرآنِ کریم کے متعلق باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافا كثيراً ﴾۔ 2

1 بائبل سے قرآن تک/373-449، الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/38۔

2 سورۃ نساء/82۔

بائبل کی اغلاط:

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بائبل کی بہت زیادہ غلطیاں ذکر کی ہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس کی بہت خوب تشریحات فرمائی ہیں۔ یہاں کچھ غلطیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے:

(۱)......مصر میں بنی اسرائیل کا قیام بائبل کی تصریح کے مطابق چار سو تیس سال ہے جبکہ صحیح ۲۱۵ سال ہے، یہ وہ غلطی ہے جن کو عیسائی پادریوں نے خود تسلیم کیا ہے۔

(۲)......مصر سے خروج کے وقت بنی لاوی کے علاوہ یہودیوں کی ۲۰ یا اس سے زائد عمر کے مردوں کی تعداد ۶ لاکھ تھی اور لاوبین کو ملا کر ۲۵ لاکھ تعداد بنتی ہے، جبکہ یہ کئی وجوہ سے بالکل غلط ہے، اس لیے کہ مصر جاتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور خاندان کے مرد اور عورت سب ملا کر ۷۰ تھے، مدت اقامت وہاں ۲۱۵ سال ہے، خروج سے ۸۰ سال پہلے تک ان کے بچے قتل کیے جاتے تھے اور صرف بچیاں زندہ چھوڑی جاتی تھیں، نفس الأمری طور پر ممکن نہیں ہے کہ اس مذکورہ مدت میں اتنی قلیل جماعت افزائش نسل سے اتنی بڑی تعداد تک پہنچ جائے۔

(۳)......انجیل میں ایک جگہ لفظ ہے ''چالیس''۔ اس کے متعلق پادریوں نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ ''چار'' ہے۔ اسی کے ساتھ ایک لفظ ہے ''آرام''۔ پادریوں نے کہا ہے کہ یہ ''ادوم'' ہے۔

(۴)......حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو ہیکل سلیمانی قائم کی تھی، اس کی لمبائی ۱۲۰ ہاتھ نقل کی گئی ہے، حالانکہ صحیح صرف ۳۰ ہاتھ ہے۔

(۵)......اسی طرح ایک جگہ بنی بنیامین کی سرحد (دریا کے سامنے سے آگے......) نقل کی ہے، حالانکہ ان کے حدود میں کوئی دریا وریا نہیں ہے۔ نیز یہ بھی غلط ہے کہ یہودا کی حد اردن تک ہے......جبکہ یہودا کے حدود اردن سے بہت آگے تک متجاوز ہیں۔

(۶)......ایک جنگ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کے لشکر کی تعداد چار لاکھ تھی اور ان کے مقابلے میں آنے والوں کی تعداد آٹھ لاکھ تھی، آگے چل کر اسرائیل کے مقتولین کی تعداد ۵ لاکھ نقل کی گئی

ہے، جبکہ مندرجہ بالا اعداد وشمار بالترتیب صحیح چالیس (۴۰) ہزار، اسّی (۸۰) ہزار اور پچاس (۵۰) ہزار ہیں۔

(۷)...... بائبل میں ایک جگہ ہے کہ شاہ اسرائیل آخزیاہ، یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ آخزیاہ یہودا کا بادشاہ گذرا ہے۔

نیز توریت کو یہ لوگ مانتے ہیں، جس میں ایک آیت ہے مسیحیت موعود ہے اس کو یہودی نہیں مانتے۔

اسی توریت میں ہے کہ یہودی یروشلم میں ہمیشہ امن وآشتی کے ساتھ رہیں گے یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ زمینی حقیقت یہ ہے: ہمیشہ رہے نہ رہیں گے، امن وآشتی نصیب ہوئی نہ ہوگی۔

(۸)...... ایک اور آیت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت ان (یہودیوں) کو نصیب ہوا اور ایک آیت میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت ہمیشہ رہے گا، اگر تخت سے حقیقی تخت مراد ہے وہ بھی نہیں ہے اور اگر حکمرانی مراد ہے وہ بھی غلط ہے۔

(۹)...... ایک لفظ ہے ''اوریم''۔ وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور میں جائیں گے تو کوے کھانا وغیرہ لائیں گے یعنی لفظ ''اوریم'' کا ترجمہ کوے سے کیا ہے جبکہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اصل لفظ ''غراب'' یا ''عرب'' تھا، تو انہوں نے یہ تحریف قصداً کی ہے اگر خطأً کی ہے تو بھی غلطی ہے۔

(۱۰)...... حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب کو تین طرح بیان کرتے ہیں: (۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت داؤد علیہ السلام تک (۲) حضرت داؤد سے بابل جانے تک (۳) بابل جانے سے مسیح علیہ السلام تک۔

یہاں ایک جگہ ناموں میں ۱۸ اور ۱۴ کا اختلاف ہے، جن میں سے ایک صحیح اور ایک غلط ہونا ایک بدیہی بات ہے، لیکن پادری کہتے ہیں کہ دونوں صحیح ہیں کہ ۱۸ اور ۱۴ ایک ہی ہے، جیسا کہ تین اور ایک ایک ہی ہوتا ہے...... فیا سبحان الله۔

(۱۱)...... ''علمة'' ایک لفظ ہے، توریت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ ایک اور آدمی کے متعلق پیشنگوئی ہے جس کا نام ''عمانوائیل'' ہے کہ وہ ایک کنواری لڑکی (علمہ) سے پیدا ہوگا، جبکہ لغت کے

اعتبار سے عبرانی میں "علمۃ" نوجوان شادی شدہ عورت کو کہتے ہیں۔

(۱۲)......ایک جگہ بائبل میں لکھا ہے کہ (ہیرودیاس) ایک خاتون ہے، اس کے شوہر فلپّس کو قتل کیا گیا حالانکہ اس کے شوہر کا نام ہیرودیس ہے فلپّس نہیں ہے۔ بائبل کے ایک حصے میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب مصلوب کیا جائے گا تو زمین، چٹانیں اور پہاڑ ہل جائیں گے، حالانکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

(۱۳)......بائبل کی تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھنے کے بعد جب قبر میں جائیں گے تین دن رہیں گے پھر آسمان پر چڑھ جائیں گے، لیکن جب ۲۴ گھنٹے کے بعد لوگ گئے تو لاش نہیں تھی، اس غلطی کی بھی تصریح انہوں نے خود کی ہے۔

(۱۴)......حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب یہ یہودی مجھے قتل کریں گے تو میرے آس پاس جتنے بھی لوگ کھڑے ہوں گے کوئی بھی نہیں مرے گا، حالانکہ سب مر گئے۔

(۱۵)......توریت میں ہے کہ یہودیوں سے کہا گیا ہے کہ تم اسرائیل کے تمام شہروں میں پھر نہیں سکو گے، ابن آدم کو بادشاہ لے کر آئیں گے، حالانکہ یہودی پوری دنیا میں مارے مارے پھر رہے ہیں اس لیے یہ بھی غلطی ہے۔

(۱۶)......توریت میں ہے کہ القدس کی بربادی پر قیامت برپا ہو جائے گی، یہ بھی غلطی ہے کیونکہ القدس کی بربادی کئی مرتبہ ہوئی ہے پھر بھی قیامت برپا نہیں ہوئی۔

(۱۷)......بائبل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی آسمان پر نہیں چڑھا، حالانکہ حضرت ادریس علیہ السلام و ایلیاء علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ یہ حضرات آسمان پر چڑھے ہیں۔

(۱۸)...... بائبل میں ہے کہ بارہ کے بارہ حواری تخت نشین ہوں گے یعنی انہیں خلافت ملے گی، حالانکہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ ان میں سے ایک (یہوداا سکر یوتی) تو مرتد بھی ہو گیا تھا۔

بہرحال یہ میں نے آپ حضرات کے سامنے بائبل کے اغلاط پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے، تفصیل کے لیے آپ حضرات، مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ''اظہار الحق'' اور اس کا ترجمہ وتشریح ''بائبل سے قرآن'' تک کا مطالعہ فرمائیے گا، جہاں حضرت کیرانوی رحمہ اللہ نے ان اغلاط کی ایک لمبی، دقیق اور

مفصل فہرست پیش کی ہے۔ 1

کیا بائبل کی کتابیں الہامی ہیں؟:

بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں، اس کی چند وجوہات ہیں:

(۱)......کثرت اغلاط۔

(۲)......کثرت ردوبدل، تحریف۔

(فائدہ: جو واقعات آج کل ان کتابوں میں موجود ہیں یہ تاریخی حیثیت رکھتی ہیں الہامی نہیں)۔

(۳)......لیکن تاریخی حیثیت سے بھی یہ اغلاط کا خزانہ ہے۔

(۴)......بائبل کی کئی کتب کے متعلق عیسائیوں کا اپنا اعتراف واقرار کہ فلاں فلاں کتب الہامی نہیں ہیں۔

(۵)......کئی عیسائی مفکرین ومحققین نے توریت کے الہامی ہونے سے قطعاً انکار کیا ہے، حالانکہ توریت بھی موجودہ بائبل کا حصہ ہے۔ 2

ہمارا نقطۂ نظر:

بائبل جہاں جہاں قرآن وسنت سے معارض ہوگی، رد کردی جائے گی، جہاں جہاں موافق ہوگی، تسلیم کی جائے گی، صحت کی بناء پر نہیں قرآن وسنت کی وجہ سے، جہاں جہاں صرف تاریخی واقعات بیان کرے گی، قرآن وسنت سے نہ موافق ہوگی نہ معارض، وہاں ہم سکوت اختیار کریں گے۔ لا نرد و لا نسلم۔

یہ بات آپ حضرات خوب ذہن نشین فرمائیں کہ ہمارے بعض نام نہاد مفسرین، محققین اور متفقہین مسٹر مودودی و مسٹر غامدی وأمثالھما کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ جہاں بائبل قرآن سے متصادم نہیں، وہاں انہوں نے اسے کلی طور پر تسلیم کیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ضلوا فاضلوا کا مصداق بن گئے ہیں۔ 3

---

1 ''اظہار الحق'' اور اس کا ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' تیسری فصل 1/ 450-536۔

2 مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''بائبل سے قرآن تک'' چوتھی فصل 1/ 537-540۔

3 تفصیل کے لیے دیکھئے: بائبل سے قرآن تک ج:1، فصل 4/ 537-610۔

اس حوالے سے تین مغالطے:

مغالطہ نمبرا: پروٹسٹنٹ فرقہ کا کہنا ہے: ''پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں ان انجیلوں کی سند موجود ہے، لہٰذا یہ غیر مستند نہیں ہیں۔ دلیل میں کہتے ہیں کہ روم کے دو بڑے پادریوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔

جواب: ہم سند متصل مانگتے ہیں، الہام یا کشف نہیں اور یہاں اتصال سند مفقود ہے۔

مغالطہ نمبر۲: مرقس نے اپنی انجیل پطرس کی مدد سے لکھی ہے اور لوقا نے پولس کی مدد سے، پطرس اور پولس دونوں کو الہام ہوتا تھا۔

جواب: انجیل مرقس پطرس کے بعد لکھی گئی ہے اور پولس نے انجیل لوقا کو نہیں دیکھا ہے، لہٰذا یہ بھی غلط ثابت ہوا۔

اب خلاصہ یہ ہے کہ خود تم اقرار کرتے ہو کہ یہ کتابیں غلطیوں سے بھری ہوئی ہیں، تم کہتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا کہ یہ کتابیں الہامی نہیں ہیں۔ فماذا بعدا لحق إلا الضلال۔ [1]

مغالطہ نمبر۳: یہ کتابیں مشہور ہو چکی ہیں اب انہیں کوئی تحریف نہیں کر سکتا قرآن کریم کی طرح۔

جواب: یہ کتابیں پہلے سے تحریف شدہ ہیں، نیز جن زبانوں میں یہ کتابیں اتری تھیں اب ان زبانوں میں باقی نہیں ہیں۔ ہمارے پاس آٹھویں صدی سے پہلے کا کوئی نسخہ نہیں ہے اور تمہارے سینے میں بھی یہ موجود نہیں ہے۔

بائبل کی تحریفات:

یہاں (تحریف کو) ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱)...... تحریف لفظی (۲)...... تحریف معنوی

تحریف معنوی میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، بائبل کی تمام کتب کے متعلق یہ اجماع نقل کیا گیا ہے کہ ان کتب میں تحریف معنوی کی گئی ہے۔

---

1 سورۂ یونس/32۔

تحریف لفظی کی پھر تین قسمیں ہیں:

(۱)...... تغییر: یعنی ایک لفظ یا آیت یا مضمون کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لگا دیا جائے۔

(۲)......زیادات واضافات: بائبل میں جا بجا الفاظ یا ہندسوں یا مضامین میں اضافہ کیا گیا ہے۔

(۳)......حذف: یعنی کسی چیز کو غائب کر دینا۔

اس قسم کی تحریفات بھی بائبل میں ہوئی ہیں۔ نیز بائبل کی کتابیں بہت زیادہ ہیں اور اس میں اختلاف بھی ہے ایک قول کے مطابق ۶۸ ہیں دوسرے قول کے مطابق ۷۴ تیسرے قول کے مطابق ۸۱ ہیں، جس میں مختار قول ۷۴ کا ہے۔

تورات کے تین نسخے مشہور ہیں، ایک عبرانی زبان میں ہے اور ایک یونانی نسخہ ہے اور ایک سامری نسخہ ہے۔ سامری نسخہ سامرہ کی طرف منسوب فرقہ کا ہے۔ عبرانی نسخہ متفق ہے یعنی یہود وعیسائی سارے اسے مانتے ہیں، جبکہ سامری نسخہ صرف سامری فرقہ والے مانتے ہیں۔

موجودہ بائبلوں میں اتنی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اگر وسیع النظر عادل اور منصف عیسائی بغور دیکھ لے گا تو فوراً مبرا ہونے کا اعلان کرے گا، کیونکہ ایک سیدھی سادھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتاب ہوتی ہے وہ غلطیوں اور تحریفات سے محفوظ ہوتی ہے۔ اب ہم آپ کو ان تبدیلیوں کی کچھ جھلکیاں دکھاتے ہیں: [1]

تبدیلیاں:

(۱)......حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک کے درمیان زمانے کی مدت ایک نسخہ میں ''۱۶۵۶'' ایک میں ''۲۲۶۲'' اور ایک میں ''۱۳۰۷'' ہے، جبکہ مشہور یہودی مؤرخ یوسیفیس نے ''۲۲۵۶'' بتائی ہے اور اس نے تصریح کی ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔

(۲)......طوفان نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک زمانے کی مدت ایک نسخے میں ''۲۹۲'' اور ایک میں ''۱۰۷۲'' اور ایک میں ''۹۴۲'' برس ہے، جبکہ یہودی اور عیسائی مؤرخین نے تصریح کی ہے کہ ''۳۵۲'' صحیح ہے۔

---

[1] الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/31، بائبل سے قرآن تک 2/13-14۔

(۳)......توریت میں ایک جگہ تفصیلی گفتگو آئی ہے کہ عیبال پہاڑ یا جریزم پہاڑ (یہ دونوں ایک دوسرے کے بالمقابل الگ الگ پہاڑ ہیں) پر مسجد قائم کرو، جبکہ مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس میں ایک صحیح ہے اور دوسرے کا نام کتاب میں تبدیلی وتحریف کی وجہ سے در آیا ہے۔

(۴)......توریت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب پانی کے کنویں پر گئے تو انہوں نے (بنتان) سے پوچھا کہ تم کیوں نہیں پلاتیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''ریوڑ جمع ہو جائے'' جبکہ صحیح یہ نہیں ہے، بلکہ صحیح ''چرواہے جمع ہو جائیں'' ہے۔

(۵)......معکہ نامی عورت کے بارے میں بائبل میں ہے کہ یہ ان کی بہن ہے اور دوسری میں ہے کہ یہ ان کی بیوی ہے، جبکہ ان کے ایک فرقے پروٹسٹنٹ نے تصریح کی ہے کہ بہن صحیح ہے۔

(۶)......ایک جگہ میں ہے: ''انہوں نے ان کی باتوں کی وجہ سے سرکشی نہیں کی'' جبکہ دوسرے نسخے میں ہے: ''انہوں نے اس کے قول کے خلاف کیا''۔

(۷)......ایک آیت میں ہے: ''خدا کے کنیسہ کی گلہ بانی کرو'' جبکہ صحیح خدا کی جگہ ''رب'' ہے۔

(۸)......ایک جگہ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے ایک فرشتہ اڑتا ہوا دیکھا ہے'' جبکہ (کریباخ) کہہ رہا ہے کہ لفظ (عقاب) صحیح ہے، لفظ ''فرشتہ'' یہاں تحریف ہے۔ [1]

اضافات:

(۱)......توریت میں آیت ہے: ''یہی وہ بادشاہ ہے کہ جو ملک ادوم پر پیشتر اس سے کہ اسرائیل کا کوئی بادشاہ ہو مسلط تھے۔ یہ آیت توریت میں اضافہ ہے۔ مشہور محقق آدم کلارک کہتا ہے کہ یہ آیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نہیں ہے۔

(۲)......اسی طرح ان بائبلوں میں ہے کہ ''خداوند پہاڑ پر مہیا کیا جائے گا'' اور یہ لوگ خداوند پہاڑ سے وہ پہاڑ مراد لیتے ہیں کہ جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبح کیا تھا، جبکہ اس پہاڑ پر خداوند پہاڑ کا اطلاق حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہیکل کے بعد ہوا ہے، تو یہاں توریت

---

1 بائبل سے قرآن تک 2/15-34۔

موسوی میں یہ لفظ پہلے سے کیسے آ گیا۔

(۳)...... بنی اسرائیل چالیس سال تک من کھاتے تھے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد من کا سلسلہ بند کر دیا گیا، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں اس کی بندش نہیں ہوئی تھی۔اب بھی ممکن ہے کہ کھایا جاتا ہو۔قرآن کریم میں چالیس سال تک سرگرداں پھرنے کا تذکرہ ہے۔

(۴)...... کنیکاٹ نے کتاب استثناء کی کچھ عبارت کو بے ربط قرار دے کر باقاعدہ اس کو نکالنے کی سفارش کی ہے۔

(۵)...... ہنری واسکاٹ نے کتاب یوشع کے بعض ابواب کو اضافہ قرار دیا ہے۔

(۶)...... ''پھر خدا نے کہا کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کس سے تشبیہ دوں اور یہ کس کے مانند ہیں۔'' اس آیت میں ''پھر خدا نے'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۷)...... پروٹسٹنٹ کے امام اعظم لوتھر نے بائبل کے ترجمہ کے مقدمہ میں لکھا ہے: ''میرے ترجمہ میں تحریف نہ کی جائے۔'' اس لیے کہ ان کو پتہ تھا کہ یہود و نصاریٰ تحریف کر ڈالیں گے۔ 1

تحریف حذف:

(۱)...... بائبل میں ایک جگہ ہے کہ قابل نے ہابل کو کہا کہ ''آؤ کھیت کی طرف چلیں۔'' موجودہ بائبل میں ''آؤ کھیت کی طرف چلیں'' یہ جملہ نہیں ہے۔

(۲)...... طوفان نوح کے بارے میں ہے کہ ''طوفان نوح چالیس شب و روز تک زمین پر رہا'' جبکہ قبل الحذف ''روز'' کی جگہ ''دن'' تھا۔

(۳)...... ''سوتم ضرور ہی میری ہڈی یہاں سے لے جانا'' یہ کسی نبی کے متعلق ہے۔اس جملہ میں ''اپنے ساتھ'' کاٹا گیا ہے۔

(۴)...... ایک جملہ ہے ''اس سے موسیٰ اور ہارون پیدا ہوئے'' جبکہ اصل عبارت میں ''اور ان کی بہن مریم'' بھی ہے، جس کو انہوں نے ختم کیا ہے۔

(۵)...... ''ان کو جانے نہ دیا'' اس میں لفظ ''یسوع'' کاٹا گیا ہے۔ 2

---

1 بائبل سے قرآن تک/مفتی تقی عثمانی صاحب: 2/40-71۔

2 بائبل سے قرآن تک/مفتی تقی عثمانی صاحب: 2/80-101۔

مغالطے:

مغالطہ نمبر۱: بائبل میں تحریف مسلمانوں کا پروپیگنڈہ ہے۔

جواب نمبر۱: یہ مسلمانوں کا پروپیگنڈہ نہیں ہے، بلکہ ''سلسوس'' بت پرست دوسری صدی عیسوی کا مشرک عالم انجیل میں چار مرتبہ تبدیلی کا دعویٰ کرتا ہے۔

جواب نمبر۲: پارکر (PARKAR) ایک دہری ہے، وہ انجیل میں تیس ہزار مقامات میں تحریف کا قائل تھا۔

جواب نمبر۳: ''اکسی ہومو'' یہ بائبل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔

جواب نمبر۴: ''البیونیہ'' مارسیونیہ دونوں فرقے تحریف کے قائل تھے۔

جواب نمبر۵: آدم کلاک، پولس، یوحنا، موشیم، وارڈ، لارڈنر اور نومسلم عبدالسلام مصنف "الرسالة الهادية" وغیرہم کا اعتراف ہے کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے۔

مغالطہ نمبر۲: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا تھا کہ یہ کتابیں الہامی ہیں۔

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ معلوم نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے یا نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ہم بھی قائل ہیں کہ یہ الہامی تھیں، مگر یہ موجودہ بائبل الہامی نہیں ہے۔

مغالطہ نمبر۳: جیسے تم دیانت دار ہو، اسی طرح اہلِ کتاب بھی دیانت دار تھے۔

جواب: شواہد اس کی نفی کرتے ہیں۔

مغالطہ نمبر۴: ہمارے پاس عہد نبوی سے پہلے کے نسخے موجود ہیں۔

جواب: آپ کے محققین اور مذہبی پیشوایان خود کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاس عہد نبوی سے پہلے کوئی کتاب نہیں تھی اور کئی مرتبہ یہ کتابیں ختم ہوئیں اور پھر سے ہر ایک نے اپنی طرف سے لکھ ڈالی۔ [1]

---

1 بائبل سے قرآن تک/ مفتی تقی عثمانی صاحب: 2 / 101-169۔

تثلیث:

تثلیث کا لغوی معنی ہے: تین بنانا، تثلیث عیسائیوں کا ایک عقیدہ ہے کہ تین کو ایک اور ایک کو تین ماننا۔ تین چیزیں ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس۔ [1]

باپ کی تعریف:

باپ اللہ تعالیٰ ہی ہے (نعوذ باللہ) ایک ہی ہے، ازلی ہے، ابدی ہے، لایموت ہے، قادر علی کل شی ہے، اپنی ذات وصفات میں بے مثال ہے، نہ اس کا کوئی جسم ہے اور نہ اس کی کوئی تصویر۔ [2]

بیٹے کی تعریف:

اللہ رب العزت کا وہ صفت کلام ہے جو اللہ رب العزت نے فرمایا ہے، جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تولد ہوا، گویا عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی صفت کلام ہے۔ [3]

روح القدس کی تعریف:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب ''بپتسما'' (عیسائی اپنے بچوں اور عیسائیت میں داخل ہونے والوں کو ایک خاص قسم کا غسل دیا کرتے ہیں جسے ''بپتسما'' کہتے ہیں۔ [صِبْغَۃَ اللہ] کی تفسیر میں اس کی تفصیل دیکھی جائے) دیا جارہا تھا اس وقت ایک پرندے کی شکل میں روح القدس آیا اور عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا۔
اور بعض اس طرح کہتے ہیں: باپ، بیٹا اور مریم۔
کہتے ہیں کہ یہ تینوں ایک خدا ہے۔ تینوں مستقل مستقل خدا بھی ہیں، بائبل میں جگہ جگہ ہے کہ معبود حقیقی ایک ہی ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنا اور کرانا حرام ہے اور یہ لائق سنگساری جرم ہے۔ [4]

1۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا/474، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا/446، محاضرات فی النصرانیۃ/ابوزہرہ/121، الانبیاء فی القرآن/ سعد صادق محمد/232۔
2۔ بائبل سے قرآن تک 1/46: مفتی تقی عثمانی صاحب، اظہار الحق/ رحمت اللہ/268، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا/446، محاضرات فی النصرانیۃ/124۔
3۔ بائبل سے قرآن تک/ مفتی تقی عثمانی صاحب: 2/243-279۔
4۔ ایضاً۔

جسمیت اور مکانیت:

ان کی کتابوں میں اللہ رب العزت کے لیے جسمیت کا تذکرہ ہے اور مکانیت کا بھی تذکرہ ہے، بائبل کی تمام کتابوں میں مجاز اور مبالغہ کا کثرت سے استعمال ہے اور لفظ خداوند اللہ کے لیے، شیطان کے لیے اور مضبوط آدمی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

تثلیث حقیقی عقلاً ناممکن ہے اور غلط ہے۔

(۱) تثلیث: ثلاثہ سے ہے اور ہر ایک تین کا مرکب ہے پھر ہر ایک کو تین تین میں تقسیم کیا جائے ...... وھلم جرا۔

(۲) تثلیث سے لازم آتا ہے کہ خدا کوئی حقیقت واقعیہ نہیں ہے۔

(۳) تثلیث سے لازم آئے گا کہ وہ تینوں صفات کمال سے متصف ہوتے ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو حقیقت میں تو نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم کھاتے تھے ﴿کانا یأکلانِ الطعام﴾ [1] اگر نہیں تو پھر خدا ہونا اور ان صفات کمال سے متصف ہونا ممکن نہیں۔

لاہوت: وہ چیز جس کا تعلق الہیات سے ہو۔

ناسوت: وہ چیز جس کا تعلق انسانیات سے ہو۔

لہٰذا لاہوت اور ناسوت کو ملا دیا جائے تو پہلا اقنوم لاہوت کا ہوگا اور دوسرا ناسوت کا ہوگا، اِن میں سے ایک محدود اور ایک لامحدود ہوگا، یہ بھی ناممکن ہے۔ [2]

تثلیث حقیقی حضرت عیسیٰؑ کے اقوال کی روشنی میں:

(۱) لوگ تجھ خدائے واحد اور برحق یسوع مسیح کو مانے۔

(۲) سو خداوند ہمارا ایک ہی خداوند ہے۔

(۳) اس گھڑی (قیامت) کو کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا مگر باپ۔ [3]

1۔ سورۂ مائدہ/75۔

2۔ ''عیسائیت کیا ہے''/43-48: مفتی تقی عثانی صاحب۔

3۔ بائبل سے قرآن تک 2/263-264۔

خدا کا بیٹا:

(۱) بائبل میں کئی جگہ خدا کا بیٹا اور کہیں عبد اور کہیں کسی انسان کو بیٹا کہا گیا ہے۔

(۲) بائبل میں مختلف لوگوں کے لیے خدا کا بیٹا استعمال ہوا ہے۔ مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام وغیرہما۔ یہاں تک کہ بعض کے متعلق ابوۃ و بنوۃ کی دونوں نسبتیں بیان ہوئی ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے ''اور میں اس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوں گا۔''

(۳) انجیل یوحنا باب، آیت ۲۳ میں ہے: ''تم نیچے کا ہو اور میں اوپر کا ہوں''۔

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ عقل کے خلاف ہے اور نصوص قطعیہ جو ان کے ہاں ہیں وہ اس کے مخالف ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام خود کہتا ہے کہ میرے شاگرد اس دنیا کے نہیں ہیں، تو گویا وہ بھی اوپر کے ہوئے، اب اگر اوپر اور نیچے کے الفاظ سے خدائی مل سکتی ہے، تو ان شاگردوں کو بھی ملنی چاہیے۔ 1

میں اور باپ ایک ہیں:

جواب نمبر۱: یہ بداھۃً محال ہے۔

جواب نمبر۲: بائبل میں جو ہے کہ ہم سب ایک ہیں یہ حواریین کے بارے میں ہے۔ بائبل میں ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے خدا کو دیکھا۔ جواب یہ ہے کہ یہ حواریین کے متعلق ہے۔

سوال: وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے؟

جواب: حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔

سوال: وہ مردہ کو زندہ کرتا تھا؟

جواب: حضرت حزقیال علیہ السلام نے تو ایک ہزار کو زندہ کیا تھا تو پھر ان کو خدا مانو اور بنی اسرائیل کے گائے کے گوشت کے ٹکڑے کو بھی خدا مانو۔ 2

---

1 بائبل سے قرآن تک/ مفتی تقی عثمانی صاحب: 2/ 280-284۔

2 اظہار الحق/ رحمت اللہ/ 273-280۔

قرآن پر عیسائیوں کے اعتراضات:

علامہ رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمہ اللہ نے بہت مفصل طور پر قرآن کریم پر عیسائیوں کے اعتراضات نقل کر کے ان کے کافی شافی جوابات دیئے ہیں، یہاں ہم اختصار کے ساتھ کچھ اعتراضات اور ان کے جوابات آپ کے سامنے ذکر کرنا چاہیں گے۔

اعتراض نمبر ۱: قرآن کریم کی بلاغت مافوق البشر نہیں ہے اور اگر ہے تو اس کو عربی زبان و ادب کا ماہر ہی سمجھ سکتا ہے، عوام تو اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔

جواب: قرآن کریم کس حد تک بلیغ ہے، یہ ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، جو ایک نفس الأمری اور زمینی حقیقت بن چکی ہے، اس سے انکار سوائے ہٹ دھرمی کے کچھ اور نہیں۔

رہی یہ بات کہ اسے صرف ماہرینِ عربیت شناخت کر سکتے ہیں اور کوئی نہیں، تو یہ بات مسلم ہے، لیکن اس سے ان کا مدّعیٰ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ معجزہ بلغاء، وفصحاء اور اُدباء ہی کو عاجز و قاصر کرنے کے لیے تھا، نہ کے عوام کے لیے۔ البتہ عوام کو خواص کے عاجز ہونے کا بدیہی علم ہو چکا ہے، جس سے عوام کو قرآن کریم کی حقانیت کا علم ہوا۔

اعتراض نمبر ۲: سورۂ روم میں جو غلبہ کا ذکر ہے یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تجزیہ تھا۔

جواب: تجزیہ میں جزم نہیں ہوتا اور یہاں پر جزم کے ساتھ ذکر ہوا ہے، نیز عقل مندی کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ تجزیہ میں جزم نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا پھر پیشگوئی کی اور پھر وہ سچ بھی ہو گیا۔

اعتراض نمبر ۳: قرآن کریم ایک ہی دفعہ میں کیوں نہ اترا؟

جواب: اس کے کئی وجوہات ہیں: تسہیل حفظ کے لیے، اگر جملۃً نزول ہوتا تو حفظ میں مشکل پیش آتی، لوگوں کے لیے احکام پر عمل کرنا مشکل ہوتا، تثبیت قدم کے لیے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدم رہے اور مخالفت کرنے والے لوگوں کو تسہیل ہو کہ آپ بھی ایک چھوٹی سی سورت لے کر آؤ۔ قرآن معجز ہے اگر کوئی کہے کہ قرآن معجز نہیں۔ تو اس سے کہو کہ اس طرح تم بھی تھوڑا تھوڑا کر کے ایک کتاب لے کر آؤ۔

اعتراض نمبر۴: قرآن روح کی مقتضیات نہیں ہیں؟

جواب: روح سلیم کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ کامل اعتقادات ہوں اور نیک اعمال ہوں۔ قرآن کریم ان دونوں حوالوں سے لاجواب ہے، سو آپ کا یہ کہنا کہ روح کی مقتضیات نہیں ہیں، سو فیصد غلط ہے۔ [1]

اعتراض نمبر۵: تمہارے عقیدے کے مطابق قرآن میں اختلاف ہے؟

جواب: یہ اختلافات یا با ختلاف زمان ہیں یا با ختلاف مکان، جہاں زمان و مکان کے اختلاف سے اختلاف آجائے وہ اختلاف و تناقض اہل علم و منطق کے یہاں نہیں سمجھا جاتا۔ (تدوینِ قرآن، مولانا مناظر حسن گیلانی)

احادیث پر عیسائیوں کے اعتراضات:

اعتراض نمبر۱: راویانِ حدیث جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے دار تھے اس لیے انہیں کے حق میں روایتیں لی ہیں۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں:

(۱)......حضرت مریم، یوسف نجار اور حواریین کون ہیں؟ ان کا بھی تو کچھ نہ کچھ رشتہ و تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے، تو ان سے مروی تمام روایات آپ نے اس بناء پر مسترد کر دی ہیں؟

(۲)......حضرت کعب احبار، حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت بلال حبشی، حضرت سلمان فارسی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا رشتے ہیں؟ اور ان کے علاوہ ہزاروں صحابہ ایسے ہیں جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۲: کچھ احادیث پر اہل تشیع کے اعتراضات ہیں۔

جواب: اس کے تین جوابات ہیں:

(۱)......اہل کلیسا بھی تو ایک دوسرے پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں۔

(۲)......قرآن کریم کی صحت پر بلا کم و بیش تمام اہل تشیع کے سب فرقوں کا اتفاق ہے، لہٰذا وہ جس قرآن کریم کو مانتے ہیں وہی راویانِ حدیث حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تائید کر رہا ہے۔

---

1. اظہار الحق/رحمت اللہ/293-312، بائبل سے قرآن تک/مفتی تقی عثمانی 2/ 365-431۔

(۳)......شیعوں کے ہاں معتبر ترین کتاب ''نہج البلاغہ'' ہے۔ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وہ شخص کتنا اچھا اور بہترین ہے کیونکہ اس نے کجی کو سیدھا کیا، سنگین بیماریوں کا علاج کیا، سنت کو قائم اور جاری کیا، بدعات کی مخالفت کی، دنیا سے پاک دامن گیا......''۔ نیز فرماتے ہیں: ''مجھے اپنی زندگی کی قسم! اسلام میں ان دونوں (حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کا پایہ بہت بلند ہے۔ ایک اور معتبر ترین کتاب ''الفصول'' میں امام محمد الباقر فرماتے ہیں: ''حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔'' پتہ چلا بنیادا اختلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۳: محدثین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بُعد زمانی ہے۔

جواب: اس کے بھی کئی جوابات ہیں:

(۱)......صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے ہی میں احادیث لکھی گئی ہیں (مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''تدوینِ حدیث'' ملاحظہ ہو)۔

(۲)......عرب کا حافظہ مسلّم ہے، انہی حافظوں سے کتابیں نقل کی گئی ہیں۔

(۳) ائمہ محدثین تک یہ روایتیں کتابتاً اور مشافہۃً اتنی بڑی جماعت نے پہنچائی ہے جن کا جھوٹ پر اجتماع ممکن نہیں۔

اعتراض نمبر۴: کچھ احادیث خلاف واقع ہیں؟

جواب: کوئی ایک بھی صحیح حدیث جو خلاف واقعہ ہو پیش کر کے دکھاؤ۔

اعتراض نمبر۵: احادیث میں تعارض ہے؟

جواب نمبر۱: صحیح احادیث میں اوّل تو تعارض ہی نہیں ہے۔

جواب نمبر۲: اگر تعارض ہے بھی تو ادنیٰ تأمل سے دور ہو جاتا ہے۔ 1

1 تدوین حدیث/ مناظر احسن گیلانی، اظہار الحق/ رحمت اللہ/ 337-351، بائبل سے قرآن تک/ مفتی تقی عثمانی 2/ 431-460۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات:

(۱)......معجزات لفظیہ: ماضی کی خبریں، مستقبل کی پیشن گوئیاں، اپنے ہی زمانے کی کچھ مغیبات کی خبریں۔

(۲)......عملی معجزات: کل ایک ہزار ہیں، مثلاً: معراج، کنکریوں کا بولنا، انگلی سے پانی کا نکلنا، کھانے میں اضافہ، دودھ میں اضافہ، درخت کی شہادت، کھجور کے درخت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، مسجد نبوی کے ستون کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کی وجہ سے رونا اور شق قمر وغیرہ۔

اعتراض: شق قمر تاریخ میں کیوں نہیں ہے؟

جواب نمبر۱: ہندو اور دھری طوفان نوح کے منکر ہیں۔ ان کے ہاں تاریخ میں نہیں ہے آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟

جواب نمبر۲ (الف): شق کے بعد فوراً مل گیا۔

جواب نمبر۲ (ب): ایسی کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی کہ آج چاند کے دو ٹکڑے ہوں گے۔

جواب نمبر۲ (ج): وہ رات کا وقت تھا اور یہ واقعہ صرف وہاں کے آس پاس کے لوگوں کو ہی دکھانا تھا۔

جواب نمبر۲ (د): بادل کا امکان ہے۔

فائدہ:

امام غزالی رحمہ اللہ اور بعد میں مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ نصاریٰ میں سے جن جن کو اسلام کی صحیح دعوت پہنچی اور وہ اچھی طرح سمجھ گئے، پھر مسلمان نہ ہوئے وہ کافر ہیں اور وہ لوگ جن کو اسلام کی یا تو سرے سے دعوت نہیں پہنچی یا خلط ملط شدہ پہنچی اور مشرف باسلام نہ ہوسکے، ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہوسکتی ہے۔ (**)

(**)

نوٹ:

عیسائیت کے خلاف جن نابغۂ روزگار شخصیات نے کام کیا ہے، ان میں سرِ فہرست علامہ رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمہ اللہ (جن کی کتاب اظہار الحق کو بنیاد بنا کر یہ عیسائیت والا مضمون مرتب کیا گیا ہے) اور شیخ احمد دیدات ہیں۔ مختصر سا تذکرہ ان دونوں بزرگوں کا پیش خدمت ہے: (بائبل سے قرآن تک/169-217، نیز اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الاعلام)

۱۔ علامہ رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ:

(۱۲۳۳ھ۔۱۳۰۸ء) مبلغ اسلام والد کا نام خلیل اللہ کیرانہ ضلع (مظفرنگر) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ مولانا محمد حیات (خلیفہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی) مفتی سعد اللہ مرادآبادی، مولانا احمد علی مظفرنگری مولانا عبدالرحمٰن چشتی اور مولانا امام بخش صوبائی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ حکیم فیض محمد سے طب اور مصنف لوگاتم سے ریاضی پڑھی۔

۱۲۵۶ھ میں شادی ہوئی اور ۱۲۵۷ھ میں مہاراجہ ہندوراؤ کے ہاں دہلی میں میر منشی مقرر ہوئے۔ کچھ مدت بعد ملازمت چھوڑ دی اور کیرانہ جا کر درس وتدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۱۱ رجب ۱۲۷۰ھ کو آگرہ میں پادری فنڈر کو ایک مناظرے میں شکستِ فاش دی اور مولانا کیرانوی رحمہ اللہ نے انجیل میں تحریف ثابت کردی۔ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی گرفتاری کے لیے انگریزوں نے ایک ہزار روپے کا انعام مقرر کیا۔ لیکن آپ ایک بادبانی کشتی کے ذریعے جدہ پہنچے اور مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ کلکتہ کی ایک صاحبِ حیثیت خاتون صولت النساء بیگم کے مالی تعاون سے مدرسہ صولتیہ قائم کیا اور وہاں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ جب نہرِ زبیدہ کی دوبارہ کھدائی کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تو آپ اس کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ سلطان عبدالحمید نے آپ کو قسطنطنیہ بلایا اور ضعفِ بصارت کا علاج کرایا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر واپس مکہ مکرمہ آگئے اور ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔

۲۔ شیخ احمد دیدات:

شیخ احمد دیدات یکم جولائی ۱۹۱۸ء کو ہندوستان کے ضلع سُورت میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ جنوبی افریقہ ہجرت کی۔ وہ بچپن ہی سے بڑے ہونہار اور آگے بڑھنے والے طالب علم تھے۔ انہوں نے دنیا کے تمام براعظموں میں ہزاروں لیکچر دیئے اور عیسائی مبلغوں کے ساتھ کامیاب مباحثے کیے۔ مذاہب کے تقابلی جائزے کے سلسلے میں انہوں نے تمام براعظموں کا سفر کیا اور امریکا کے پروٹسٹنٹ حلقوں اور آنجہانی پاپ جان پال دوم سے بھی مکالمہ کیا۔ سچائی کے دفاع پر ان کی استقامت کی وجہ سے ان پر فرانس اور نائجیریا میں داخلہ پر پابندی عائد کردی گئی۔

ہزاروں غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے اور اسلام کی نشر واشاعت کی خدمات کے سلسلے میں انہیں ۱۹۸۶ء میں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔

شیخ احمد دیدات قرآن سے زیادہ بائبل کے عالم تھے اور وہ اس کی تعلیمات سے زیادہ شناسا اور ماہر تھے۔ ان کی اسی سوجھ بوجھ اور تقابلی تناظر نے بہت سے عیسائیوں کو اپنے مذہب کے بارے میں از سرِ نو سوچنے پر مجبور کردیا۔

۸ راگست ۲۰۰۵ء کو وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ خدا اُن پر اپنی رحمت کرے اور ان کی ان کوششوں کو منظور فرمائے جو انہوں نے اسلام کی ترویج کے لیے کیں۔ (خطبات دیدات، نیز الاعلام)

1 احاطۂ دیوبند میں بیتے ہوئے دن/ مناظر احسن گیلانی۔

کانونٹ:

یہ عیسائی راہبوں اور سالکوں کا گروہ ہے۔ایسی جماعت کے مرد راہب (MONKS) اور عورتیں راہبات (NUNS) کہلاتی ہیں۔جس عمارت میں یہ لوگ رہتے ہیں اسے بھی کانونٹ کہتے ہیں۔ 1

بعثتی:

عیسائیوں کے بعض فرقوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ ظہور ہوگا۔ان میں سب سے مشہور بعثتی دوم اور سات روزہ بعثتی ہیں۔اوّل الذکر فرقے کا آغاز ۱۸۳۱ء میں اور مؤخر الذکر کا ۱۸۴۴ء میں ہوا۔ 2

حائطیہ:

یہ ایک عیسائی فرقہ ہے جس کا بانی مبانی احمد بن حائط ہے۔اس فرقے کا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہیں۔ایک قدیم خدا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور پھر اس میں اپنی روح پھونکی اور دوسرا بعد میں پیدا ہوا ہے قیامت کے روز دوسرا خدا ہی فیصلہ کرے گا۔ 3

بپتسمہ:

اصطباغ، عیسائیت میں اس کے معنی بچے کو زرد رنگ میں رنگنے کے ہیں۔یہ رسم یہودیوں کے ہاں سے چلی آرہی تھی کہ جب کوئی شخص ان کے مذہب کو اختیار کرتا تو یہودی اسے غسل دیتے تھے۔اس غسل سے ان کے نزدیک اس شخص کے سارے گناہ دھل جاتے تھے اور گویا وہ زندگی کا ایک نیا رنگ اختیار کر لیتا تھا۔بعد میں یہی رسم عیسائیوں نے بھی اختیار کر لی اور اسے اپنی اصطلاح میں اصطباغ کہنے لگے۔یہ اصطباغ نہ صرف ان لوگوں کو جوان کے مذہب میں داخل ہوتے ہیں دیا جاتا ہے۔بلکہ ان کے ہاں نومولود بچے کو زرد رنگ کے پانی میں غسل دے دیتے ہیں۔ان کے نزدیک گویا اس بچے پر عیسائیت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا/780۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا/220۔

3 ایضاً۔

قرآن مجید میں اس رسم کو صبغہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

"کہواللہ کا رنگ اختیار کرو۔اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا۔" (۲:۱۳۸) یعنی اللہ کا رنگ (طور طریقہ) اختیار کرو جو کسی پانی سے نہیں چڑھتا بلکہ اس کی بندگی کا طریقہ اختیار کرنے سے چڑھتا ہے۔ 1

صلیبی جنگیں:

گیارھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان مغربی اقوام نے مسلمانوں کے قبضے سے ارضِ مقدس فلسطین کو آزاد کرانے کی خاطر آٹھ فوجی مہمیں بھیجیں۔پہلی جنگ ۱۰۹۶ء سے ۱۰۹۹ء تک رہی جس میں عیسائیوں کو شکست ہوئی۔اس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ عیسائی جانباز جغرافیہ سے بے بہرہ تھے اور خشکی کے راستے آنے کے باعث ان کی مشکلات میں اور بھی اضافہ ہوگیا تھا۔چنانچہ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ۱۰۹۷ء سے ۱۰۹۰ء تک سات فوجیں ارضِ مقدس کو روانہ ہوئیں مگر ان میں سے صرف دو فلسطین پہنچے اور قبلۂ اوّل فتح کرنے میں کامیاب ہوسکیں دوسری جنگ ۱۱۴۷ء سے ۱۱۴۹ء تک جاری رہی اور تیسری جنگ ۱۱۸۹ء سے ۱۱۹۱ء تک چوتھی صلیبی جنگ ۱۲۰۱ء سے ۱۲۰۴ء تک پاپائے اعظم کے ایماء پر جاری رہی۔مگر عیسائی فوجیں ہنوز وینس تک پہنچی تھیں کہ انہیں قسطنطنیہ جانا پڑا تا کہ بازنطینی شہنشاہ کا تخت جو اس سے چھن گیا تھا اسے واپس دلائیں۔شہنشاہ کی وفات پر عیسائیوں نے ہالڈون کو اس کی جگہ تخت نشین کیا۔شہر کو لوٹا اور اسے پاپائے اعظم کی عملداری کا حصہ قرار دے کر چلتے بنے۔پانچویں جنگ ۱۲۱۷ء سے ۱۲۲۱ء تک جاری رہی لیکن اس میں بھی مغربی افواج کو ناکامی کا سامنا ہوا۔چھٹی ۱۲۲۸ء۔۱۲۲۹ء تک، ساتویں ۱۲۴۸ء سے ۱۲۵۴ء تک اور آٹھویں ۱۲۷۰ء میں ہوئی ۱۲۹۱ء میں ٹالمیوں کے زوال کے ساتھ صلیبی جنگیں بھی ترک کردی گئیں۔برطانیہ کی استعماری جنگیں اور امریکا کی عالم اسلام کے خلاف موجود جنگیں بھی کروسیڈ یعنی صلیبی جنگیں ہی ہیں۔

صلیبیوں نے قبلۂ اوّل کو جو فتح کیا تھا، اس کا استرداد صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں ۴/اکتوبر ۱۱۸۷ء کو نوّے سال کے بعد ہوا تھا۔یہاں صلیبیوں کی فتح اور سلطان ایوبی کی فتح کے درمیان جو اخلاقی فروق ہیں ان کے لیے تاریخ کے اوراق پر منصفانہ اور عادلانہ نگاہ ڈالنا صرف مسلمانوں ہی نہیں بلکہ دیگر ادیان و مذاہب والوں پر بھی فرض ہے بالخصوص عراق و افغانستان کے موجودہ صلیبی جنگوں کے تناظر میں۔ 2

---

1 عیسائیت کیا ہے؟/مفتی تقی عثمانی/84، محاضرات فی النصرانیۃ/139، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا/447۔

2 تاریخ اسلام/نجیب آبادی/535، مذاہب عالم/احمد عبداللہ/210، نیز التمش کی کتاب "داستان ایمان فروشوں کی"، "عیسائیت کیا ہے؟"/مفتی تقی عثمانی صاحب/96۔

کرسمس:

عیسائیوں کا کہنا ہے کہ اس روز حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ لیکن تاریخی اعتبار سے اس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں۔ آپ کی وفات کے بعد تین سو سال تک مختلف مقامات پر مختلف دنوں میں آپ کا یومِ ولادت منایا جاتا رہا۔ آخر اتحادِ مسیحیت کی خاطر ۲۵ ردسمبر کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ بعض علمائے عمرانیات کا خیال ہے کہ کرسمس کی تقریبات آغاز عیسائیت سے پہلے بھی منائی جاتی تھیں۔ عیسائیت کے فروغ کے بعد اس نے مذہبی رُوپ دھار لیا۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں اس کی ابتداء ہوئی اور چوتھی صدی میں اس نے عوام میں مقبولیت حاصل کی۔ اس کے منانے میں عیسائیوں میں اختلافات بھی رہے۔ چنانچہ ایک وقت اسکاٹ لینڈ میں اس کا منانا بند کر دیا گیا۔ کرسمس کارڈ کی ابتداء ۱۸۴۶ء میں ہوئی۔ کرسمس درخت کا رواج جرمنی میں وسطی دور میں ہوا۔ رومن کیتھولک اور بعض پروٹسٹنٹ گرجا گھروں میں آدھی رات سے اس کی تقریبات شروع ہوتی ہیں۔ 1

گڈ فرائڈے:

حضرت یسوع مسیح کو سولی دیئے جانے کا دن۔ مسیحی اس دن کو بہت مقدس سمجھتے ہیں، کیونکہ اسی روز، بقول ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔ گڈ فرائڈے ایسٹر سے قبل آنے والے جمعے کو منایا جاتا ہے۔ اس دن گرجوں میں دوپہر کے وقت خاص سروسیں شروع ہوتی ہیں اور تین گھنٹے (مسیح کے مصلوب کیے جانے کا عرصہ) تک جاری رہتی ہیں۔ پادری اپنے وعظوں میں یسوع مسیح کے ابتلاء کی تفصیلات بتاتے ہیں۔ 2

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/788،

-The christain religion

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/836،

-The christain religion

ایسٹر:

یہ عیسائیوں کا ایک تہوار ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ مدتوں اس کی تاریخ انعقاد میں اختلاف رہا۔ ۳۲۵ء میں رومی بادشاہ، قسطنطین اوّل نے ایشیائے کوچک (ترکی) کے مقام ازنک میں عیسائی علماء کی ایک کونسل بلائی جسے نائسیہ (NICAEA) کی پہلی کونسل کہتے ہیں۔ لیکن یہ کونسل بھی مشرقی اور مغربی کیلنڈروں میں اختلاف کے باعث کوئی متفقہ تاریخ مقرر نہ کر سکی۔ آرتھوڈوکس ایسٹرن چرچ ایسٹر کی تاریخ کا تعین جولین کیلنڈر سے کرتا ہے۔ مغربی ممالک میں یہ تہوار ۲۲ر مارچ سے ۲۵ر مارچ کو منایا جاتا ہے۔

ایسٹر موسم بہار کی اینگلو سیکسن دیوی تھی اور یہ جشن دراصل بہار کا جشن ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے قبل منایا جاتا تھا۔ ہندوستان میں یہ تہوار ہولی کے نام سے انہی دنوں اور اسی طریقے سے منایا جاتا ہے۔ ایران میں اسے نوروز کہتے ہیں اور وہاں یہ ۲۱ر مارچ کو منایا جاتا ہے۔ [1]

بیت اللحم:

لفظی معنی گوشت کا گھر۔ فلسطین کی ایک بستی کا نام ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کی جائے ولادت ہے اور یروشلم کے قدیم شہر سے ۵ میل جنوب کو واقع ہے۔ اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کی روایتی جائے پیدائش کے اوپر صلیب کی شکل کا ایک گرجا بنا ہوا ہے۔ جس کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ یہی گاؤں ایک روایت کے بموجب حضرت داؤد علیہ السلام کی جائے پیدائش اور مسکن تھا۔ بستی کے رہنے والے عام طور پر عیسائی ہیں، جن کی گزر اوقات زائرین کی آمد پر ہے۔ یہ بستی سلطنت اُردن میں شامل تھی۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اس پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ [2]

---

1. اردو انسائیکلو پیڈیا/168،
The christain religion۔

2. اردو انسائیکلو پیڈیا/255، مذاہب عالم/احمد عبداللہ/140۔

جلیل/گلیلی:

(۱) یہ شمالی فلسطین کا ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن یہیں گزرا تھا۔ (۲) شمال مشرقی اسرائیل کی ۱۳ میل لمبی جھیل جسے بحیرۂ گلیلی کہتے ہیں۔ بائبل میں اسے جھیل تبریا کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ 1

ہیرود:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں فلسطین کے شاہی خاندان کا لقب۔ خاندان کا مشہور حکمران ہیرودِ اعظم تھا۔ اپنے باپ اینٹی پیٹر کے قتل کے بعد رومن سینٹ کی جانب سے یہودیوں کا بادشاہ مقرر ہوا۔ بائبلی روایات کے مطابق جب یوحنا بپتسمہ دینے والے نے یہ اعلان کیا کہ عنقریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں گے اور یہودیوں کے بادشاہ ہوں گے تو ہیرود نے حکم دیا کہ فلسطین کے ہر نومولود بچے کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ لاکھوں نومولود بچے ہلاک کر دیئے گئے۔ اسی باعث حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر مصر چلی گئی تھیں۔ 2

کلیسا:

مسیحیوں کی کوئی خاص جماعت یا چرچ مثلاً کیتھولک کلیسا، پروٹسٹنٹ کلیسا وغیرہ۔ کسی خاص ملک یا علاقے کی مسیحی جماعت کو بھی کلیسا کہتے ہیں، جیسے پاکستانی کلیسا یا لاہور کی کلیسا وغیرہ۔ 3

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/843، مذاہب عالم/احمد عبداللہ/140۔

2 الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/43-44، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/800، بائبل سے قرآن تک/مفتی تقی عثمانی، المنجد فی الأعلام۔

3 اردو انسائیکلوپیڈیا/1054۔

کیتھیڈرل:

عیسائی مذہب کے کلیسائی نظام میں ضلع کا مرکزی اور صدر گرجا جس میں بشپ (لاٹ پادری) کے لیے ایک تخت نما کرسی بچھی ہوتی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا کیتھیڈرل روم میں ہے جس کو سینٹ پیٹر کا گرجا کہتے ہیں۔ فرانس میں نوٹرڈیم کا مشہور گرجا بھی کیتھیڈرل ہی ہے۔ کولون اور میلان میں بھی اسی قسم کے گرجے ہیں۔ لندن کا سینٹ پال کیتھیڈرل ایک شاندار عمارت ہے۔ اس کے علاوہ اس ملک کے مشہور کیتھیڈرل کنٹربری، یارک سنٹر، ڈرہم، برسٹل، گلوسسٹر، پیٹربرڈ، ایکسٹر اور لورپول کے جدید گرجے ہیں۔ 1

ایبے:

رومن کیتھولک عیسائیوں کی ایک ایسی خانقاہ جس کا متولی ایبٹ کے درجے کا پادری یا ایبس کے درجے کی راہبہ ہو۔ ۱۳۱۵ء تک ان کی تعداد ۵۷۰۰۰ تک جا پہنچی۔ یہ تعداد محض بنی ڈیکٹ کے سلسلے کی ہے۔ اس کے علاوہ مسٹریشین (عالمیت) نامی ایک اور سلسلہ بھی تھا۔ پروٹسٹنٹ فرقے کے عیسائی راہبانہ زندگی کے قائل نہیں۔ انگلستان میں پروٹسٹنٹ مذہب رائج ہوا تو تمام خانقاہیں ختم کردی گئیں۔ 2

چرچ آف انگلینڈ:

یہ انگریزی کلیسا ہے۔ انگریز عیسائیوں کا مذہبی نظام۔ انگریزی کلیسا بھی پہلے پاپائے روم کے ساتھ ملحق تھا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عیسائی مذہب انگلستان میں رومن حکومت کے ساتھ داخل ہوا۔ سب سے پہلے ۵۹۷ء میں آگسٹین نے انگریزوں کو عیسائی مذہب سے روشناس کرایا اور کنٹربری (کینٹ) کو اپنا مرکز بنایا۔ اوائل میں آگسٹین کی جماعت بھی کلیسائے روم کا ایک جزو تھی۔ لیکن صحیح معنوں میں انگریزی چرچ پوپ کے انتظامی اقتدار کے ماتحت نہ آئی اور اس کا نام کیتھولک چرچ آف انگلینڈ ہی رہا۔ پروٹسٹنٹ اصلاحات کے دوران ہنری ہشتم نے پوپ کے جوئے کو مکمل طور پر اتار پھینکا اور شاہ انگلستان امیر جماعت

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/819، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/43۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/159۔

ومحافظ دین قرار پایا۔ یہ جماعت اب حسب ضابطہ انگلستان کی شاہی مذہبی جماعت ہے اور ملک کا ایک اہم محکمہ بنی ہوئی ہے۔ اس جماعت کے بشپ یعنی لاٹ پادری اپنے عہدے کی بناء پر برطانوی پارلیمنٹ کے دارالامراء کے ممبر ہوتے ہیں اور قانون سازی کے موقع پر مزاحم ہو سکتے ہیں۔ اڈورڈ ہشتم کی تخت سے دستبرداری میں اسی طبقے کا ہاتھ تھا۔ سولہویں صدی عیسوی میں مذہبی آزادی کا اصول تسلیم کرلیا گیا اور ہر مذہب وملت کے لوگ انگلستان میں بلاخوف وخطر زندگی بسر کرنے لگے۔ مگر انگلستان کے دوتہائی نوزائیدہ بچے چرچ آف انگلینڈ ہی کے گرجوں میں جا کر بپتسمہ لیتے ہیں۔

کینٹر بری کا آرچ بشپ کل نظام کا سردار ہے۔ اس کے انتظامیہ عہدے کے نام پرائمیٹ ہے۔ اس کے ماتحت انگلینڈ اور آئرلینڈ کے پروٹسٹنٹ گرجے ہیں۔ آرچ بشپ کا حلقۂ اقتدار صرف انگلینڈ ہے۔ ہر صوبے کا علیحدہ علیحدہ سالانہ کنونشن یا جلسہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک چرچ اسمبلی ہے، جس میں پادریوں کے علاوہ دیگر ارکان بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ صرف انتظامی امور کے لیے منعقد ہوتی ہے۔ اس اسمبلی کے وضع کردہ قوانین پارلیمنٹ میں جاتے ہیں جو ان کورد تو کرسکتی ہے لیکن ان میں ترمیم نہیں کرسکتی اور اگر منظور کرے تو یہ شاہی مہر لگ کر دیگر قوانین کی طرح نافذ العمل ہوتے ہیں۔ تبلیغ کے لیے ان کے ہاں سہ روزہ، چلّہ اور سال کی طرح (خروج بلاعودہ) بھی ہوتا ہے۔ عالم اسلام کے علماء بھی بعض امور میں مندرجہ بالا حوالوں سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ [1]

ویسٹ منسٹر ایبے:

انگلستان کے دارالحکومت لندن میں ایک گرجے کا نام ہے جہاں شاہ انگلستان کی تاج پوشی ہوتی ہے۔ یہاں پہلے رومن کیتھولک راہبوں کی ایک خانقاہ اور کیتھولک گرجا جو پوپ بنڈکٹ (POPE BENEDICT) کے وقت تعمیر ہوا تھا۔ اس کی تجدید ہنری سوم کے وقت ہوئی۔ اس کے بعد ایڈورڈ سوم، رچرڈ دوم، رچرڈ سوم اور ہنری ہفتم نے بھی اس میں کچھ اضافے کیے۔

یہ شاہی گرجا ہے۔ اگرچہ سینٹ پال انگلستان کا سب سے بڑا گرجا ہے، تاہم ویسٹ منسٹر کی اہمیت اس

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/404، مذاہب عالم/احمد عبداللہ۔

سے کم نہیں۔ انگلستان کے بادشاہ اسی جگہ دفن ہوتے ہیں اس کے علاوہ بے شمار نامور ہستیوں کی یادگاریں اس وقت تک بھی رومن کیتھولک آرچ بشپ کا مسکن ہے۔

ان عمارتوں کے علاوہ ایک تیسری عمارت بھی قریب ہی ہے جس کو ویسٹ منسٹر ہال کہتے ہیں۔ یہ ہال پہلے پہل ضیافتوں کے لیے تعمیر ہوا تھا اور صدیوں تک اس میں تقریبات منائی جاتی رہیں۔ مگر موجودہ وقت میں یہ ایک نمائشی دالان رہ گیا ہے جو پارلیمنٹ کی عمارتوں کے عین سامنے ہے۔ 1

کارڈینل:

کیتھولک مسیحی فرقے کے کلیسا میں پوپ کے سوا پادریوں کے سب سے اونچے درجے کا نام۔ کلیسا میں کل ۷۰ کارڈینل ہیں جن میں سے چھ بشپ یعنی لاٹ پادری ہوتے ہیں۔ ۵۰ کارڈینل اپنے اپنے کلیسائی حلقے کے نگران ہوتے ہیں اور اس حیثیت سے ان کو ڈیکن کہتے ہیں۔ کارڈینل بڑے بڑے گرجوں کے انچارج ہوتے ہیں۔ کارڈینل کے مخصوص لباس میں یہ چیزیں شامل ہیں: سرخ رنگ کا چغہ، جیکٹ کا ایک چھوٹا سا ارغوانی رنگ کا چغہ، نیچی چھوٹی والی سرخ رنگ کی ٹوپی جس کا پھندنا اور رسّی بھی ہوتی ہے۔ یہ تمام تر قدیم مشرقی راہبانہ لباس ہے۔ 2

رہبانیت/ پاپائیت:

پوپ کے زیر انتظام، پوپ کا طریق کار، پوپ کی حکومت، جب قسطنطین اعظم نے عیسائیت سرکاری مذہب قرار دیا تو رومی حکومت مقدس حکومت بن گئی اور کلیسا کا انتظام پانچ پادریوں (پیٹری آرچ) کے ہاتھ میں آ گیا۔ جنہیں پوپ کہا گیا۔ مغرب میں روم اور مشرق میں قسطنطنیہ (استنبول) کا پوپ اہم تھا۔ ان کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع تر ہوگئی تو ۱۰۵۴ء میں دونوں کلیسا الگ ہوگئے۔ مغرب میں رومن کیتھولک اور مشرق میں یونانی کلیسا دو الگ اداروں کی حیثیت سے وجود میں آئے۔

پوپ گریگوری اوّل (۵۴۰ء تا ۶۰۹ء) نے رومی کلیسا کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کے بعد پاپائی نظام

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا/1033۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا/770۔

کو اور زیادہ مستحکم کردیا۔ پورا یورپ پوپ کے دائرہ کار میں آ گیا اور اسے دینی و دنیاوی امور میں غیر محدود اختیارات حاصل ہوگئے۔ اس کی نافرمانی کو ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ اس کا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈیوڈ فادر انگھم لکھتا ہے کہ پاپائیت کلیسا پر بری طرح چھائی ہوئی تھی اور سیاست پر جاگیرداروں کا قبضہ تھا۔ دونوں آزادی اور حریت کے جانی دشمن تھے۔ ظاہراً ان میں زبردست مشابہت تھی۔ عوام کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ ان کے سروں پر مذہبی عہدیداروں کا ایک لمبا سلسلہ مسلط تھا۔ جو علاقائی اسقف سے لے کر پوپ تک جا پہنچتا تھا۔ پوپ خود کو پطرس کا جانشین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب کہتا تھا۔

پاپائیت کے مظالم کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ عوام نے پوپ کی مخالفت کرنا شروع کردی۔ کچھ نے تو مذہبی ٹیکس دینے سے انکار کیا اور تعلیم یافتہ طبقے نے ان کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا جن کا مطالعہ پوپ نے ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ پوپ نے انہیں باغی قرار دے کر دردناک سزائیں دیں۔ اس سے کلیسا کے خلاف نفرت اور بھی بھڑک اٹھی۔

سب سے زیادہ مخالفت پوپ لوئی دہم کے جاری کردہ معافی ناموں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں ہوئی۔ لوئی دہم ایک عالیشان گرجا بنانا چاہتا تھا جس کے لیے زر خطیر کی ضرورت تھی۔ اس رقم کے جمع کرنے کے لیے اس نے معافی ناموں کی فروخت کا طریقہ رائج کیا۔ ان معافی ناموں کو نہ صرف پادری فروخت کرتے تھے بلکہ تاجروں نے باقاعدہ طور پر ان کی ایجنسیاں قائم کر رکھی تھیں۔ گناہوں کے نرخنامے بھی مقرر تھے۔ مختلف گناہوں کی معافی کے لیے الگ الگ قیمتیں مقرر تھیں۔ مثلاً اسقاط حمل کے لیے ساڑھے تین شلنگ، عدالت میں جھوٹی گواہی کے لیے نو شلنگ، چوری بارہ شلنگ، عصمت دری کرنے پر نو شلنگ، زنا اور قتل پر ساڑھے سات شلنگ لونڈی رکھنے پر ڈیڑھ شلنگ۔

معافی نامے میں جو عبارت درج تھی وہ بڑی دلچسپ ہے۔ ان میں لکھا ہوتا تھا۔

''تم پر خداوند یسوع مسیح کی رحمت ہو اور وہ اپنے مقدس رحم سے تمہیں آزاد کردے۔ میں اس کی اور اس کے بابرکت شاگرد پطرس پولوس اور مقدس پوپ کی اس سند کی رو سے جو انہوں نے مجھے عطا فرمائی ہے، تمہیں آزاد کرتا ہوں اور سب سے پہلے کلیسا کی تمام ملامتوں سے خواہ وہ کسی شکل میں ہوں۔ پھر تمہارے ہر

ایک گناہ، حدود شکنی اور زیادتی ہے، خواہ وہ کیسے ہی مہیب اور شدید کیوں نہ ہوں میں تم سے وہ سزا اٹھا لیتا ہوں جو تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں جہنم میں ملنے والی تھی تاکہ تم جب مرو تو جہنم کے دروازے تم پر بند ہوں اور جنت کی راہیں کشادہ ہوں، باپ بیٹے اور روح القدس کے نام پر۔"

پاپائیت کی رو سے پادری تمام عمر کنوارے رہتے ہیں۔ انہیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ آج بھی رومن کیتھولک چرچ میں یہی رسم جاری ہے۔ پشتو میں ایسے مولویوں کو اخوند کہتے ہیں۔ ویسے خطرہ ہے کہ مولویت بھی اس زمانے میں پاپائیت کی راہ پر کہیں گامزن نہ ہو جائے۔

پاپائیت کا خاتمہ کرنے کے لیے جہاں سیاست دانوں اور اہل علم نے بے انتہا کوششیں کیں وہاں خود اہل مذہب بھی مخالفت پر اتر آئے، کلیسا کے اقتدار کو ختم کرنے کے لیے کئی مصلحین میدان میں آئے۔ ان میں بارہویں صدی کا پیٹر والڈو چودہویں صدی کے جان ٹولر اور جان وائی کلف اور سولہویں صدی کا مارٹن لوتھر قابل ذکر ہیں۔ مارٹن لوتھر ان سب میں نمایاں اور امتیازی حیثیت کا مالک ہے ۱۵۱۱ء میں وہ روم گیا اور اس نے پوپ کی زندگی کا مطالعہ بہت قریب سے کیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ پوپ روحانی قوت کا مالک نہیں۔ چنانچہ واپس آنے پر اس نے پوپ کی زبردست مخالفت شروع کر دی۔ ۱۵۱۷ء میں اس نے پوپ کے معافی نامے دینے کے اختیار پر شدید نکتہ چینی کی۔ ۱۵۱۸ء تک پورا یورپ لوتھر کے خیالات سے واقف ہو چکا تھا۔ اس سے ایک تہلکہ مچ گیا۔ پاپائیت کے حامیوں نے لوتھر کو قید کر دیا۔ رہائی کے بعد اس نے رہبانیت ترک کر کے شادی کر لی اور اس طرح جرمنی میں ایک نیا کلیسا پروٹسٹنٹ وجود میں گیا، جو پاپائیت اور رومن کیتھولک کا زبردست مخالف تھا۔

عوام تو پہلے ہی پاپائیت سے نالاں تھے۔ چنانچہ بہت جلد رومن کیتھولک کی جڑیں اکھڑنے لگیں۔ جسے دیکھتے ہوئے اس فرقے میں بھی اصلاح کی کوششیں کی جانے لگیں۔ نتیجے کے طور پر پاپائیت کمزور پڑتی چلی گئی۔

لوتھر کے بعد دیگر مصلحین میں سوئزرلینڈ کے ہلرچ زونگلی اور فرانس کے جان کالون کا تذکرہ ضروری ہے۔ کالون کے عقائد نے تو انسانی اختیار کو بالکل ختم کر دیا اس کا کلیسا "اصلاح یافتہ" کہلاتا ہے۔ اسی

طرح اسکاٹ لینڈ اور انگلستان میں بھی اصلاح وترامیم کی بہت سی کوششیں ہوئیں۔ جس سے بہت سے کلیسا وجود میں آئے جن کی وجہ سے عیسائیت میں قدیم پاپائی نظام تقریباً مفلوج ہوکر رہ گیا۔ 1

راہب/ پادری:

فادر، باپ، بڑا، بزرگ۔ عیسائیوں کا مذہبی پیشوا، کلیسائی نظام میں شپ کا ماتحت ہوتا ہے۔ اس کے فرائض میں عبادات، انجیل مقدس کی تبلیغ اور مذہبی رسومات کی ادائیگی شامل ہوتی ہے وہ دیگر سماجی تقاریب میں کلیسا کے نمائندے کی حیثیت سے شریک ہوتا ہے۔ رومن کیتھولک کلیسا میں پادری پر شادی ممنوع ہوتی ہے لیکن آرتھوڈکس اور قدامت پسند کلیساؤں میں پادری رنڈوا ہونے پر دوسری شادی نہیں کرسکتا۔

گریگری:

رومن کیتھولک کلیسا کے سولہ پوپوں کا نام، سب سے مشہور گریگری اوّل ہے جسے تاریخ میں گریگری اعظم کہتے ہیں، باپ کی وفات کے بعد جب کافی دولت ورثے میں ملی تو اسے خانقاہیں بنانے پر وقف کردیا اور خود درویشی اختیار کرلی پوپ پلاگیس ثانی کے عہد میں اسے قسطنطنیہ میں امور خاص پر مامور کیا گیا۔ ۵۹۰ء میں پلاگیس کی وفات پر انکار کے باوجود پوپ منتخب ہوا۔ اس نے چرچ کے انتظام میں مناسب تبدیلیاں اور اصلاحات کیں۔ دعاؤں اور مناجاتوں کی نظر ثانی کرائی، مذہبی رسوم کو آسان بنایا۔ قواعد وضوابط کو نرم کیا۔ تبلیغی کام میں وسعت پیدا کی۔ آگسٹائن کو انگلینڈ بھیجا جہاں وہ خود جانے کی آرزو رکھتا تھا۔ سسلی سارڈینیا اور لومبارڈی میں بھی مبلغ بھیجے۔ 2

لاٹ پادری:

یہ انگلستان کی کلیسا کا سب سے بڑا پادری یا اسقفِ اعظم ہے۔ اس قسم کی دو اسامیاں ہیں۔ ایک آرچ بشپ جو کنٹربری میں رہتا ہے اور کل انگلستان کا لاٹ پادری ہے۔ دونوں میں صرف لفظ کل کا فرق ہے۔

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/534، بائبل سے قرآن تک (باب اوّل)/مفتی تقی عثمانی، مذاہب عالم/احمد عبداللہ۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

باقی تمام پادری ان دونوں کے ماتحت ہیں۔شاہ انگلستان کی تاج پوشی پر دونوں ہوتے ہیں۔انگلستان کا سب سے بڑا آرچ بشپ آگسٹیسن تھا،جس نے روم سے آکر انگلستان میں مسیحی مذہب کا پرچار کیا۔موجودہ آرچ بشپ اسی کا سلسلہ وار جانشین ہے۔گوکلیسا رومن کیتھولک سے پروٹسٹنٹ میں تبدیل ہو چکا ہے۔ 1

مارمن:

مارمن یا مارمون، یہ عیسائیوں کا ایک مذہبی فرقہ ہے جس کی بنیاد ۱۸۳۰ء میں ایک شخص جوزف سمتھ نامی نے نیویارک میں رکھی۔جوزف سمتھ ۱۸۰۵ء میں درمونٹ میں پیدا ہوا۔۱۸۲۰ء میں اس نے پہلی مرتبہ کہا کہ اس کو الہام ہوا ہے اور ۱۸۲۷ء میں اس نے مستقلاً ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ اس پر کتاب مارمن نازل ہوئی ہے جس میں امریکا کی ابتدائی تاریخ سے متعلق حالات درج ہیں۔پھر اس نے پیش گوئی کے طور پر کہا کہ جناب عیسیٰ کا نزول ہونے والا ہے۔اور آسمانوں کی بادشاہت قائم ہونے والی ہے۔اس نے بہت سے پیرو اپنے گرد جمع کر لیے اور The Church of Jesus Christ of Later-Day Saints کے نام سے ایک مذہبی ادارے کی بنیاد دفیاٹی (نیویارک) میں رکھی۔جوزف سمتھ اپنے کسی مخالف اخبار کے ایڈیٹر پر دراز دستی کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا اور پھر ۱۸۴۴ء میں اپنے کسی مخالف کی گولی کا نشانہ بنا۔رفتہ رفتہ یہ جماعت بڑھتی گئی اور مختلف قسم کے حالات میں سے گزرتے ہوئے آخرکار اوتار کی ریاست میں محدود ہوگئی۔اس وقت اس فرقے کی تعداد نو دس لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔برطانیہ میں بھی ان کے کچھ عبادت خانے ہیں۔شراب، تمباکو اور چائے سے یہ لوگ سخت اجتناب کرتے ہیں۔ 2

میتھوڈسٹ:

یہ پروٹسٹنٹ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے۔اس فرقے کی بنیاد ۱۷۲۹ء میں ویزلی نامی ایک پادری نے رکھی۔اس نے یورپ اور امریکا میں مسلسل کئی سال تک دورہ کر کے اپنے عقائد کی اشاعت کی۔اس عقیدے کا لب لباب اور مقصد انجیل کی اشاعت ہے۔اس طبقے کے پادری اکثر دورہ کر کے اور جابجا گھوم پھر کر

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا/858۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا/884، مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/446۔

انجیل کی اشاعت کرتے ہیں۔ یہ کلیسا اپنے موجد کے نام پر وزلین چرچ کہلایا لیکن بعد میں اس کے تین حصے ہو گئے۔ ایک تو خاص وزلین چرچ، دوسرا ابتدائی میتھوڈسٹ اور تیسرا متحدہ میتھوڈسٹ۔

دسمبر ۱۹۲۲ء میں میں انہوں نے پھر ایک کانفرنس کی جو لندن کے البرٹ ہال میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہر سہ فرقوں کو ملا کر ایک کلیسا کی صورت دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اب یہ متحدہ کلیسا میتھوڈسٹ چرچ کہلاتا ہے۔ لاہور میں بھی ان کی ایک شاخ ہے۔

(یہوواہ کی نشانیاں)، فرسان مالطا اور المنظمة التنصيرية العالمية:

موجودہ زمانے کی مسیحی مشنری جماعتوں میں سب سے وسیع ترین، طاقتور ترین اور ہمہ گیر تنظیمیں ہیں۔ اول الذکر کا سارا زور افریقی ممالک بالخصوص نائیجیرین مسلمانوں کو عیسائی بنانے پر ہے، جبکہ ثالث الذکر کا اثر ونفوذ ایشیائی بالخصوص انڈونیشین مسلمانوں میں بہت ہے۔ خطبات دیدات میں ہے کہ کویت میں ۵۰ سال قبل صرف ایک جوڑا (میاں بیوی) عیسائی تھے اور آج کویت میں ۳۵ چرچ ہیں، اندازہ لگایئے گا فرسان مالطا، فرسان المعبد اور فرسان المستشفى وغیرہ عیسائیت کی خطرناک ترین تنظیمیں ہیں۔ آپ حضرات اہل علم ہیں، ذرا اسلام کے ساتھ اسلام کے دشمنوں پر بھی نظر رکھیے گا۔ [1]

☆☆☆

---
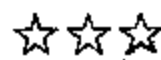
1 تفصیل کے لیے دیکھئے: خطبات دیدات، مجلة الرابطة (مكة) اور جريده الدعوة (ليبيا) کے مختلف شماروں کے علاوہ مجلة المجتمع (1751) 18-12 مایو 2007۔

نیز مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

☆ العقائد والأديان / ڈاکٹر جابر

☆ مقارنة الأديان (المسيحية) / ڈاکٹر احمد شلبی

☆ أضواء على المسيحية / متولی یوسف شلبی

☆ العقائد الوثنية في الديانة النصرانية / محمد طاہر

☆ الأديان في كفة الميزان / فواد الہاشمی

☆ أديان العالم الكبرى / حبیب سعید۔

یہودیت (**)

یہ مذہب یہودا ابن یعقوب کی طرف منسوب ہے، اس کے ماننے والے کو یہود، ہود، صہیونی، اسرائیلی اور آل عمران کہا جاتا ہے، یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کا بڑا صاحبزادہ تھا، بنی اسرائیل میں تقسیم کاری کے طور پر نبوت ہمیشہ بنی لاوی میں اور سلطنت بنی یہودا میں رہی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

۱۸۰۰ قبل المیلاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے اور عراق ہی میں توحید کی دعوت

(**)
تفصیل کے لیے دیکھیے:

☆ الاسلام والیھودیة (مقارنة)د/عماد علی عبدالسمیع حسین۔
☆ جدید اسرائیل کی تاریخ/محمد احسن بٹ۔
☆ یہودیت اور فری میسنز/ہارون یحییٰ۔
☆ ابلیس کا مذہب اور فری میسنز/ہارون یحییٰ۔
☆ مذاہب عالم۔
☆ اردو انسائیکلو پیڈیا۔
☆ اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔
☆ دائرہ معارف اسلامیہ۔
☆ الأدیان والفرق والمذاھب المعاصرة د/شیبة الحمد۔
☆ افحام الیھود۔
☆ مقارنة الأدیان د/شلبی۔
☆ تاریخ یہودیت/احمد ڈیروی (مخطوط)

شروع کی، وہاں کے حکمراں نمرود نے آپ کی مخالفت کی، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا، آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر کا رخ کیا، پھر شام تشریف لائے اور شام ہی میں رہے۔

آپ علیہ السلام نے دو شادیاں کیں، بی بی سارہ اور بی بی ہاجرہ۔ بی بی سارہ مع اپنی اولاد کے شام میں رہی، بی بی ہاجرہ مع اپنی اولاد کے حجاز میں رہی۔ شام میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد رہی وہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے آخری زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے توسط سے مصر چلے گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں شام کے عرب قبائل جن کو عمالقہ کہا جاتا ہے اور انگریزی مؤرخین انہیں " ہیکسوس " سے یاد کرتے ہیں (فرعون کی بیگم حضرت آسیہ بھی اسی عربی قبیلے میں سے تھی)، وہاں کے قبطیوں کو مغلوب کر کے حکمرانی کر رہے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کو بتدریج صرف وزیر ہی نہیں بلکہ فرمانرواں مقرر کیا گیا، یوسف علیہ السلام اپنی عمر کے ۳۰ سال سے ۸۰ سال تک حکمران رہے، ان کے وصال کے بعد قبطی نسل پرستوں نے مصر میں شورش برپا کی اور انقلاب لا کر حکومت پر قابض ہو گئے۔ [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

انقلاب کے بعد عمالقہ کو انہوں نے ملک بدر کر دیا اور عمالقہ کے حامیوں یعنی بنی اسرائیل کو ازاوّل تا آخر غلام بنالیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، فراعنہ حکمرانی کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا، موسیٰ علیہ السلام ان بنی اسرائیل غلاموں کے گھر میں پیدا ہوئے، لیکن بچوں کے قتل کے مشہور واقعہ کے سبب آپ نے فرعون ہی کے گھر میں تربیت پائی اور وہیں جوان ہوئے، جوانی میں ایک قبطی کو مارنے کی وجہ سے شام کے ایک علاقے مدین آنا پڑا، جہاں آپ علیہ السلام ایک نیک سیرت اور مردِ صالح شعیب نامی شخص کے پاس دس سال رہ کر واپس مصر چلے گئے۔

---

1. النبوة والأنبياء/محمدعلى الصابونى/160-181، قصص الأنبياء/حفيظ الرحمن السيوهاروى، الأنبياء فى القرآن/ سيد صادق محمد/107-129۔

قصہ مختصر یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان حق وباطل کی کشمکش رہی اس کا نتیجہ بنی اسرائیل کے خروج مصر اور فرعون کے بحر احمر میں غرق ہونے پر ختم ہوا۔ اس معجزہ کے لیے سرسید کی ملحدانہ تفسیر ناقابلِ دید اور قابلِ نظر ہے۔

یہاں خروج کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے درمیان عجیب وغریب قسم کے واقعات ہوئے، مثلاً: بچھڑے کی عبادت، ''حطۃ'' کی جگہ پر ''حنطۃ'' کی تبدیلی، گائے پرستوں کو دیکھ کر اسی طرح کے خدا کے مطالبے، کچھ اس قسم کی مختلف نالائقیوں کی وجہ سے میدان ''تیہ'' میں ۴۰ سال تک سرگرداں رہنا اور جہاد کا انکار وغیرہ، ...... اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہوا، قیادت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاتھ میں آئی، فلسطین فتح ہوا جو کہ عمالقہ کا علاقہ تھا، لیکن حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد عمالقہ پھر غالب آگئے اور یہودیوں میں سے کچھ کو تہ تیغ کیا اور بقیہ تمام کو انہوں نے غلام بنالیا، چنانچہ یہودی عمالقہ کے اس انقلاب کے بعد چار سو سال تک غلامی میں رہے۔ [1]

حضرت طالوت علیہ السلام:

پھر حضرت سموئیل علیہ السلام کی بعثت ہوئی، تو بنی اسرائیل نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے سربراہ یعنی کسی شخص کو ہم میں سے بادشاہ مقرر کرے تاکہ ہم عمالقہ سے جنگ لڑ کر آزادی حاصل کریں، طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو یہودی اپنی ازلی کم بختی و کم ظرفی کی وجہ سے کہنے لگے: ''طالوت تو بنی لاوی میں سے ہیں اور ہمیں سربراہ بنی یہودا میں سے چاہیے۔ نیز یہ طالوت فقیر قسم کا آدمی ہے، یہ ہمارے اوپر کیسے حکمرانی کرسکتا ہے۔'' [2]

حضرت داؤد علیہ السلام:

پھر بھی طالوت نے جالوت کو للکارا، جنگ چھڑ گئی، طالوت کی طرف سے ایک جوان داؤد نے تیر مار کر جالوت کو قتل کیا، طالوت نے اپنی ساری حکمرانی بمع اپنی صاحبزادی کے ان کے حوالے کی اور اللہ پاک نے

---

1. النبوة والأنبياء/ الصابوني/181، الأنبياء في القرآن/ سعد صادق محمد/168-219۔
2. النبوة والأنبياء/ الصابوني/293-303۔

خلعت نبوت سے بھی نوازا، داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی ابتدا کروائی اور ان کے بعد انہی کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو مالک کائنات نے مشرف بنبوت ومملکت فرمایا، جنہوں نے یہی تاریخی مسجد جنات کے ذریعے سے مکمل کروائی۔ ۹۷۵ق،م میں ان کا انتقال ہوگیا۔ 1

بنی اسرائیل کی شکست وریخت اور حضرت عیسیٰؑ کی آمد:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے ساتھ ہی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی، ایک سلطنت کا دارالخلافہ سامرہ (نابلس) اور ایک کا دارالخلافہ بیت المقدس (یروشلم) مقرر کیا گیا، کئی سو سال اسی طرح رہنے کے بعد شمال کی طرف سے آشوریوں نے سامریوں میں سے ہزاروں کو قتل کر کے مغلوب کردیا اور وہاں پر قابض ہوگئے، ادھر سے کلدانیوں کے بادشاہ اور آشوریوں کے سابق گورنر بخت نصر نے دوسری مملکت کو تہس نہس کردیا، مسجد اقصیٰ کو جلا کر گرادیا، ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا اور بقیہ کو ان کے بادشاہ صدقیہ سمیت قیدی بنا کر بابل (عراق) لایا، پھر خسرو (شاہِ ایران) نے بابل کو اس کے ستر برس بعد فتح کیا اور سارے قیدیوں کو رہا کردیا، انہوں نے پھر فلسطین جا کر اپنی کٹھ پتلی سی حکومت قائم کردی، جس پر یونان نے پے درپے حملے جاری رکھے، یہاں تک کہ رومیوں نے آخری حملہ کر کے انہیں غلام بنایا، رومیوں نے یہاں کے ایک یہودی کو گورنر بنایا، اس کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹوں نے مقبوضہ علاقے کے تین صوبے بنائے، اس زمانے میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، رومیوں نے کچھ سالوں بعد پھر حملہ کیا، اس حملے میں رومیوں نے ڈیڑھ لاکھ یہودیوں کو قتل (گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہٹلر نے ہی یہودیوں کا قتلِ عام نہیں کیا، بلکہ یہ ایک عذاب کی صورت میں ان کے ساتھ بارہا ہوا) اور ۷۰ ہزار کو قیدی بنایا، کچھ اِدھر اُدھر جا کر نکل گئے، انہیں بھگوڑوں میں حجاز، رملہ، تبوک، تیما، وادی القریٰ، مدینہ اور خیبر کے یہودی بھی تھے، جنہیں پھر مدینہ سے بھی نکالا گیا یعنی بنونضیر، بھدل، قریظہ اور بنو قینقاع، جبکہ مدینہ کے اوس وخزرج یمنی قبائل عرب میں سے ہیں۔ 2

---

1 سورۂ بقرہ: آیت نمبر ۲۴۶۔۲۵۲۔ اور سورۂ سبا بھی ملاحظہ ہو۔

2 قصۃ الحضارۃ سورۂ بنی اسرائیل پر کتب تفسیر، الأنبیاء فی القرآن/ 229-231، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ (یہود)۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم:

اس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یہودی آپ کا انتظار کرتے تھے، لیکن تعصب میں آ کر بنو اسماعیل میں سے نبی کے آنے کی وجہ سے انکار کیا، ادھر فلسطین پر رومی عیسائیوں کا قبضہ رہا (رومی بعد میں عیسائی ہو گئے تھے) یہاں تک کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی ایام میں ان منتشر بھگوڑے یہودیوں نے کسریٰ کو رومیوں کے خلاف اُکسا کر فلسطین پر حملہ کروایا، جس نے مسجد اقصیٰ کو تباہ و برباد کیا اور صلیب کو اپنے ساتھ ایران لے گیا، چودہ سال بعد عیسائیوں کی اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے قیصر روم نے ایرانیوں پر حملہ کر کے بیت المقدس بھی آزاد کروایا اور ایران تک اندر جا کر اپنے اصلی صلیب کو بھی واپس لے کر آئے۔ 1

موجودہ اسرائیل اور موجودہ فلسطین:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہودیوں کو ان کی سازشوں کی وجہ سے کچھ کو قتل اور کچھ کو جلاوطن کر دیا، جس کی داستان بڑی طویل ہے 2 ، یہاں ہم فلسطینی عربوں کی زمین پر موجودہ اسرائیل کے قیام کی کچھ تفصیل بیان کریں گے:

''اس وقت سے لے کر جب بخت نصر نے یہودیوں کو یروشلم سے نکالا، اب تک یہ لوگ مخصوص ذہنیت، متعصبانہ فطرت اور بزعم خویش عنداللہ احساس برتری کی وجہ سے ہر دور میں معتوب رہے۔ یہ دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں بھٹکتے رہے، مگر الگ تھلگ رہنے کی خواہش کی وجہ سے کہیں بھی قومیت کے حقوق حاصل نہ کر سکے۔ علیحدگی کے اس احساس کے تحت خفیہ تحریکیں چلانا اور سازشیں کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن گئی۔ چنانچہ صہیونیت بھی ان کی ایک خفیہ سازش اور تحریک ہے اور صہیونیوں سے مراد وہ یہودی ہیں جو صہیون (یروشلم کا ایک پہاڑ) 3 کی تقدیس کرتے ہیں اور فلسطین میں قومی حکومت کے خواہاں اور اس مقصد کے لیے کوشاں رہے ہیں۔

1 تفصیل کے لیے: سورۂ روم کی ابتدائی آیات پر کتب تفسیر۔

2 تاریخ اسلام/ نجیب آبادی ج: 1/ 157-163۔

3 المنجد فی الأعلام۔

صہیونیت کا منظم طور پر آغاز سترہویں صدی عیسوی میں ہو چکا تھا، اس کا پہلا ہیڈ کوارٹر (ویانا) تھا۔ ۱۸۵۴ء میں لندن کے ایک یہودی نے اسی مقصد کے لیے ایک کمپنی قائم کی اور ۱۸۷۶ء میں جارج ایبٹ (ایبٹ آباد اسی نام سے منسوب ہے) نے ''چول سائن'' کے نام سے ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد فلسطین میں یہود کی نو آبادیاں قائم کرنا تھا۔ ۱۹۹۶ء میں ویانا کے ایک یہودی صحافی ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل نے ''ریاست یہود'' کا ایک تصور پیش کیا۔ اس کی رہنمائی میں ۱۷راگست ۱۹۹۷ء کو سوئٹزرلینڈ کے شہر ''بیسل'' میں صہیونیوں کی کانفرنس ہوئی، اس کے نتیجے میں یہودیوں میں ہجرت فلسطین کی تحریک باقاعدہ شروع ہوگئی، سب سے پہلے روس سے کچھ یہودی ارضِ مقدس پہنچے، برطانیہ نے ان لوگوں کی بڑی مدد کی، انگریزوں نے ترکی کے سلطان عبدالحمید کے ساتھ ڈاکٹر ہرزل کی گفت وشنید میں یہودیوں کی خود مختاری تسلیم کرانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر سلطان نے واضح الفاظ میں انکار کردیا۔

۱۸۹۸ء میں یہودیوں نے سلطان پر پھر سے بیرونی طاقتوں کا دباؤ ڈلوایا اور دوسری طرف اس کا تختہ الٹنے کی سازشوں میں بھی مصروف ہوگئے۔ ۱۹۰۲ء میں ڈاکٹر ہرزل کی موت کے بعد یہودیوں نے ''دونمہ'' اور ''فری میسن'' کی تحریکوں کے ذریعے اپنی سازشیں تیز تر کردیں اور بالآخر ۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید کا تختہ الٹ دیا گیا، اس تاریخی انقلاب کے بعد ترکی میں حکومت بنی، اس کے تین وزراء بصاریہ آفندی، نسیم مزلک اور جاوید بے یہودی تھے، انہوں نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنا شروع کیا اور بالآخر ۱۹۱۴ء میں یہودیوں کو ملکیتِ زمین کا حق دلادیا۔ برطانیہ نے بھی یہودیوں کا ساتھ دیا اور نومبر ۱۹۱۷ء کو یہودی وطن بنانے پر رضامندی کا اظہار کردیا۔ یہ اعلان یا وعدہ تاریخ میں ''اعلان بالفور'' کے نام سے مشہور ہے جو برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ان الفاظ میں کیا:

> ''ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، صہیونیت ہمارے لیے ان سات لاکھ عربوں کی خواہشات اور تعصبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔''

اعلانِ بالفور کے ساتھ ہی دنیا کے تمام ممالک سے یہودیوں کا ایک سیلاب فلسطین کی طرف اُمڈ پڑا، دیکھتے ہی دیکھتے فلسطین کے ۲۶ سو یہودی ۸۳ ہزار کی ایک منظم اور خوشحال قوم میں تبدیل ہوگئے، عربوں کی

زمینیں دھڑادھڑ ان کے نام منتقل ہونے لگیں، اس موقع پر صہیونی لیڈر ڈاکٹر ویز نے کہا:

''اگرچہ ہم فلسطین کو خالص یہودی ریاست بنانا چاہتے ہیں، اس کے باوجود جو عرب فلسطین میں رہنا چاہیں گے، انہیں اس کی اجازت دی جائے گی، لیکن جو نہ رہنا چاہیں گے ان کے لیے مصر ہے، شام ہے۔''

برطانیہ کے سایہ عاطفت میں فلسطین میں یہود کی مسلسل درآمد جاری رہی، حتی کہ جب مجلس اقوام (اقوام متحدہ سے قبل لیگ آف نیشنز [رابطة الأقوام] ایک بین الاقوامی تنظیم تھی) نے فلسطین کو انگریزوں کی نگرانی (انتداب) میں دیا، تو تیس سالہ دورِ انتداب کے خاتمے پر یہود بمشکل ۶۷ء۵ فیصد اراضی کے مالک بن چکے تھے، اس کے باوجود یہودیوں کو حکومت کے نظم ونسق میں برابر کا شریک کرلیا گیا اور ان کے سپرد تعلیم اور زراعت کے شعبے ہوئے، یہودیوں کو زمینوں کی آبادکاری کے لیے قرضوں اور دوسری سہولتوں سے نوازا گیا۔ سرکاری اراضی یہودیوں کو مفت دی گئی، عربوں کے گاؤں کے گاؤں بے دخل کرکے وہاں یہودی بستیاں بسائی گئیں۔

۱۹۳۶ء میں برطانیہ نے فلسطین کو مجلس قانون ساز عطا کی، اس کے بائیس ارکان میں سے صرف گیارہ مسلمان تھے، عربوں نے اس ناانصافی پر ۱۹ر مارچ کو ہڑتال کردی جسے تشدد سے دبایا گیا۔

معاملات کو طے کرنے کے لیے لارڈ پیل کی قیادت میں ایک برطانوی شاہی کمیشن قائم ہوا جس کا عربوں نے بائیکاٹ کیا، مگر اس کمیشن نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت فلسطین کو (یہودی اور عرب) دو حصوں میں تقسیم کرنے اور بیت المقدس کے علاقے کو برطانیہ کے زیر انتداب رکھنے کی تجویز پیش کی۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ اگر عرب نہ مانیں تو مارشل لاء لگادیا جائے گا اور ان سے ہتھیار چھین لیے جائیں گے۔ اس کے ردِّ عمل کے طور پر ۱۹۳۷ء میں شام کے ایک قصبہ ''بوزان'' میں عرب قومی کانفرنس ہوئی جس میں اعلان بالفور، برٹش انتداب، درآمد یہود اور تقسیم فلسطین کی مخالفت اور استرداد استقلال کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں قومی تحریک شروع ہوئی جسے سختی سے دبانے کی کوشش کی گئی، عربوں نے تمام ظلم وستم مردانہ وار برداشت کیے، اس پر برطانیہ نے عربوں سے وعدہ کیا کہ دس سال کے اندر اندر فلسطین میں ایک آزاد حکومت قائم کردی جائے گی، مگر جونہی امریکا اتحادیوں کی صف میں شامل ہوا، یہودیوں کو ایک اور مؤثر طاقت کی

امداد مل گئی اورانہوں نے امریکا کی شہ پر عربوں کے خلاف قتل و غارت گری کی مہم شروع کر دی، ان کا تشدد اور تخریبی کارروائیاں اتنی بڑھ چکی تھیں کہ ۱۰/اکتوبر ۱۹۴۴ء کو خود برطانوی حکومت نے اپنے ایک بیان میں صہیونیت کی مذمت کی۔

۲۹/مارچ ۱۹۴۶ء کو برطانیہ اور امریکا کی ایک مشترکہ کمیٹی ''اینگلو امریکن'' نے فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلے کی اجازت دے دی۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ فلسطین کو بین الاقوامی علاقہ قرار دیا جائے، اس موقع پر امریکا نے اپنی فوجی اور سیاسی خدمات پیش کرنے کا اعلان کیا، مسلمانوں خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی مخالفت پر برطانیہ اس کی اجازت کو منسوخ کرنے پر مجبور ہو گیا، مگر یہودیوں کے زیر اثر وہ اس معاملے کو اقوام متحدہ میں لے گیا۔

۱۵/مئی ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ نے ایک خصوصی کمیٹی برائے فلسطین قائم کی، اس گیارہ رکنی کمیٹی میں سے کینیڈا، چیکوسلواکیہ، گوئٹے مالا، نیدرلینڈ، پیرو، سویڈن، یوراگوئے وغیرہ نے تقسیم فلسطین کا حل پیش کیا اور ہندوستان، ایران اور یوگوسلاویہ نے وفاقی حل تجویز کیا، جبکہ آسٹریا غیر جانبدار رہا۔ اس پر ۳۱/اگست کو دو نئی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ کمیٹی نمبر ایک کو تقسیم کے منصوبے کی تفصیلات طے کرنے کے لیے کہا گیا، جبکہ کمیٹی نمبر دو جو پاکستان، سعودی عرب، افغانستان، عراق، مصر، لبنان، شام اور یمن پر مشتمل تھی، تقسیم کا پابند نہ رہتے ہوئے اپنی سفارشات مرتب کرنے کے لیے کہا گیا، اس کمیٹی نے تقسیم کی تجویز کی سخت مخالفت کی، مگر انصاف و امن کی علمبردار اس انجمن نے ۲۹/نومبر ۱۹۴۷ء کو ایک قرارداد کے ذریعے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ کر دیا، ۳۳ ملکوں نے اس کے حق میں ووٹ دیا، جبکہ ۱۳ مخالف اور ۱۰ غیر حاضر تھے، امریکا اور روس نے۔ الکفر ملة واحدة۔ کا کردار ادا کر کے تقسیم کی زبردست حمایت کی۔

اقوام متحدہ کی قرارداد کے فوراً بعد یہودیوں نے دہشت گردی کا آغاز کر دیا اور بہت ہی تھوڑے عرصے میں سترہ ہزار عربوں کو شہید اور تقریباً تین لاکھ کو بے گھر کر دیا، ابھی جنرل اسمبلی کی بحث جاری تھی کہ ۱۴/مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے فلسطین سے دست کش ہو جانے کا اعلان کر دیا، اسی وقت تل ابیب میں یہودیوں نے

حکومت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا، اگرچہ اقوام متحدہ نے ابھی اس کی اجازت نہیں دی تھی مگر امریکا اور روس نے روایتی مسلم دشمنی کی وجہ سے فوراً ہی اس حکومت کو تسلیم بھی کر لیا۔

حکومت قائم کرتے ہی یہودیوں نے نصف بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ ہی عرب علاقوں پر بھی حملے کر دیئے۔ گردوپیش کی عرب ریاستوں نے بے سہارا عرب آبادی کو یہودیوں کے اس ظلم وستم سے بچانے کے لیے اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کر دیں، وہ تل ابیب تک پہنچنے ہی والی تھیں کہ بڑی طاقتوں نے اقوام متحدہ کی مداخلت کے ذریعے جنگ بند کرادی، عرب لیگ نے ۱۱ر جون ۱۹۴۸ء کو عالمی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے جنگ بند کر دی۔ ۷ار ستمبر کو اسرائیلیوں نے پھر جنگ چھیڑ دی اور جب پھر انہیں شکست ہونے لگی تو اقوام متحدہ کے ذریعے مارچ ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی کرادی گئی، اُس وقت اسرائیل ۷۵ فیصد علاقے پر قبضہ کر چکا تھا۔

۱۴ر مارچ ۱۹۵۲ء کو یہودی ریاست کی حدود کا تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر عاری الکمان نے کہا تھا: "عظیم تر اسرائیل عراق سے سویز تک پھیلا ہوا ہے۔" اسرائیل کے لیڈر بن گوریان نے بھی کچھ انہی الفاظ میں اسرائیلی سلطنت کی حدود کا تعین کیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا جس کے جواب میں مصر نے نہر سویز کو اسرائیلی جہازوں کے لیے بند کر دیا۔ جون ۱۹۶۷ء میں ایک بار پھر عربوں اور اسرائیل کے مابین زبردست جنگ ہوئی، مصر نے خلیج عقبہ تک کے علاقے کی ناکہ بندی کر دی، مگر اسرائیل کے لیے امریکی امداد کے پہنچ جانے پر اسرائیل نے نہ صرف نہر سویز تک کے علاقے کو بلکہ شام کی جولان نامی پہاڑیوں، اردن کے خاصے علاقے اور پورے شہر یروشلم (القدس) پر بھی قبضہ کر لیا۔

اسرائیل، الفتح اور حماس:

اگست ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصیٰ کے نذر آتش کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ ۱۹۷۲ء میں مقبوضہ عرب علاقوں میں سے (جن میں دریائے اردن کے مغربی کنارے کے علاقے، غزہ اور گولان کی پہاڑیاں شامل ہیں) پچاس ہزار مسلمان روزانہ ان علاقوں سے عرب ممالک میں دھکیل دیئے جاتے رہے، اس پر اردن کے شاہ حسین نے فلسطین اور اردن کے وفاق کی تجویز پیش کی، جسے اسرائیل نے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد سے جناب

یاسر عرفات کی پرجوش قیادت میں آزادیٔ فلسطین کے مجاہدین سرگرم عمل ہوگئے، بلیک ستمبر جیسی تنظیموں نے اسرائیلیوں کوبطور یرغمال استعمال کر کے اپنے مطالبے منوانے کا آغاز کردیا، جبکہ دوسری طرف اسرائیلی حکومت کوامریکا سے دھڑا دھڑ فوجی اور سیاسی امداد مل رہی ہے اور دنیا بھر سے لاکھوں یہودی اسرائیل پہنچ رہے ہیں۔ ۱۹۷۰ء تک اسرائیل میں یہودیوں کی تعداد ۲۵ لاکھ کے قریب پہنچ چکی تھی جو ۱۹۷۵ء میں ۳۰ لاکھ سے بھی تجاوز کر چکی ہے، جبکہ ۱۹۴۸ء میں پورے فلسطین میں صرف ساڑھے چھ لاکھ یہودی تھے۔

۱۹۸۱ء میں اسرائیل نے اچانک عراق پر حملہ کر کے بغداد کا ایٹمی پلانٹ تباہ کردیا۔ ۱۹۸۲ء میں اسرائیل نے جنوبی لبنان اور بیروت پر برّی، فضائی اور بحری حملے کر کے یاسر عرفات اور اُن کی ''تنظیم آزادیٔ فلسطین'' (الفتح) کو ہجرت کرا کے الجزائر رخصت ہونے پر مجبور کردیا اور پھر لبنان کے صابرہ وشاتیلا جیسے مہاجر کیمپوں میں ہزاروں فلسطینیوں کا قتل عام کیا گیا۔

یاسر عرفات نے فلسطین میں اندرونی خودمختار ریاست قائم کی تھی، جس کے صدر وہ خود رہے، ان کے بعد موجودہ صدر محمود عباس ہیں، عرفات کی تنظیم آزادی فلسطین (الفتح) کی طرح حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ (حماس) کو بھی یہاں بڑی شہرت ملی ہے، جس کے بانی وسرپرست اعلیٰ شیخ احمد یاسین اور ان کے نائب جناب عبدالعزیز رنتیسی صاحب کو کلنگ ٹارگٹ بنا کر اسرائیلی میزائل حملے میں شہید کیا گیا، لیکن اب اسی سال ۲۰۰۶ء کو ان کی تنظیم فلسطینی انتخابات میں جیت کر اسماعیل ھنیہ کی سرکردگی میں برسراقتدار بھی آئی ہے۔ دعا ہے کہ حماس فلسطینی عربوں کے امنگوں کی صحیح صحیح ترجمانی کر سکے۔

اسرائیل کے تجارتی تعلقات زیادہ تر امریکا، جرمنی، اٹلی، برطانیہ، فرانس، نیدرلینڈ، جاپان اور بلجیم کے ساتھ ہیں، درآمدات کی نسبت زیادہ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل کو دنیا بھر کے یہودیوں کی مالی واقتصادی مدد پہنچتی رہتی ہے، معیشت کا زیادہ تر دارومدار ماہی گیری، زراعت، معدنیات اور صنعت پر ہے، یہاں فی کس سالانہ آمدنی ۹۵۰ ڈالر ہے۔

اگرچہ اسرائیل اقوام متحدہ کا رکن ہے، تاہم چند ممالک کو چھوڑ کر اکثر اسلامی ممالک اور ان کے

حلیفوں نے اس کے ناجائز وجود کو تسلیم نہیں کیا، پاکستان بھی ان ممالک میں شامل ہے اور عربی علاقوں پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خاتمے کے لیے کوشاں ہے۔ [1]

یورپین یہودی:

یورپ میں موجودہ کچھ یہودی وہ ہیں جن کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیرۂ عرب سے صفایا کر دیا تھا، جیسے زمانہ قدیم میں یہ لوگ بھگوڑے بن کر عرب ممالک کی طرف بھاگ کر آئے تھے ایسے ہی بعد کے ادوار میں یورپ کی طرف بھاگ گئے تھے اور وہاں کے بھی کئی ملکوں سے اپنی خباثتوں کی وجہ سے نکالے گئے، پوری دنیا میں مارے مارے پھرتے رہے، آخر میں آ کر فلسطین کو اپنا ٹھکانہ بنا لیا اور یہ بھی اس لیے کہ ان کا خاتمہ یہیں ہونا ہے، احادیث میں ان کی بیخ کنی کی پیشین گوئی موجود ہے۔

یہودی فرقے:

یہ ایک تاریخ تھی جو آج تک چلی آ رہی ہے، ان میں سے ایک فرقہ "صدوقی" ہے اور یہ کئی چیزوں کا منکر ہیں۔ دوسرا فرقہ "فریسی" ہے ان کو احبار اور رہبان بھی کہا جاتا ہے۔ تیسرا فرقہ "قرائین" ہے یہ صرف توریت کو مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ صحائف وزبور وغیرہ کسی چیز کو نہیں مانتے۔ چوتھا فرقہ "متعقبین" ہے یہ شدت پسند ہیں۔ پانچواں فرقہ "کاتبین وناتخین" ہے یہ سردار وعلماء ہیں۔ چھٹا فرقہ "سامری" ہے۔ ساتواں فرقہ "متھودین" ہے۔ آٹھواں فرقہ "سبائیہ" ہے یہ عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب ہے جنہوں نے شیعیت کی بنیاد رکھ کر مسلمانوں کو بہت بڑی اذیتیں پہنچائیں۔

عہد نامہ عتیق کی سب کتابوں پر نصاریٰ کا ایمان ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پیشین گوئی کے طور پر تورات کی نقل کی ہے، جو کہ موجودہ تورات میں نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ عبارت عہد نامہ عتیق کی کسی اور کتاب میں ہے یا پھر چونکہ تورات میں تحریف لفظی ومعنوی بہت ہوئی ہے، اس لیے موجودہ توراتوں میں وہ عبارت نہیں ملتی۔

---

[1] اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ مع تغییر واضافات، الشیخ احمد یاسین شاهد علی عصر الانتفاضة/ احمد منصور، الأقصى عبر التاريخ، یہودیت اور فری میسنز، جدید اسرائیل کی تاریخ،
The Jewish......State،
- A Short History of world

تورات،تلمود اور پروٹوکولز:

یہاں تورات کے بارے میں مفصل گفتگو ہم اسلامی انسائیکلو پیڈیا سے پیش کرتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات یہودیوں کے یہاں مندرجہ ذیل پانچ کتب پر مشتمل تھی:

(۱) سفر التكوين (۲) كتاب الخروج (۳) كتاب الأخبار (۴) كتاب العدد

(۵) كتاب الاستثناء۔

انہی پر ان کا ایمان ہے،تلمود اس کی شرح ہے،جس کی دو قسمیں ہیں:

(۱)تلمود یروشلم (۲)تلمود بابل۔ 1

نیز اس کے علاوہ یہودیوں کی مقدس کتب وہ ''پروٹوکولز'' ہیں جو انٹرنیشنل فری میسن کے مختلف میٹنگوں میں بطور قراردادوں کی پاس ہوئی ہیں۔عربی میں اسے (بروتوکولات) کہا جاتا ہے۔ 2

عیدیں:

ان کے تہواروں میں سے ایک عید فصح ہے اور یہ خروج مصر کا دن ہے۔ایک عید اور بھی ہے جس کا نام تکفیر(کفارہ سے ماخوذ) ہے،ایک یوم شمیس ہے جس میں قربانی کرتے ہیں،ایک ہفتہ وار تہوار(مسلمانوں کے جمعے اور عیسائیوں کے اتوار کی طرح) یوم سبت ہے،نیز موجودہ اسرائیل کی بنیاد پر ''ہاتز موت'' نامی جشن بھی یہودی مناتے ہیں۔(ویسے یہودیت کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی سورۂ بقرہ،آل عمران،بنی اسرائیل،طٰہٰ اور قصص مع تفسیر ملاحظہ فرمایا جائے تو بہت بہتر ہوگا،نیز موجودہ اسرائیل کے لیے محمد احسن بٹ کی ''جدید اسرائیل کی تاریخ'' نامی کتاب کا مطالعہ مناسب ہے)۔

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا(تورات)،الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/12-18۔

2 النشاط الصهيوني الماسوني في الوطن العربي/موسى نبهاني، البروتوكولات/ت محمد خليفه التونسي، المخططات التلمودية الصهيونية اليهودية في غزو العالم الاسلامي۔

یوم السّبت:

یوم یک شنبہ، سنیچر، یہودیوں کا مقدس دن۔ بائبل میں ہے کہ خداوند تعالیٰ نے چھ دن میں کائنات کی تخلیق کی اور ساتویں دن آرام کیا۔ اس لیے اس نے بنی اسرائیل کے لیے بھی چھ دن دنیوی کاروبار کے لیے مقرر کیے اور ساتواں دن یعنی ہفتہ عبادت اور آرام کے لیے مخصوص کیا لیکن بنی اسرائیل نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی۔ انہوں نے سمندر کے کنارے گڑھے کھود لیے۔ جمعے کے روز، مچھلیاں پانی کے ساتھ بہہ کر ان گڑھوں میں آ جاتیں اور ہفتے کے روز وہ انہیں پکڑ لاتے۔ ان کی اس فریب کاری سے ناراض ہو کر خدا نے حکم دے دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے۔ [1]

یوم کپر/یوم کفارہ/تکفیر:

یوم کفارہ۔ یہودیوں کا سب سے متبرک و مقدس دن اور تہوار جو نئے عبرانی سال کے دس دن بعد عموماً اکتوبر کے اوائل میں منایا جاتا تھے۔ اس روز یہودی روزہ رکھتے، سارا دن عبادت و مراقبہ کرتے، خدا کے سامنے اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت کرتے اور اس کے عفو و کرم کے طالب ہوتے ہیں۔ تاہم یہودی کا عقیدہ ہے کہ خدا صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول کرے گا جن کے ہم جنس انہیں معاف کر چکے ہیں۔

نبوکد نصر/بخت نصر:

یہ بابلی لونیا کا بادشاہ ہے۔ زمانہ شہزادگی میں مصر فتح کیا۔ اپنے باپ نبوپولاسر کے بعد تخت پر بیٹھا۔ ۵۹۷ء ق م میں یہودا (جودیا) کی بغاوت فرو کی۔ اس علاقے میں دوبارہ بغاوت ہوئی تو اس نے یروشلم کو تباہ کر دیا اور چار ہزار یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لایا۔ اس کے عہد میں سلطنت کی زیادہ تر دولت بابل کی قلعہ بندی اور تعمیرات پر خرچ ہوئی۔ اس کا محل عجوبۂ روزگار تھا۔ بابل کے معلق باغات اسی نے بنوائے تھے۔ بابل علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ [2]

---

1. مزید تفصیل کے لیے: سورۂ بقرہ/65-66 کی تفسیر معارف القرآن/مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔
2. مزید تفصیل کے لیے: الأقصى عبر التاريخ ملاحظہ فرمائیں۔ اسی طرح احمد منصور کی مشہور تصنیف "الشيخ احمد ياسين شاهد على عصر الانتفاضة"۔ قابلِ دید ہے۔

صہیون/صہیونیت:

(۱) عبرانی میں صہیون (SIYON) تلفظ ہے۔ صیہون بھی کہا اور لکھا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق یروشلم کا ایک مشہور مقام ہے یعنی وہ محلہ جہاں صہیون کی عبادت گاہ ہے۔ مسلمانوں کی ادبیات میں اس مسجد کو جو صہیون کی پہاڑی پر واقع ہے، وہ مقام سمجھا جاتا ہے جہاں حضرت مریم علیہا السلام (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ) اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی جوانی کے زمانے میں عبادت گاہ کی خدمت کی تھی۔ صہیون کا ذکر قدیم زمانے میں ایک شاعر نے یوں کیا کہ وہ ایک سلطنت ہے جو شاید عربوں کے خلاف ایک فوج تیار کر لیتی ہے۔ شارحین کے مطابق اس سے مراد بیزنطہ (روم) ہے۔ البکری کے قول کے مطابق یہ ایک قبیلے کا نام ہے لیکن ابن درید اس کا ذکر نہیں کرتا۔

(۲) شمالی شام میں ایک قبیلے کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے۔ بقول یاقوت حموی یہ بحیرۂ روم کے قریب ایک قلعہ ہے۔ حروب صلیبیہ کے دوران یہ فوجی قلعہ بہت عرصے تک فرانسیسیوں کے قبضے میں رہا۔ ۵۸۴ھ میں صلاح الدین ایوبی نے اس پر قبضہ کر لیا، آج کل وہ صہیون کے نام سے موسوم ہے۔

صہیونیت یہ ایک تحریک بھی ہے جس کا مقصد فلسطین میں یہودیوں کے لیے قومی وطن کا قیام تھا۔ یہ تحریک وسطی یورپ سے اٹھی لیکن اس کی زیادہ تر امداد امریکی اور یورپی یہودیوں نے کی۔ انیسویں صدی کے دوران اسلام دشمن تحریکیں یہودیوں کی اس تحریک کے لیے بہت مدد اور معاون ثابت ہوئیں۔ صہیونیت کی پہلی کانگریس سوئٹزرلینڈ میں بائبل کے مقام پر ۱۸۹۷ء میں ہوئی۔ [1]

☆☆☆

---

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا (صہیون)، المنجد فی الاعلام، تاریخ بنی اسرائیل من اسفارهم/محمود عزة دروزة، الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة، اليهود فی تاريخ الحضارات الاولیٰ، خطط اليهودية العالمية على الاسلام والمسيحة/ عبدالله النسل، اليهود نشأتهم ومجتمعهم /زكي سنودة،

،History of The religion

۔God and man carly Israel

تاؤازم/ٹاؤازم/تاؤمت

چین کا ایک مذہب جس کا بانی لاؤزے تھا۔ لاؤزے نے اپنی کتاب ''تاؤ تہ کنگ'' میں لکھا ہے کہ خوشحال زندگی گزارنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تاؤ کی پیروی کی جائے لیکن اس نے اس کتاب میں تاؤ کی تشریح کسی جگہ بھی نہیں کی۔ اسی وجہ سے تاؤ کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیالات ہیں اور انہوں نے اس کے کئی ایک معنی بتائے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امن کے راستے اور طریقے کے بتائے ہیں اور بعض کے نزدیک تاؤ کے معنی بولنے اور گفتگو کرنے کے ہیں۔ اہل یورپ کے نزدیک اس کے معنی عقل کے ہیں، لیکن صحیح یہ لگتا ہے کہ تاؤ کو خدا کے معنی میں لیا جائے۔

تاؤ کے بارے میں جو صفات بتائی گئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)......اس کی ایک اہم ترین صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے۔ چنگ زی کے بقول (جو اس مذہب کا مستند مصنف بتایا جاتا ہے) کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب تاؤ موجود نہ ہو۔

(۲)......وہ ہر جگہ موجود ہے اور کوئی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں وہ موجود نہ ہو۔

(۳)......کائنات کی عظمت اور شان وشوکت اسی کے دم سے ہے اور وہ نہایت باریک سے باریک چیز میں بھی موجود ہے۔

(۴)...... ننھے ننھے کیڑوں کو بھی اسی نے زندگی بخشی ہے اور چاند وسورج اپنے اپنے مدار پر اسی کی وجہ سے گھومتے ہیں۔

(۵)......تاؤ نہ جسم رکھتا ہے اور نہ اس کی اپنی کوئی آواز ہے وہ غیر مرئی ہے لیکن تمام اجسام کا وہی خالق ہے اور تمام آوازیں، اسی نے بنائی ہیں اور اس سے کوئی چیز خالی نہیں۔

(۶)......وہی تمام مخلوقات کا روزی رساں ہے لیکن وہ غیر متحرک ہے۔

(۷)......وہ شخص نہیں ہے اور نہ قابل تقسیم ہے۔ ہر ایک پر مہربان ہے۔

ہوائی مان زو جو تاؤ فلسفے کا ماہر ہے تاؤ کی صفات کے بارے میں لکھتا ہے۔ ''تاؤ ہی آسمان کو سہارا دینے والا اور زمین کا بچھانے والا ہے۔ جس کی تہ کوئی حد ہے اور نہ انتہا۔ جس کی بلندی ناپی نہیں جا سکتی اور نہ ہی اس کی گہرائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ بے حد لطیف اور باریک ہے۔ ہر شے میں اسی طرح موجود ہے جس طرح پانی دلدل میں ہوتا ہے۔ پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی پستی تاؤ ہی کے دم سے قائم ہے۔ جانوروں کا چلنا، پرندوں کا اڑنا، چاند اور سورج کی روشنی، ستاروں کی گردش سب اسی کے فیض کے کرشمے ہیں۔ بہار کی ٹھنڈی ہوائیں وہی چلاتا ہے اور برسات کی سہانی بارش وہی برساتا ہے۔ پرندوں کو انڈے وہی دلاتا ہے اور ان انڈوں سے بچے وہی نکالتا ہے۔ جب درختوں سے پتیاں نکلتی ہیں۔ انڈوں سے بچے اور عورتوں کے رحم سے بچے پیدا ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب کام اپنے آپ ہو رہے ہیں کیونکہ کرنے والے کا ہاتھ ہمیں نظر نہیں آتا لیکن یہ حقیقت نہیں۔ تاؤ دھندلے سے سائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے جسم نہیں اس کے ذرائع غیر محدود اور پوشیدہ ہیں لیکن تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔ اس سے کبھی کوئی بے کار اور غیر مفید کام نہیں ہوا۔''

لاوزے کہتا ہے کہ (تاؤ) کے کنہہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کو سب کا پتہ ہے، مگر اس کے متعلق مکمل پتہ کسی کے پاس نہیں ہے۔

تعلیمات:

تاؤ مذہب کی تعلیمات مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف)...... ہستی اعلیٰ کا تصور:...... تاؤازم ایک اعلیٰ ہستی کا قائل ہے، اگر چہ اس میں تشکیلات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن صحیح وہی ہے جو اوپر ذکر کیا جا چکا۔

(ب)...... اخلاق:...... تاؤ مذہب میں انسان کو کائنات کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے تمام شعبۂ حیات میں انسان بھی دوسری چیزوں کی طرح عالمگیر تاؤ کا مظہر ہے اس کا نظریۂ انسان صرف علمی ہی نہیں بلکہ اس کی بنیاد اخلاقیات پر قائم ہے اور انہی اخلاقیات کے باعث انسان خود کو فطرت کے سپرد کر دیتا

ہے اور اس طرح فطرت کے یہ قوانین جن کے سامنے وہ سر جھکا دیتا ہے اس کے لیے عزت واحترام کا باعث بن جاتے ہیں۔ نیز یہ کہ فطرت کے کسی کام میں قصد کو دخل نہیں ہے۔ اس لیے انسان کے تمام اعمال بھی ارادے کے بغیر سرزد ہونے چاہئیں اور چونکہ فطرت میں انفعال ہے اس لیے منصوبہ بندی، تدابیر، جوڑ توڑ، دوادوش، خواہش اور تمنا وغیرہ سب کی سب انسانی فطرت کے منافی ہیں۔ تاؤ مذہب میں وہ کام جو کسی سعی وارادہ سے کیے جاتے ہیں۔ زیادہ اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے۔ اسی لیے سخاوت، راست بازی اور حسن اطوار کے مقابلے میں رحم، میانہ روی اور پاک بازی کا شمار اخلاقیات میں ہوتا ہے۔

نیز زندگی چونکہ مسلسل جدوجہد کا نام ہے اس لیے اس سے بچنے کے لیے تاؤ مذہب کے پیرو ترک دنیا کر کے پہاڑوں میں پناہ لینے کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔

تاؤ مذہب کے اخلاق میں خواہشات اور جذبات پر قابو پانے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بقول لاؤزے جو دوسرے پر غالب آتا ہے وہ قوی ہے اور جو خود اپنے آپ پر غالب آجائے وہ قوی تر ہے۔

دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے کہ انسان اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے۔ لالچ سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں اور حرص سے بڑھ کر کوئی وبال نہیں ہے۔

تاؤ مذہب میں انسانوں کا قتل کرنا اور جنگ میں فتح پانا کوئی قابل فخر بات نہیں وہ قیدیوں کو سزا کے طور پر قتل کرنے کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔

(ج)..... نظریہ حیات بعد الموت:..... تاؤمت میں موت ایک اچھی اور خوشگوار چیز ہے یہ ایک لازمی امر ہے اور اس سے ڈرنا بیکار ہے۔ موت ایک خوشگوار تبدیلی کا نام ہے۔ موت ہر جاندار کی زندگی کا انجام ہے۔

موت اور زندگی میں وہی تعلق ہے جو آنے اور جانے میں ہے۔ چنانچہ اس دنیا سے چلے جانے کے معنی دوسری دنیا میں پیدا ہونے کے ہیں۔ انسان زندگی سے محبت کر کے ایک فریب میں مبتلا ہے۔ انسان موت کی ہولناکیوں سے واقف ہے لیکن موت کے بعد کی راحتوں سے ناواقف۔ انسان کی زندگی کا تابناک پہلو یہی ہے کہ موت ازل ہی سے تمام انسانوں کا نوشتہ تقدیر بنی ہوئی ہے۔

موت نیکوں کے لیے سکون اور بروں کے لیے پردہ ہے۔ مردے وہ ہیں جو اپنے گھروں کو پہنچ چکے ہیں

اور زندہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

مرنے کے بعد کی زندگی میں نیک لوگ نہایت ہی آرام کی زندگی بسر کریں گے اور بروں کو مزید برائی کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

تاؤمت کی مقبولیت:

اگرچہ تاؤمت کی تعلیمات لوگوں کی فہم سے بالاتر تھیں، اس کے بانی کے بعد چینیوں نے سحر وفسوں کو بھی مذہب میں داخل کر دیا ہے، جس کے چینی عوام قدیم زمانہ سے دلدادہ تھے۔ دوسرے فطرت پرستی نے عوام کو اس مذہب کی طرف راغب کیا نیز ارواح خبیثہ کے عقیدے کی وجہ سے اس مذہب نے چینیوں میں خاص مقبولیت حاصل کر لی۔

تاؤمت اپنے بانی کے بعد:

تاؤمت ایک فلسفیانہ مذہب تھا عوام اُسے سمجھنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ لاؤزے کے بعد اس کے پیروؤں نے اس کمی کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ تاؤمت کا مقابلہ چونکہ کنفیوشس مذہب سے تھا۔ جو اس کے مقابلے میں عام فہم تعلیمات رکھتا تھا۔ اس لیے فلسفیانہ خیالات کی جگہ نئے قسم کے نظریات کو دے دی گئی۔ لاؤزے کے خیالات کی تشریح عجیب وغریب طریقوں سے کی جانے لگی۔ لاؤزے کی تعلیم تھی کہ انسان فطرت کے منفعلانہ اتحاد کے ذریعے غیر فانی بن سکتا ہے۔ چنانچہ اس کے مرنے کے بعد اس عقیدے نے عملی صورت اختیار کر لی اور تمام کوشش اب اس بات پر صرف ہونے لگی کہ کسی طرح حیات جاودانی کا نسخہ ہاتھ لگ جائے۔ چنانچہ لاؤزے کے انتقال سے تقریباً پانچ سو سال بعد منگ تاؤلنگ نامی ایک شخص نے ایک ایسا شربت تیار کیا جس کے پیتے ہی انسان ابدی زندگی سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ اس شخص نے عوام میں اتنی مقبولیت حاصل کی کہ لوگ اسے معبود کے طور پر پوجنے لگے۔

اس مذہب کی فلسفیانہ تعلیمات کی وجہ سے سحر وفسوں نے اس مذہب میں راہ پالی اور سحر اس کا ایک اہم جزو بن گیا۔ لوگ ٹونوں اور ٹوٹکوں کے قائل ہو گئے۔ لوگوں کے عقائد اس قسم کے ہو گئے کہ اگر کوئی شخص خاص راکھ یا کوئی مقدس تحریر اپنے پاس رکھے تو اس پر کسی طرح کوئی آفت اثر نہیں کرتی۔ ان میں بہت سے

دیوتا پیدا ہو گئے۔

یہاں تک کہ انہوں نے چوہے، سانپ اور بیولے کو بھی اپنا معبود بنالیا۔ ارواح خبیثہ کا عقیدہ ان لوگوں میں عام ہو گیا۔ یعنی یہ کہ ارواح خبیثہ انسان کے درپے آزار ہیں۔

لاؤزے کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی تعلیمات کے خلاف کام کرنے کو عین اتباع قرار دیا گیا۔ دنیا میں یہ واحد مذہب ہے جس میں اس کے پیروؤں نے اپنے بانی مذہب کی تعلیمات کو اس قدر متضاد معنی پہنائے جو کسی اور مذہب میں نہیں۔

بانیٔ مذہب:

لاؤزے اس مذہب کا بانی تھا۔ اس کا اصل نام لی پہ یانگ تھا۔ وہ کنفیوشس کا ہم عصر تھا۔ وہ ریاست سو میں ۶۰۴ ق م میں ایک غریب چینی گھرانے میں پیدا ہوا۔ کم سنی ہی میں اس نے شاہی کتب خانے کے محافظ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی۔ یہاں اسے مطالعہ کتب کا بہترین موقع ہاتھ آیا۔ اس نے جب اپنی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا شروع کیا اور ان کی تبلیغ شروع کی تو لوگ اسے لاؤزے کے نام سے پکارنے لگے جس کے معنی بوڑھے فلسفی کے تھے۔

سیاسی حالات کی وجہ سے وہ ملازمت ترک کر دینے پر مجبور ہو گیا بلکہ نوے سال کی عمر میں اسے وطن کو بھی خیر باد کہنا پڑا۔

لاؤزے نے ایک کتاب جو ۲۵ صفحوں پر مشتمل تھی تاؤتہ کنگ کے نام سے لکھی تھی جو چین کی سرحد عبور کراتے ہوئے سرحد کے محافظ نے اس سے لے لی۔

سرحد عبور کرنے کے بعد وہ نامعلوم مقام پر چلا گیا اور اس کے بعد کے حالات کہ اس نے کہاں اور کس تاریخ کو وفات پائی، کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکے۔

لاؤزے کے نزدیک نیک شخص وہ ہے جو سب سے محبت کرے اور کسی سے بھی نفرت نہ کرے اسی وجہ سے اسے اپنے ہم عصر مفکر کنفیوشس سے اس بات میں اختلاف تھا کہ وہ بروں سے نفرت کرتا تھا اور اس حق میں تھا کہ بروں کے ساتھ برا سلوک کرنا چاہئے۔ جبکہ لاؤزے کا خیال تھا۔

''جو لوگ میرے ساتھ نیکی کرتے ہیں ان کے ساتھ نیک رہتا ہوں جو لوگ میرے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتا ہوں اس طرح برے سے برا آدمی بھی درست ہو جاتا ہے اور جو لوگ میرے ساتھ خلوص سے پیش آتے ہیں ان کے ساتھ خلوص سے پیش آتا ہوں اور جو لوگ خلوص نہیں برتتے میں ان کے ساتھ بھی مخلصانہ رویہ رکھتا ہوں۔ اس طرح پوری دنیا مخلص بن جاتی ہے۔''

مذہبی کتاب:

جب لاؤزے نوے سال کی عمر میں اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر چینی سرحد پر پہنچا تو اس کے ایک قدردان افسر نے اسے اس وقت تک سرحد پار کرنے نہیں دی جب تک اس نے اپنی تعلیمات کا خلاصہ ایک کتاب کی شکل میں لکھ کر اس کے حوالے نہ کر دیا۔ لاؤزے نے اس کتاب کا نام ''تاؤتہ کنگ'' رکھا جس کے معنی عقل سکھانے والی کتاب کے تھے۔ یہ کتاب صرف ۲۵ صفحات پر مشتمل تھی۔ اس کتاب کا بڑا حصہ مختصر ہونے کی وجہ سے ناقابل فہم ہے صرف تھوڑا حصہ آسان اور عام فہم ہے۔

اس کتاب میں اس نے زیادہ تر اس بات پر زور دیا ہے کہ خوشحال زندگی بسر کرنے کا طریقہ تاؤ کی پیروی کرنے میں ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ لاؤزے کی بنیادی تعلیمات خصوصاً الٰہیات میں اسلام کے بالکل عین مطابق ہیں۔ اگر مسلمان چین کی طرف لاؤزے کی تعلیمات کی روشنی میں توجہ کریں، تو اہل چین کے مسلمان ہونے میں دیر نہیں لگے گی۔

چین کے بڑے مذاہب/چینی فلسفہ:

تاؤازم پر اردو انسائیکلو پیڈیا میں کچھ یوں روشنی ڈالی گئی ہے:

تاؤازم (TAOISM) چین کے تین بڑے مقامی مذاہب (کنفیوشس مت، بدھ مت اور تاؤازم) میں سے ایک ہے۔ کنفیوشس مت اور تاؤازم چین کا مقامی اور قدیم مذہب ہے، جبکہ بدھ مت بعد کا مذہب ہے۔

تاؤ کا معنی ہے ''ایک طریقہ''۔ چاہے وہ اخلاقی طریق ہو (جس کی لوگ پیروی کریں) یا وہ طرز عمل ہو (جس پر قدرت عمل کرتی ہے) یا وہ قدرت کا قانون ہو (جس پر انسان چلتا ہے)۔

اس مذہب کا بانی لاوتے (LOATSE) ہے جو ۶۰۴ ق۔م میں پیدا ہوا تھا، یہ حکیم کنفیوشس کا ہمعصر تھا اور چاؤ کے دربان کا ایک عہدہ دار تھا۔ وہ ایک اعلیٰ دماغ، مفکّر، زبردست بصیرت رکھنے والا فلسفی اور ایک عظیم الشان اخلاقی معلّم تھا۔ ان کے ماننے والوں کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان فانی نہیں، اس لیے اس کو موت آتی ہے اور نہ وہ مرسکتا ہے، وہ خطرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لیے انسان کو جو موت آتی ہے یہ لوگ اس کی تعبیر یہ کرتے ہیں کہ ''انسان اپنی روح کا مالک ہے، وہ مرتا نہیں ہے، بلکہ انسان اپنی روحیں نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرتے ہیں۔'' تاؤازم والے لاوتے (لاوزے) اور کنفیوشس کے ساتھ ساتھ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی آویزاں کرتے ہیں۔

تاؤمت کے فرقے:

چین میں اس مذہب کے دو فرقے ہیں: (۱) شمالی (۲) جنوبی۔

☆ شمالی: مراقبہ، تفکّر اور حبس دم کی مشق پر زور دیتا ہے۔

☆ جنوبی: جادو، ٹونے اور ٹوٹکے کرتے ہیں اور منتر جپتے ہیں۔ [1]

☆☆☆

1. اردو انسائیکلوپیڈیا/312، مذاہب عالم/95-103، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، China Hand book،
الملل والنحل/الشہرستانی، محاضرات فی مقارنات الأدیان/محمد ابوزہرہ۔

کنفیوشزم

کنفیوشی (CONFUCIANISM) مذہب چین کا سب سے بڑا مقامی مذہب ہے۔ کنفیوشی گروہ ۲۵ صدیوں کی مسلسل تاریخ رکھتا ہے، تقریباً دو ہزار سال تک یہ حکمراں گروہ رہا ہے۔ کنفیوشی ازم (CONFUCIANISM) کا نام مغربی اقوام کا دیا ہوا ہے، اس کا اصلی نام کنگ چیو (KINGCHIO) یا کنفیوشس (CONFUCIUS) کی تعلیمات ہے یا پھر اس کو جیوشیو (JUO-CHIAO) کہتے ہیں جس کے معنی "علماء کی تعلیم" کے ہے۔

کنفیوشی مذہب چین کا قدیم مذہب ہے، اس مذہب کی بنیاد کائنات کی پرستش پر ہے اور یہ پرستش کائنات کے اجزا اور مظاہر کی پرستش ہے۔

اس مذہب کا بانی علمائے مغرب کے دیئے ہوئے نام کے مطابق چین کا مشہور حاکم کنفیوشس (CONFUCIUS) ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ۴۷۱ ق۔م میں گذرا ہے۔ اس کا باپ شیولیان تھا جو ایک ضلع کا حاکم تھا، جس کی بڑھاپے کی اولاد کنفیوشس تھا۔

۲۲ سال کی عمر میں اس نے تعلیم بالغاں کا ایک ادارہ قائم کیا، اس ادارے میں شہزادے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے، دارالخلافہ جا کر اس نے تاؤازم کے لاوزے سے استفادہ بھی کیا، ۱۵ سال خاموش زندگی گزاری صرف مطالعہ میں مصروف رہا، ۵۲ ویں سال (چنٹو) شہر کا گورنر مقرر ہوا، اس کے بعد پورے ملک کا وزیر انصاف مقرر ہوا، اس دور میں اسے عروج ملا، آخر عمر میں وزارت سے استعفاء دے کر سیاحت اختیار کی، صحیح معنوں میں اگر اس حکیم کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کنفیوشس لاوزے کی طرح کوئی الہامی شخصیت نہیں ہے، بلکہ سیاسی لیڈر ہیں، جنہوں نے اپنی حکیمانہ تعلیمات اور طلسماتی شخصیت کی بناء پر اتنی مقبولیت حاصل کی، انہوں نے خود بھی کسی الہام یا وحی کا دعویٰ نہیں کیا۔

کنفیوشس مذہب صرف چین میں نہیں، بلکہ جاپان میں بھی مقبول ہے، جہاں کم از کم اس زمانے میں اس کے ایک سے دو کروڑ کے درمیان پیروکار موجود ہیں، جاپان کے سرکاری مذہب شنٹو کی سیاسی تعلیمات ونظریات پر بھی اس کا خاصا اثر ہے، یوں یہ مذہب کافی وسیع بھی ہے۔

موجودہ چین میں سوشلزم کی آمد کے بعد تمام مذاہب پر پابندی ہے، جن میں بطور خاص کنفیوشس، بدھ ازم اور تاؤ ازم ہے، لیکن ان کے پیروکار پھر بھی کروڑوں میں ہیں۔

کنفیوشس چونکہ الہامی مذہب نہیں ہے، لہذا ایک فرد کنفیوشسی ہوتے ہوئے بدھ بھی بن سکتا ہے، تاؤ بھی اور مسلم بھی، اس نکتے کی وجہ سے اس کے متعلقین میں اسلام کے لیے جگہ بنانا مشکل نہیں ہے۔

کتب:

۲۰۶ ق م تا ۲۲۰ ق م کے دور میں اس نظریے کے پانچ صحیفے یا کتابچے ۱۔نظریہ طریق، ۲۔عظیم الشان علم، ۳۔تقریریں اور مکالمات، ۴۔مقدمہ شوکنگ، ۵۔بہار وخزاں۔مرتب ہوئے، بعد میں ان پانچ رسالوں پر چار (۴) کتب کا اضافہ کیا گیا یہ اضافہ شاید بطور شرح کے ہوا، یہ دونوں چیزیں (اصل اور شرح) ان کے یہاں روحانی کتاب کی طرح مقدس ہیں۔

بہرکیف یہ اصطلاحی معنوں میں کوئی روحانی مذہب نہیں بلکہ ایک سیکولر سیاسی نظریہ ہے اسی لیے کنفیوشس کی تعلیمات خالص دنیاوی تھی، وہ انسان کو معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے تسلیم کرتا تھا اور اس کے اعمال کا سرچشمہ بعد میں آنے والی دنیا کا تصور نہیں سمجھتا تھا۔نیکی اور بدی کے نتائج مرتکب کو (خود اس کو) یا اس کے اخلاف کو ملتے ہیں، وہ تعدد ازواج کا مخالف نہیں تھا اور نہ عورتوں کے حقوق کا بڑا حامی تھا، اس کی تعلیمات سادہ، لچکدار اور بڑی حد تک قدامت پرستی پر مبنی ہیں۔بہرحال کنفیوشس افلاطون کی طرح ایک فیلسوف تھا، چینی زبان کی محدودیت کی وجہ سے ان کی کتابیں افلاطون کی (الجمهورية) کی طرح عالمگیر شہرت ومقبولیت حاصل نہ کر سکے۔ [1]

---

1 مزید تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

☆......اردو انسائیکلوپیڈیا/805، کونفوشیوس/ڈاکٹر حسن

☆......مذاہب عالم/217-235

☆......The great relegion of modren world

☆......China in the South East Asia

☆......China Hand book

☆......The wisdom of Confucius (Lin yatony)

شنٹوازم

ہیرو ورشپ (سورما پرستی) کا چینی مترادف ہے۔ جس کا مطلب دیوتاؤں کا راستہ یا مسلک ہے اور یہی جاپانی لوگوں کا مذہب ہے۔ اس مذہب کی رو سے حکمران خاندان سورج دیوی اور کامی (خدا) کی اولاد سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے قدرت کے ساتھ ساتھ بادشاہ کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ [1]

شنٹوازم جاپان کا (بت پرستی پر مبنی) قومی مذہب ہے اور سورج دیوی کے مندر میں وہ آئینہ محفوظ رکھا ہوا ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ساتویں صدی قبل مسیح میں دیوی نے بادشاہ جمو کو عطا کیا تھا۔ شنٹوازم کے تیرہ مختلف فرقے ہیں جن میں سے ''اسٹیٹ شنٹوازم'' کو حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر جنرل میکارتھر نے اس مذہب پر پابندیاں لگا دیں اور بادشاہ کی پوجا اور غیر مشروط وفاداری کا خاتمہ کر دیا۔ لیکن اخلاقی اور روحانی طور پر یہ مذہب اب بھی باقی ہے۔ اس مذہب کے پیرو صرف جاپان میں بستے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اب یہ مذہب اپنا مذہبی استقلال اور جداگانہ حیثیت کھو چکا ہے، اب یہ بدھ مت کا ایک حصہ یا فرقہ بن کر رہ گیا ہے، اس کے ماننے والے گوتم بدھ کی تعلیمات کو اب اپنے عقائد کا حصہ

---

1 انسان پرستی:

انسان کو پوجا کرنا، انسان کو خالق اور رازق سمجھنا، انسان کے آگے سر جھکانا۔ قدیم انسان کو بہت جلد اپنے فانی ہونے کا احساس ہوگیا۔ خوف ہستی نے اسے زندہ
انسان کے احترام اور پرستش کی طرف مائل کیا۔ خصوصاً طاقتوروں اور سرداروں کو فوق الفطری قوتوں کا مالک سمجھا جانے لگا۔ یہ احترام اس قدر بڑھا کہ ان کی طرف
دیکھنا یا ان کی نشست پر بیٹھنا بے ادبی اور جرم قرار دیا گیا۔ سرداروں کے ساتھ ساتھ پروہتوں، کاہنوں اور جادوگروں کی پرستش کا رواج بھی عام ہونے لگا۔
انسان پرستی کا باقاعدہ آغاز مصر سے ہوا۔ بادشاہ کی جسم کو دیوتا کا جسم قرار دیا جاتا تھا۔ قدیم مصر کی تحریروں سے ایسے خطابات کا پتہ چلتا ہے، جن میں سب سے
زیادہ قوی اور مقدس بادشاہ کی ذات تھی۔
مصری حکمرانوں میں فراعنہ خاندان کے اکثر بادشاہوں نے یہ القاب استعمال کر رکھے تھے۔ چند ایک فرعونوں کو چھوڑ کر دیگر تمام فراعنہ خدا بنے ہوئے بیٹھے تھے۔
یہی حال بابل کے بادشاہوں کا تھا۔ ان میں نمرود کا ذکر اکثر صحائف میں آیا ہے۔
ہندوؤں کے ہاں بھی یہ عقیدہ ہے کہ دیوتا انسانی شکل میں نمودار ہوتے ہیں، چنانچہ وشنو، نرسنگھ، کرشن، رام وغیرہ جیسے اوتار بھگوان ہی کا روپ قرار دیئے گئے۔ نیز
یہ بھی سمجھا گیا کہ بھگوان کسی بھی روپ اور کسی بھی ذات میں پیدا ہو سکتا ہے اور اسی دنیوی خواہشات سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کی بناء پر جوگیوں، سنیاسیوں اور
ملنگوں کی پرستش بھی مروج ہوئی۔ یہی چیز آگے چل کر مسلمانوں میں در آئی اور بھنگیوں، ملنگوں اور مست و مجذوب لوگوں کے آگے سر جھکایا جانے لگا۔
مصر کے بعد شاہ پرستی سب سے زیادہ یونان اور پھر جاپان میں ہوئی، ہومر کی کتابوں میں ایسے دیوتاؤں کا تذکرہ ملتا ہے، جو انسان تھے ان کے متعلق یہ عقیدہ عام
تھا کہ وہ قادر مطلق ہیں اور جب چاہے خود کو دنیا میں ظاہر کر دیں۔
یونانیوں سے انسان پرستی اور شاہ پرستی کا عقیدہ رومیوں نے لیا ان کے سلاطین معبود و خلائق بندے۔ سکندر اعظم کے باپ ''فلپ مقدونی'' کی پرستش اس کی زندگی
ہی میں ہونے لگی تھی۔ اس نے شاہ پرستی کو باقاعدہ قانونی شکل دے دی تھی۔ اگسٹس کی مرتے ہی سینیٹ میں فیصلہ صادر کر دیا کہ اسے خداؤں کے زمرے میں شامل
کر دیا جائے بادشاہ پرستش سے انکار کرنے والوں کو سزا دی جاتی تھی۔ آگے چل کر ان بادشاہوں کے باقاعدہ مجسمے تیار ہوئے۔
مشرق بعید میں انسان پرستی کی سب سے بڑی مثال بدھ مت کے پیروکاروں اور جاپانیوں کے حال کی تھی۔ بدھ مت کی پیروکاروں نے مہاتما بدھ کو خدا ہی تسلیم قرار
دے رکھا ہے اور اس کے مجسموں کی پرستش کرتے ہیں، جاپانیوں کے ہاں بادشاہوں کی پوجا اب تک رائج ہے۔ بادشاہوں کو آسمان کا بیٹا قرار دے کر اختیارات اس
کے ہاتھ میں دیئے گئے ہیں۔ تاریخ میں اس سے بڑی مثال اور نہیں مل سکتی کہ آج سے اڑھائی ہزار سال پیشتر جس خاندان نے اپنا شجرہ نسب دیوتاؤں سے ملایا تھا،
آج تک وہی خاندان وہاں اسی طمطراق کے ساتھ حکمران ہے۔

بنا چکے ہیں۔ بقیہ تاؤازم اور کنفیوشس مت کے تابع ہو چکے ہیں، جبکہ ۱۹ویں صدی میں جاپانیوں میں اسلام بھی نہایت تیزی سے پھیل رہا ہے۔

شنٹوازم کی کتابیں:

۱۔ نیگی شگی، ۲۔ ناریٹو، ۳۔ نہونگی، ۴۔ جیکی۔

کامی:

خدا کے مترادف مقدس لفظ ہے، جس کے معنی ہیں: بالا و برتر۔ الٰہیات میں ان کا تصور اسلام کے قریب تر ہے، متوفی بادشاہوں کی ارواح جن کی عبادت یہ لوگ بت بنا کر کرتے ہیں انہیں (می تاما) کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کئی مفید ومضر چیزوں پر ان کے یہاں (کامی) کا اطلاق ہوتا ہے، مگر انہیں (تاروکامی) یعنی چھوٹا خدا کہتے ہیں۔

شہنشاہ جاپان خود مذہبی رہنما (میکاڈو) ہوتا ہے، جبکہ شہزادیاں بھی مذہبی رہنما (سائی ور) بن سکتی ہیں۔

عبادت:

عبادت کے طریقے عجیب ہیں، جھک کر سلام کرنا، گھٹنوں کے بل بیٹھ جانا، تالیاں بجانا، ناچنا اور ڈھولک بجانا۔

نیز اس مذہب میں اسلام کی طرح ظاہر وباطن کی صفائی پر نہایت زور دیا گیا ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ پاک صاف جاپانی سمجھے جاتے ہیں۔ [1]

☆☆☆

---

1 مزید تفصیل اور آگہی حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

☆...... جاپان اور اس کا تعلیمی نظم ونسق/ سر راس مسعود

☆...... مذاہب عالم/ 127-137۔

☆...... اردو انسائیکلوپیڈیا/ 645۔

☆...... The great religion of modren world

☆...... Encyclopedia of Religions and Ethiscs

☆...... Chines in the South cost Aria

☆...... China Hand book

سکھ مت

چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں اسلام اور ہندو دھرم کے اختلاط سے جن چند نئی مذہبی تحریکوں نے جنم لیا اُن میں ایک سکھ مت ہے۔ سکھ مت کے بانی گرونانک ۱۴۶۹ء میں پاکستانی پنجاب کے ضلع شیخوپورہ موضع تلونڈی (ننکانہ صاحب) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام کالورائے تھا جو ذات کے کھتری اور گاؤں کے پٹواری تھے۔ سلطان پور کے حکمران دولت خان لودھی کے پاس ۱۷سال تک نانک جی ملازم رہے، اس کے بعد باپ نے شادی کرادی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے بعد گھر سے نکل کر ۲۵ برس تک مختلف مقامات کی سیاحت کرتے رہے، مسلم درویشوں کی خدمت میں رہ کر آپ کو بُت پرستی کے نقائص اور خالص توحید کی سچائی کا راز مل گیا۔ چنانچہ آپ نے اس کی تبلیغ شروع کردی اور لاکھوں آدمی آپ کے مرید ہوگئے۔ آپ ہر قوم اور ملت کے لوگوں کو مرید کرتے تھے۔ آپ کے مرید بعد میں سکھ کہلائے۔ ابراہیم لودھی نے آپ کو قید کردیا تھا، لیکن پانچ مہینے کے بعد ۱۵۲۶ء میں ابراہیم لودھی بابر کے ہاتھوں مارا گیا۔ بابر نے آپ کی بڑی تعظیم کی اور رہا کردیا۔

ضلع سیالکوٹ کے موضع کرتار پور میں ۷۰ سال کی عمر میں یہ درویش سیرت انسان فوت ہوا، یہاں آپ کے مریدوں نے ایک گردوارہ بنا رکھا تھا۔ کہتے ہیں کہ سیاحت کے دوران بغداد میں ایک چولا (چوغہ) وہاں کے حاکم نے ان کو دیا تھا، اس چولے پر آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی ہیں جو آج تک مشرقی پنجاب کے موضع ڈیرہ بابا نانک میں محفوظ ہے۔ آپ کی مرتبہ کتاب (گروگرنتھ صاحب) ہے جو سکھوں کی متبرک مذہبی کتاب ہے۔ باباصاحب پنجابی کے ایک اچھے شاعر تھے، شاعری میں عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کی آمیزش ہے، قرآن کریم کے تیس پاروں کے متعلق باباصاحب کا ایک عظیم الشان حقیقت پسندانہ

قصیدہ بھی ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے حج بھی کیا تھا اور داتا گنج بخش کے ہاتھ بیعت بھی کی تھی۔

وہ اہل ملک کے اتحاد کے علمبردار تھے، نیز اُن کی تعلیم میں توحید کے عقیدے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اُن کے نزدیک انسان صرف پرہیزگاری کے ذریعے سے نجات حاصل کرسکتا ہے، وہ مذہب کے ظاہری رسوم کے قائل نہیں تھے اور ذات پات کی تقسیم اور بُت پرستی کے مخالف تھے۔

نانک جی کے جانشین نو (گرُو) ہوئے جن کے زمانے میں سکھ مت نے ایک سیاسی جماعت کی صورت اختیار کرلی۔ پہلے سات سکھ گرووں کے تعلقات مغل فرمانرواؤں سے بڑے خوش گوار رہے، البتہ آٹھویں گرو تیغ بہادر نے شاہی مقبوضات پر حملے شروع کردیئے اور گرفتار ہو کر قتل ہوئے، آخری گرو گوبند سنگھ نے گدّی پر بیٹھ کر ۱۶۹۵ء تک امن کی زندگی بسر کی اور اس عرصہ میں سکھ جماعت کی اصلاح و تنظیم کا کام جاری رکھا۔ نیز سکھ مت میں خالصہ جماعت قائم کی، ان کی تعلیم کے پانچ اصول یہ تھے:

۱......ایک خدا کی پرستش کرنا۔

۲......گرونانک اور دوسرے گرووں کی تعظیم کرنا۔

۳......گرنتھ کو اپنی مقدس کتاب ماننا۔

۴......ایک خاص طریقہ سے ایک دوسرے کو سلام کرنا۔

۵......ہر سکھ کے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ کنگھی، کڑا، کرپان اور کیس رکھے اور کچھ یعنی جانگھیا پہنے۔ ان کے حکم سے سکھوں نے لفظ "سنگھ" (سنسکرت بمعنی شیر) کو اپنے نام کا جزو بنالیا۔ ان طریقوں سے گرو گوبند سنگھ نے سکھوں کو ایک منظم فوجی جماعت بنادیا جنہوں نے مغلوں کے زوال اور نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بعد پنجاب میں تاخت و تاراج شروع کردی اور انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں میں ایک سکھ ریاست قائم کرلی جسے انگریزوں نے ۱۸۴۹ء میں ختم کردیا۔

سکھوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت میں ہندوؤں کا ساتھ دیا اور آزادی کے بعد ان کی غالب اکثریت پاک پنجاب سے ترکِ وطن کرکے بھارتی پنجاب اور دوسرے صوبوں میں جا کر آباد ہوگئی، لیکن ان کے بیشتر مقدس مقامات پاک پنجاب میں ہیں، یہ لوگ بہت محنتی اور فطرتاً سیلانی ہیں اور کمیونسٹ ممالک کے سوا دنیا کے تقریباً تمام

ممالک میں آباد ہیں، ان کی مجموعی تعداد ان کے اپنے ذرائع کے مطابق ۸۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ یہ جتنے ہندوؤں کے قریب ہیں تقریباً اتنے ہی مسلمانوں کے بھی قریب ہیں یا بالفاظ دیگر مسلمانوں کے قریب لائے جاسکتے ہیں بالخصوص توحید پرست ہونے اور شرک بیزار ہونے کی وجہ سے۔

اکالی:

یہ سکھوں کی ایک مذہبی اور سیاسی جماعت ہے۔ اکالی سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی غیر فانی کے ہیں۔ اکالی جماعت اکال سے منسوب ہے۔ یہ ایک مذہبی جماعت ہے جو اپنے غلو کی وجہ سے مشہور ہے۔ مہاراجا رنجیت سنگھ نے مختلف حربوں سے کام لے کر اس کی طاقت مٹا دیتی تھی۔ اس زمانے میں اکالیوں میں بھولا سنگھ مذہبی، تنگ دلی اور تعصب کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔ اس جماعت کا مقصد یہ رہا ہے کہ مذہبی بنیادوں پر حکومت کی جائے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد اکالیوں کی زیادہ تر توجہ مذہب کی طرف رہی، لیکن جب برصغیر میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی تو انہوں نے اپنے گوردواروں کو ہندوؤں سے چھڑانے کے لیے تحریک شروع کی، جو اکالی تحریک کے نام سے موسوم ہے۔ سر فضل حسین مرحوم کی توجہ سے گوردوارہ ایکٹ منظور ہوا اور گوردوارے سکھوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ ماسٹر تارا سنگھ اور سنت فتح سنگھ اسی جماعت کے سربراہ تھے۔ [1]

گرو گوبند سنگھ:

یہ سکھوں کے دسویں اور آخری گرو ہیں۔ ان کے زمانے میں اسلام کے خلاف ہندوؤں کی تحریک نے زور پکڑا۔ پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے اور اپنے والد تیغ بہادر کے قتل کے بعد پندرہ برس کی عمر میں گدی پر بیٹھے۔

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا/592، مذاہب عالم/105-126۔ اردو انسائیکلو پیڈیا/105، مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/245-253،

Encyclopedia of Religions and Ethiscs

Encyclopedia britamica

Introduction to Sikhism

ان کی قیادت میں سکھوں نے پنجاب کے پہاڑی علاقوں میں خوب قتل وغارت گری کی، جس کے سبب پہاڑی راجاؤں نے تنگ آ کر اورنگ زیب سے فریاد کی۔ اسی اثناء میں گوبند سنگھ نے سکھوں کی ازسرِ نو تنظیم کی اور ان کی طاقت کو مضبوط کیا۔ راجاؤں کی فریاد پر بادشاہ نے گورنر سرہند کو سکھوں کی سرکوبی کا حکم دیا اور سکھوں سے لڑائی شروع ہوگئی۔ گُرو گوبند سنگھ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مغلوں سے لڑائیوں میں گزارا۔ ان لڑائیوں میں ان کے چاروں بیٹے اور کئی وفادار سکھ کام آئے۔ آخر کار اورنگ زیب نے انہیں دکن بُلا بھیجا، مگر ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے اورنگ زیب وفات پاچکا تھا۔ گُرو گوبند سنگھ نے دریائے گوداوری کے کنارے ابچل نگر میں ڈیرا لگایا اور وہیں ایک پٹھان نوکر کے ہاتھوں مارے گئے۔ اس مقام کو سکھ سری حضور صاحب کہتے ہیں۔ وفات سے پہلے انہوں نے بندہ بیراگی کو سکھوں کا فوجی لیڈر مقرر کیا۔ 1

رنجیت سنگھ:

پنجاب میں سکھ سلطنت کا بانی، سکر چکیہ مثل کے سردار مہان سنگھ کا بیٹا تھا۔ گوجرانوالہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ بچپن ہی میں اس کی بائیں آنکھ چیچک سے ضائع ہوگئی تھی۔ بارہ برس کا تھا کہ اس کا باپ مرگیا اور وہ سردار بنا۔ سولہ برس کی عمر میں اس کی شادی کنھیا مثل میں ہوئی اور ان دو مثلوں (ریاستوں) کے ملاپ سے رنجیت سنگھ کی طاقت اور بھی مضبوط ہوگئی۔ اس کی ساس سدا کور ایک قابل اور مقتدر عورت تھی۔ اس لیے رنجیت سنگھ کی فتوحات میں بڑی مدد کی۔ انیس برس کی عمر میں ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قبضہ کرکے اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ تین سال بعد ۱۸۰۲ء میں امرتسر فتح کیا۔ وہاں سے بھنگیوں کی مشہور توپ اور کئی اور توپیں ہاتھ آئیں۔ چند ہی برسوں میں اس نے تمام وسطی پنجاب پر ستلج تک قبضہ کرلیا۔ پھر دریائے ستلج کو پار کرکے لدھیانہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ لارڈ منٹو رنجیت سنگھ کی اس پیش قدمی کو انگریزی مفاد کے خلاف سمجھتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۰۹ء میں عہد نامہ امرتسر کی رُو سے دریائے ستلج رنجیت سنگھ کی سلطنت کی جنوبی حد قرار پایا۔ اب اس کا رخ شمال مغرب کی طرف ہوا اور لگاتار لڑائیوں کے بعد اٹک، ملتان، کشمیر، ہزارہ، بنوں، ڈیرہ جات اور پشاور فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیے۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/523۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا
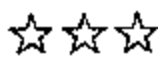
بدھ مت

''بدھ'' کا معنیٰ ہے مذہب۔ اور ''مت'' کا معنیٰ ہے عارف۔ بدھ مت فلسفیانہ اخلاقی اور مذہبی عقائد ونظریات کا نام ہے جو ''مہاتما گوتم بدھ'' کی تعلیمات پر مبنی ہے۔

ان کے عقائد یہ ہیں: (۱) دکھ ہے (۲) دکھ کی بنیاد بھی ہے (۳) دکھ سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے (۴) دکھ سے نجات حاصل کرنے کے لیے نیروان (راہ نجات) کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

''نیروان'' صحیح نظریہ، عزم، گفتار، کردار، پندار، کوشش، زندگی اور صحیح دھیان کو کہتے ہیں۔ ان کے دو فرقے ہیں: (۱) مہایان مت (۲) ہنایان مت۔

ان کا نظریہ ہے کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں اور ہر خوبصورت چیز ان کا خدا ہے، ہر آدمی مذکورہ صفات کو اپنا کر بدھ بن سکتا ہے۔ ''بدھ مت'' روحانیت پر مشتمل ہے اور ''ہندو مت'' مادّیت پر۔ ان کے مراکز چین، نیپال، برما، سری لنکا، منگولیا، جاپان، تھائی لینڈ اور قدیم زمانے میں ترکستان اور افغانستان (بامیان) ہیں، یہ لوگ اپنے معبد کو ''ستوپے'' کہتے ہیں۔ ان کے کتب یہ ہیں: (۱) مہایارائب بانا (۲) گنڈھا چاریتا (۳) لیتاوستارا (۴) نمنشک لا مانا سوترا۔

''مہاتما گوتم بدھ'' نے ملک چھوڑ کر جنگل کی راہ لی تھی یہ لوگ اس ہجرت کو ''مہایات یاک'' کہتے ہیں۔ نیز ''مہاتیا'' (ہجرت عظیم) ان کی ریاضیات کا نام ہے۔

تپّسیا، بدھ مت کے لوگ بدھ مت کے سامنے احتراماً وعبادتاً ماتھا ٹیکتے ہیں، بدھ مت کے سلام کا نام ''رام رام'' ہے۔ جاپان کا سرکاری مذہب شنتو ازم بھی یہی بدھ مت ہے صرف نام کا فرق ہے۔

نوٹ: استاذ صاحب نے اس مذہب کے متعلق مختصر مختصر یہ تفصیلات بیان فرمائی ہیں مگر چونکہ بدھ مت کے پیرو کثیر تعداد میں ہیں اور ایشیا کے اکثر حصے میں آباد ہیں اس لیے یہاں میں اردو انسائیکلو پیڈیا سے گوتم بدھ

اور بدھ مت کے متعلق تفصیلی معلومات پیش کرنا چاہوں گا۔

مہاتما گوتم بدھ:

(۵۶۳ ق۔م۔۴۸۳ ق۔م) مہاتما گوتم، ہندوستان کے قدیم مذہب بدھ مت کے بانی اجودھیا (نیپال) کے راجہ سدھودان کے بیٹے تھے۔ جو کپل دستو کے مقام پر حکومت کرتا تھا۔ یہ خاندان سلیا (کھتری) سے تعلق رکھتا تھا۔ گوتم بدھ کپل دستو کے قریب ترائی کے مقام پر پیدا ہوئے۔ والدین نے سدھارتھ (کامیاب) نام رکھا۔ ساتویں روز والدہ انتقال کر گئیں۔ بچپن میں گوتم نے شہزادوں کی طرح پرورش پائی۔ وید پڑھی اور سنسکرت زبان میں مہارت پیدا کی۔ سولہ سال کی عمر میں یسودھا نامی عورت سے شادی ہوئی۔ دس سال تک خوشگوار متاہلانہ زندگی بسر کی۔ ایک لڑکا راہل بھی پیدا ہوا۔

بچپن ہی سے گوتم کے مشاہدات انسانی زندگی کے بارے میں بہت گہرے تھے۔ انہوں نے ایک مریض، ایک بوڑھے اور ایک میت کو دیکھ کر محسوس کیا کہ انسانیت مصائب اور آلام سے گھری ہوئی ہے۔ انہوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ شاہی محل کی پرتعیش زندگی، بے شمار دولت، حکومت، بیوی کی الفت اور بچے کی محبت انہیں اس امر سے باز نہ رکھ سکی اور انتیس برس ہی کی عمر میں وہ ان تمام مسرتوں کو ٹھکرا کر حقیقی مسرت کی تلاش میں جنگل کی طرف چلے گئے ان کی اس کوشش کو نروان حاصل کرنے کی کوشش کہا گیا ہے۔ انہوں نے دو مذہبی راہبوں سے تعلیم حاصل کی لیکن حقیقت کا پتا نہ چل سکا۔

گوتم کی رہبانیت کی یہ زندگی چھ برس کو محیط ہے۔ بالآخر ایک پیپل کے درخت تلے بیٹھے گیان دھیان کرتے ہوئے اچانک ان پر ''انکشاف'' ہوا اور انہوں نے زندگی کے ان مسائل کا ''حل'' دریافت کر لیا۔ اس روز سے انہیں بدھ (روشنی پانے والا) کہا جانے لگا اور اس درخت کو جس کے تلے انہوں نے نروان حاصل کیا تھا۔ بدھی درکش کہا گیا۔

زندگی کے بقیہ برس گوتم نے تبلیغ میں گزارے۔ ان کے بہت سے پیروان کے ساتھ اس تبلیغ میں شامل ہوئے۔ انہیں بھکشو کہا جانے لگا۔ آخری عمر میں ایک راہب دیوادات نے گوتم کی مقبولیت ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

گوتم بدھ کے نزدیک یہ دنیا تین طرح کے مصائب سے گھری ہوئی ہے۔

(۱)......رنج والم، جن سے انسان آئے دن دوچار ہوتا رہتا ہے۔ جن میں بیماری بڑھاپا اور موت بہت اہم ہیں۔

(۲)......عارضی زندگی، یعنی دنیا فانی ہے اور کسی چیز کو قرار حاصل نہیں۔

(۳)......غیر حقیقی، دنیا کی تمام چیزیں غیر حقیقی ہیں۔ کیونکہ اگر یہ حقیقی ہوتیں تو فانی نہیں ہوسکتیں۔

ان مصائب کی روشنی میں گوتم نے زندگی کی چار اعلیٰ صداقتیں ''آریہ ستیہ'' بتلائی ہیں۔

۱:......زندگی دکھ ہے۔

۲:......دکھ کا سبب خواہشات ہیں۔

۳:......خواہشات سے خود کو بچایا جائے۔

۴:......سخت ریاضت اور بے جا تعیش کا درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

گوتم کے نزدیک انسان کے مصائب نہ صرف زندگی میں برقرار رہتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی سکھ نہیں ملتا اور وہ دوسرے وجود (تناسخ) میں دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر ان سے بھی بڑھ کر مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ گویا یہ بدھی اواگون کا نظریہ ہے اس کے نزدیک انسان پانچ عناصر سے مل کر بنتا ہے۔ (۱) مادی جسم (۲) احساسات (۳) شعور (۴) رجحانات (۵) افکار وتصورات۔ جب انسان مرجاتا ہے تو یہ عناصر بکھر جاتے ہیں۔ صرف اس کے اعمال رہ جاتے ہیں، جو نئے عناصر کو پیدا کرتے ہیں جن سے نئی شخصیت وجود میں آتی ہے۔

فہم وفراست کے لیے گوتم مطالعہ کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقی اصولوں کی پابندی بھی لازمی قرار دی گئی ہے اس کے نزدیک غور وفکر کے ذریعے اس زنجیر کو کاٹ دینا چاہئے۔ جس نے اس وجود کو باندھ رکھا ہے۔

خواہشات سے بچنے کے لیے درمیانی راستہ اختیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آٹھ باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱) صحیح علم وعقیدہ:......خیالات ہر قسم کے مغالطے سے پاک ہوں۔

(۲) صحیح ارادہ:......زندگی کا صحیح مقصد سامنے ہو۔

(۳) صحیح کلام:......گفتگو واضح اور نرم ہو۔

(۴) صحیح عمل:......امانت اور دیانت کے ساتھ ہر کام کیا جائے۔

(۵) صحیح سلوک:......کسی جاندار کو تکلیف نہ دی جائے۔

(۶) صحیح جدوجہد:......خود پر قابو پایا جائے۔

(۷) صحیح یادداشت:......تمام تجربات کو ہر وقت ذہن نشین کیا جائے۔

(۸) صحیح غور وفکر:......زندگی کی گہرائیوں کے متعلق غور وفکر۔

ان آٹھوں کو حاصل کرنے کے لیے چار مرحلے بنائے گئے ہیں۔

(۱)......داخلہ کا مرحلہ: جب انسان یہ عہد کر لیتا ہے کہ وہ اس طریقے کو اپنائے گا۔ خواہ کامیابی کے لیے اسے ایک یا زیادہ جنم حاصل کرنا پڑیں۔

(۲)......ایک بار پھر آنے کا مرحلہ: جب انسان آخری جنم سے پہلے ایک جنم لیتا ہے۔ اس وقت انسان کے فاسد خیالات دور ہو جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر انسان بہت کچھ ترقی کر لیتا ہے۔

(۳)......تیسرا مرحلہ آخری جنم کا ہے: اس میں باقی ماندہ توہمات کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی جنم نہیں۔

(۴)......چوتھا مرحلہ حقائق کی آگاہی اور موت کا درمیانی وقفہ ہے۔ موت کے ساتھ ہی انسان نروان حاصل کر لیتا ہے۔

گوتم کا کہنا ہے کہ خلوص اور محبت کی زندگی بسر کر کے ہر کس وناکس اعلیٰ ترین نجات یعنی مکتی حاصل کر لیتا ہے۔

بدھ مت بطور مذہب:

بدھ مت کا بانی گوتم بدھ تھا۔ یہ دراصل ہندوستان کے برہمنی مذہب کی ترقی یافتہ صورت ہے جو چھٹی صدی قبل مسیح میں برہمنی مذہب کے نقائص کو دور کرنے کے لیے وجود میں آیا۔ گیارہویں صدی عیسوی تک

یہ مشرق بعید میں پوری قوت سے پھیلا۔ اگرچہ بعدازاں بہت سے بدھ مسلمان ہو گئے مگر آج بھی یہ پوری دنیا کی آبادی کا گیارہ فیصد ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ بدھ برما (۹۰ فیصد) تھائی لینڈ (۹۰ فیصد) لنکا (۶۰ فیصد) اور جاپان (۶۰ فیصد) میں ہیں جبکہ چین میں ۱۷ فیصد، ہندوستان میں ۱۰ فیصد اور بنگلہ دیش میں ۱۰ فیصد ہیں۔ علاوہ بریں فلپائن، انڈونیشیا، نیپال، کمبوڈیا، لاؤس اور تبت میں بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں اور کچھ یورپ اور امریکہ میں بھی آباد ہے۔

بدھ فلسفہ:

بدھ مت بنیادی طور پر ہندومت ہی کی ایک صورت ہے۔ کثرت پرستی اور ذات پات کی تقسیم ایسی بنیادی چیزیں تھیں جو ہندو دھرم کی اشاعت پر ضرب کاری لگا رہی تھیں۔ بدھ مت نے سارا زور ان ہی نقائص کو دور کرنے پر صرف کر دیا۔

ہندومت کے مذہبی احکامات میں فلسفیانہ افکار کی آمیزش سے بدھ مت نے جنم لیا جس چیز نے اس مذہب کو مشکل بنا دیا وہ اس کا طریق عبادت وتزکیہ نفس تھا۔ تنظیم، مطالعہ، غور وفکر اور مراقبہ وغیرہ ایسے دشوار گزار راستے ہیں جن پر گامزن ہونے کے لیے راہبوں کی ایک مخصوص جماعت میں شامل ہونا پڑتا ہے۔

بدھ مت میں دیوتاؤں کی عبادت پس منظر میں چلی گئی ہے۔ نجات کے حصول کے لیے ریاضت کو بنیادی جزو قرار دیا گیا ہے۔ دنیا کو سراسر فریب اور دھوکا بتلایا گیا ہے۔ ترک دنیا کے بغیر نجات کا حصول ناممکن ہے۔ یہ مذہب دراصل ماورائے طبیعیات اور اخلاقی رجحانات کا مجموعہ ہے۔ ایک طرف تو اس میں اپنشد کے بتلائے ہوئے اصولوں کو منطقی طور پر بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی ہے تو دوسری طرف ہندو دھرم کی کثرت پرستی کے باعث پیدا ہونے والی اخلاقی الجھنوں کے خلاف ایک ردعمل ہے۔ چنانچہ بدھ مت میں خدا کی ہستی کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک دنیا کا کاروبار بندھے ٹکے قوانین کے تحت چل رہا ہے۔ اس لیے دیوتاؤں کی عبادت کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ عبادت، قربانی، توبہ، کفارہ وغیرہ کا سرے سے کوئی تصور موجود نہیں۔

گوتم نے اپنی تعلیمات میں آٹھ باتوں کے صحیح ہونے کی تاکید کی تھی۔ وہ یہ ہیں علم، ارادہ، کلام، عمل، سلوک جدوجہد، یادداشت، غور وفکر۔ اس راستے پر گامزن ہونے والوں سے بدھ مت چند چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے۔

ان سے کہا گیا ہے کہ وہ شہری زندگی کو خیر باد کہہ دیں۔ گھر، خاندان، پیشہ، سماج وغیرہ سب کو چھوڑ کر یا تو تنہائی کی زندگی بسر کی جائے یا تارک الدنیا لوگوں کی مصاحبت اختیار کی جائے۔ جائے رہائش کا آبادی سے دور ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے لباس بھی متعین کر دیا گیا ہے جو تین کپڑوں پر مشتمل ہے۔ ان میں ایک تہ بند، ایک کوٹ کی قسم کا کپڑا اور ایک چادر شامل ہے۔ سر اور داڑھی کے بال بالکل مونڈ دیے جاتے ہیں۔ خوراک بھیک مانگ کر حاصل کی جاتی ہے۔ محنت اور مزدوری ممنوع قرار دی گئی ہے۔ بھیک مانگنے کے آداب مقرر ہیں۔ ابتداء میں گوشت خوری کی اجازت تھی۔ بعدازاں یہ ممنوع قرار دے دی گئی۔

اس راہبانہ زندگی میں ہر شخص داخل ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے رنگ و نسل ذات پات وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ البتہ چند لوگوں پر اس کے دروازے ضرور بند ہیں مثلاً غلام اور مخصوص بیماریوں میں مبتلا۔

ان راہبوں کو بھکشو کہا جاتا ہے۔ ان کے لیے دس اصول مقرر ہیں جن پر انہیں سختی سے عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ یعنی قتل، سرقہ، زنا، جھوٹ، منشیات، شام کا کھانا، رقص و سرور، آرائش و زیبائش بلند مسند اور سونا چاندی وغیرہ سے اجتناب۔ ان کے علاوہ بھی چھوٹی موٹی کئی چیزیں ہیں۔ جن سے اجتناب ضروری ہے۔ بھکشو کے لیے حکم ہے کہ وہ ہر مہینے میں دوبارا احتساب نفس کرے اور دیکھے کہ کہیں ان احکامات کی خلاف ورزی تو نہیں ہوئی۔ احتساب نفس کے دن کو ''اوپاستھ'' یعنی روزے کا دن کہا جاتا ہے۔ ان تمام عبادتوں کا صلہ صرف داخلی سکون اور اطمینان ''نروان'' ہے چونکہ ایسی سخت ریاضت ہر کوئی نہیں کرسکتا۔ اس لیے عام لوگوں کے لیے پہلی پانچ چیزوں سے اجتناب اور نیک چلنی کی زندگی بسر کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ اگرچہ وہ نروان تو حاصل نہیں کرسکیں گے مگر اگلی زندگی میں بھکشو کا مرتبہ حاصل کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔

ہندوستان میں بدھ مت ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے عورت کو مذہبی امور کی ادائیگی میں شریک کیا۔ ورنہ برہمنوں (ہندوؤں) نے تو اسے مذہبی معاملات سے بہت دور رکھا تھا۔

کتب:

ابتداء میں گوتم بدھ کی تعلیمات سینہ در سینہ چلتی رہیں۔ گوتم کی وفات کے بعد انہیں کتابوں کی صورت میں مدون کیا گیا۔ بدھ مت کے پیروؤں کے مابین مذہبی اختلافات ختم کرنے کے لیے مگدھ کے قریب

ایک مقام راجا گاہ میں اجتماع ہوا اور گوتم کے چیلوں نے اس موقع پر گرو کے احکامات سنائے۔ایک شاگرد کسیاپ نے گوتم کے فلسفیانہ اقوال لوگوں کے سامنے دہرائے۔ایک اور شاگرد او پالی نے ضبط ونظم کے اصول وقوانین لوگوں کے سامنے پیش کیے۔ نیز ان حالات کی نشاندہی بھی کی جن کے تحت قوانین واضح کیے گئے تھے اور سب سے مشہور شاگرد انند نے گوتم کی مختلف تقاریر کو دہرایا جو بعد میں ست کہلائیں۔ یہ تمام امور طے کیے گئے لیکن انہیں لکھا نہ گیا۔۲۴۲ ق۔م میں اشوک نے انہیں ضبط تحریر میں لانے کا حکم دیا۔ابتداء میں دو حصے ''ویان پٹاک'' اور ''ست پٹاک'' لکھے گئے۔اول الذکر میں راہبانہ زندگی کے اصول بیان ہوئے اور موخرالذکر میں گوتم کی تقاریر اور تعلیمات درج کی گئیں۔بعدازاں تیسرا حصہ ''ابی دھرم پٹاک'' بھی شامل کیا گیا اور اس کتاب کا نام ''تری پٹاک'' رکھا گیا۔ابتداء میں اسے پالی زبان میں لکھا گیا جو اس دور کی عوامی زبان تھی۔بعدازاں گوتم کی تعلیمات کے خلاصے کے طور پر دھم پد اس کے نام سے ایک اور کتاب لکھی گئی جو دراصل ''ست پٹاک'' کی تلخیص تھی۔

تاریخ:

ہندوستان میں برہمنوں کے مذہب نے ایک اودھم مچا رکھا تھا۔مذہب پر برہمنوں کی اجارہ داری اور ذات پات کی تفریق کی وجہ سے عوام نالاں تھے۔اس نئے مذہب کی غیر معمولی خصوصیات نے عوام کو بہت جلد اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر یہ حیرت انگیز رفتار کے ساتھ مشرق بعید میں پھیلتا چلا گیا۔تین سو سال قبل مسیح میں یہ مذہب شمالی ہندوستان پر چھا چکا تھا۔ ہندو بادشاہ اشوک (۲۷۳ق۔م تا ۲۳۳ ق۔م) نے بدھ مت قبول کرلیا تو اس کی سرکاری اشاعت کا آغاز ہوگیا۔اشوک نے پتھروں اور ستونوں پر کتبے لکھوائے۔اس وقت بہت سے راہب اور برہمن بھی شاید سرکاری اثر یا خوف کے باعث اس میں داخل ہوگئے۔جس کی بنا پر بداعتقادیوں نے جنم لیا۔ان کے ازالے کے لیے اشوک نے ایک کونسل طلب کی جس میں مذہب کی تطہیر عمل میں آئی۔اشوک نے مبلغین کی ایک جماعت بھی بھیجی جو جنوبی ہند اور لنکا کے علاوہ جنوبی اور مشرقی ایشیا میں بدھ مت پھیلانے کا سبب بنی۔اشوک کے بعد کنشک نے بھی اس مذہب کی اشاعت کی۔اس نے بدھوں کی چوتھی کانفرنس منعقد کرائی۔جس میں بدھ مت پر تشریحی اور تفسیری قسم کی کتابیں لکھی گئیں۔

بدھ مت کے عروج کا زمانہ چھٹی سے آٹھویں صدی عیسوی تک ہے۔ اس دور میں ہندومت کی امتیازی حیثیت ختم ہو چکی تھی اور ہندوستان میں ہر طرف بدھ مت ہی چھایا ہوا نظر آتا تھا۔ رفتہ رفتہ برہمنوں نے اسے بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ۷۸۸ء سے ۸۲۰ء تک ایک برہمن کماریل بھٹ نے ایک زبردست تحریک کا آغاز کیا۔ بدھوں پر زبردست مظالم روا رکھے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گیارہویں صدی عیسوی تک ہندوستان سے بدھ مت سرے ہی سے غائب ہو گیا۔ صرف اڑیسہ، بہار اور کشمیر کے علاقوں میں کہیں کہیں اس کے پیروکار موجود تھے۔ بارہویں صدی عیسوی میں اسلام کے آنے کے بعد یہ مذہب سرزمین ہندوستان سے عنقا ہو گیا۔ تاہم دیگر ممالک مثلاً تبت، چین، جاپان اور مشرق بعید کے اکثر ممالک میں اس مذہب کو اپنا لیا گیا۔ تبت میں اس مذہب کی اشاعت بڑی سست رفتاری سے ہوئی۔ اس کی وجہ یہاں تاؤ مت اور کنفیوشس مت کا اثر تھا۔ ایک وقت آیا کہ عوام نے تینوں مذاہب کو بیک وقت قبول کر لیا۔

چینی بدھ مت کثرت پرستی اور آبا پرستی کا شکار رہے۔ گوتم ان کا سب سے بڑا دیوتا ہے۔ دیگر دیوتا ان کے آباؤ اجداد ہیں۔ اگرچہ یہاں قدیم بدھ مت کے احیاء کے لیے بڑی کوششیں کی گئیں مگر اس تحریک سے سوائے ایک نئے فرقہ ودی کیاں کے جنم لینے کے اور کچھ بھی وجود میں نہ آیا۔ یہ فرقہ سولہویں صدی میں بہت طاقتور بن گیا یہ لوگ گوتم پر عقیدہ رکھتے ہیں مگر اس کی پرستش نہیں کرتے۔ گوتم کی مورتی رکھنے کے شدید مخالف ہیں۔ پاکیزگی کے حصول کا ذریعہ ان کے نزدیک صرف دھیان یا مراقبہ ہے۔ ان کے یہاں پجاری کا وجود نہیں۔ اس میں کسی حد تک تاؤ مت کے اثرات موجود ہیں۔

چین سے بدھ مت کوریا پہنچا اور ساتویں صدی کے اوائل میں یہ جاپان میں پروان چڑھا، شنٹو مذہب والوں کے دیوتاؤں کو انہوں نے بدھ ستوا کا درجہ دیا۔

مذہبی معاملات میں جاپان عرصہ تک چین کا دست نگر رہا لیکن بعد ازاں خود کفیل ہو گیا۔ ۱۸۶۸ء تک بدھ مت سرکاری مذہب کی حیثیت رکھتا تھا لیکن بعد ازاں شنٹو مذہب نے یہ خصوصیت اس سے چھین لی۔

ہندوستان میں بدھ مت اب صرف بنگال کے علاقے یا نیپال وغیرہ میں موجود ہے۔ البتہ لنکا میں اس

مذہب کی جڑیں بے حد مضبوط ہیں۔ وہاں نفیس خانقاہیں تعمیر ہیں۔ بے شمار رسومات نے بھی راہ پائی ہے۔ مورت کی پرستش کا آغاز ہو گیا ہے۔ گوتم کی مورت خانقاہوں کا اہم جزو ہے۔ ان خانقاہوں کو دیرا کہتے ہیں۔ ہر دیرا میں پیپل کا ایک درخت ضرورت ہوتا ہے۔ یہاں عبادت کا طریقہ یہودیوں کی طرح کا ہے۔ لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور راہب مقدس کتابیں پڑھ کر حاضرین کو سناتے ہیں۔ [1]

فرقے:

بدھ مت میں دو بڑے فرقے مہایان اور ھنایان ہیں۔ کنشک کے دور میں بلائی گئی کونسل سے جو مذہب وجود میں آیا اسے مہایان یعنی ''بڑی گاڑی'' کا نام ملا جبکہ اس کے مخالفوں یعنی قدیم بدھ مت والوں کو ھنایان یعنی ''چھوٹی گاڑی'' کا نام دیا جاتا ہے۔

مہایان ایک ایسا مذہب ہے جس میں عوام کی تکالیف کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس امر کی شدت سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ بدھ مت میں انسانی جذبات کو متاثر کرنے والے امور شامل کیے جائیں۔ کیونکہ بدھ مت کے بنیادی اصول ایک فلسفی کو تو مطمئن کر سکتے ہیں مگر اس کے دل دادہ لوگوں کی تعداد ہر زمانے میں کم رہی ہے۔ بدھ مت میں اس تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ ہندوستان کے دور دراز کے باشندے بھی اس اصلاح یافتہ مذہب میں شامل ہو گئے۔ مہایان نے بدھ مت میں خدا کے تصور کو داخل کیا۔ جس کے بارے میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ بدھ کی صورت میں نمودار ہوا تھا۔ اس کی غیر مرئی صورت علم کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ علم یا بدھی بھی تین صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ پہلی دھرم کایا کہلاتی ہے، یعنی دنیا کی عارضی نمو کے پیچھے کوئی دائمی اور غیر فانی شے موجود ہے لیکن دھرم کایا جب خود کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو کوئی روپ دھار لیتا ہے جو زمان کایا کہلاتا ہے۔ تیسری صورت سمبھوک کایا کی ہے، یعنی یہ رحمت کی قوت ہے جو گوتم کے پیروؤں میں کام کرتی رہتی ہے۔ ان تینوں کو استری کایا کہا جاتا ہے۔ خدا کو انہوں نے بدھ ستوا کا نام دیا ہے ان کے عقیدے کی رو سے بدھ ستو گوتم کے علاوہ اور بھی صورتوں میں آتا رہا ہے۔ چنانچہ جاپان کے مہایان فرقے میں اس وجہ سے کثرت پرستی نے راہ پالی ہے۔ تاہم اس کا ازالہ اخلاقی اصولوں کی

---

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا/200-202، مذاہب عالم/75-95، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/54-60۔

صورت میں کر دیا گیا ہے۔مہایان نے نروان کے حصول کے بعد کی زندگی کا واضح تصور پیش کیا ہے۔گوتم نے نروان ہی کو اصل مقصد قرار دیا تھا جبکہ مہایان نے آخرت اور جزا کا تصور بھی پیش کیا ہے۔

مہایان نے صرف اخلاقی اور سماجی اصولوں ہی کو پیش نظر نہیں رکھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اعلیٰ دماغ اور تعلیم یافتہ طبقے کے لیے بھی تسکین کا سامان ہے۔گوتم نے فلسفیانہ خیالات کی توضیح وتشریح کے لیے بے شمار موضوعات پر بحث کے دروازے کھول دیئے جس کی وجہ سے مہایانی فلسفہ نہایت دقیق ہو گیا ہے۔چنانچہ کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہوگا کہ دنیا ویسی نہیں جیسی ہمیں نظر آتی ہے۔ایک طبقے کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ دنیا کا وجود صرف ہمارے ذہن میں ہے۔خارج میں نہیں۔چنانچہ گوتم نے وجود کی جو تین بنیادی صفات بیان کی تھیں۔ (ا) مصیبت زدگی۔(۲) عارضی پن۔(۳) غیر حقیقی پن۔ان کی جگہ پر تین نئی صفات (ا) خالی پن۔ (۲) بے صفتی۔(۳) بلا خواہش وجود۔

یہ مذہب شمالی علاقوں نیپال، تبت، چین، منچوریا، کوریا، منگولیا اور جاپان میں بے حد مقبول رہا۔تبتی مہایان زندہ بدھوں پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ان کے سب سے بڑے پروہت کو''لاما'' کہا جاتا ہے۔اس کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ گوتم کی روح لاما میں حلول کر گئی ہے یا گوتم بدھ ان لاماؤں کے بھیس میں بار بار جنم لیتے ہیں۔تبتی مذہب میں ہندو دیوتاؤں کی پرستش بھی شامل ہو گئی ہے چین میں مہایان نے تاؤ مت اور کنفیوشس کے ساتھ اشتراک کر لیا۔یہاں کثرت پرستی کا آغاز ہوا۔چینی راہب عام طور پر نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔انہیں بالعموم بچپن ہی میں خانقاہوں میں داخل کر دیا جاتا ہے۔جہاں انہیں بدھ مت کی تعلیم دی جاتی ہے۔یہ لوگ جلوس کی صورت میں خیرات مانگنے نکلتے ہیں۔ان کا لباس پیلے رنگ کا ہوتا ہے اور سر ہفتے میں کئی بار مونڈا جاتا ہے۔جاپان میں مہایان سے ایک اور فرقے زین بدھی نے جنم لیا۔اس کا دعویٰ ہے کہ مقدس کتابوں کے ذریعے حق تک رسائی ممکن نہیں البتہ حق وصداقت ہر شخص کے اندر موجود ہے۔اس کے جاننے کے لیے لوگ اور سادہ زندگی کی ضرورت ہے۔وہ ہدایت کا ذریعہ وجدان کو قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک خوشی اور رنج دونوں صورتوں میں عزت اور وقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

ہنایان اس کے برعکس قدامت پسند فرقہ ہے۔یہ جنوبی علاقوں لنکا، برما، سیام (تھائی لینڈ) وغیرہ

میں پھیلا۔اس نے کسی حد تک گوتم کی تعلیمات کو برقرار رکھا۔ یہاں راہب وہی تین کپڑے استعمال کرتے ہیں جن کی تعلیم گوتم نے دی تھی۔ کسی حد تک مقامی عقائد مثلاً بت پرستی وغیرہ بھی اس میں شامل کر دیے گئے ہیں۔نروان کے متعلق ہنایان فرقے والوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد روح کو مکمل سکون حاصل ہو جاتا ہے۔اس مذہب کی نمایاں خصوصیات سادگی ہے۔سوائے چند بڑے بڑے شہروں مثلاً کولمبو، کینڈی، رنگون اور بنکاک کے، ان کی خانقاہیں سادہ طرز تعمیر کی حامل ہیں۔البتہ لنکا کے ہنایان کے ہاں نفاست اور آرائش نے جگہ پالی ہے۔ان کی مذہبی کتابیں پالی زبان میں ہیں۔

نروان:

بدھ مت کی اصطلاح میں نجات حاصل کرنا۔لغوی معنی بجھا دینا یعنی مکتی حاصل کرنے والے کا اپنے جذبات اور خواہشات کو ختم کر دینا۔گو یہ بدھوں کی ٹھیٹھ اصطلاح ہے لیکن ویدانت میں بھی برہما کے وصال کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔

یُوآن چوانگ:

یہ ایک چینی بدھ بھکشو جو ٦٦٤ء کے لگ بھگ مہاتما بدھ کے باقیات اور تبرکات کی تلاش میں ہندوستان آیا۔اس نے اپنے اس سفر کے حالات ''مغربی دنیا کے آثار'' کے عنوان سے قلم بند کیے۔ان میں مہاراجا ہرش کے زمانے کی ہندی تہذیب وثقافت کی عکاسی کی گئی ہے۔

ہیون سانگ:

چینی سیاح۔ہرش وردھن کے زمانے میں خشکی کے راستے ہندوستان آیا اور خشکی ہی کی راہ واپس گیا۔ بدھ مت کا زبردست عالم اور محقق تھا۔ [1]

---

[1] تفصیل کے لیے: الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/ 54-60،اردو انسائیکلوپیڈیا/ 200-202،مذاہب عالم/ 75-96،

The 2500 year of buddhism،

The great religion of modren world.

جین مت

ایک قدیم مذہب جو''اپنشد'' کے نظریات کے ردِ عمل کی بنا پر وجود میں آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ''اپنشد'' کی تعلیمات اس قدر فلسفیانہ تھیں کہ عوام ان کے سمجھنے سے قاصر تھے۔ دوسرے''آغا'' اور''برہمن'' کا اتحاد جس کی بنیاد اپنشد نے رکھی تھی اس کو لوگوں نے کچھ اچھی نظر سے نہ دیکھا، اس نظریہ کی بڑی مخالفت کی گئی، اسی لیے ایک نیا مذہب وجود میں آیا۔

اس مذہب کا نام ان صوفیوں (جینا) پر رکھا گیا جنہوں نے اپنی تمام تر خواہشات پر قابو پالیا تھا۔ جین کے لفظی معنی فاتح کے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ''جین مت'' کروڑہا برس سے موجود ہے، ان کے نزدیک چوبیس (پیغمبر) گذرے ہیں، ان کے نزدیک سب سے پہلا انسان''ناتھ'' تھا اور سب سے آخری''مہابیر'' ہے۔

بانیٔ مذہب:

''جین مت'' کا بانی مہابیر (مہاویر) ہے جو گوتم بدھ کا ہمعصر تھا۔ مہاویر مگدھ کے راجہ کا دوسرا بیٹا تھا، اس کا اصل نام''وردھمان'' تھا، وہ بچپن ہی میں اپنی شجاعت اور غیر معمولی بہادری کی وجہ سے بہت مشہور ہوگیا تھا، انیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہوگئی اور دس سال تک نہایت خوشگوار زندگی بسر کرتا رہا، اس زمانے میں لوگ روحانی زندگی کے حصول کے لیے فقر وفاقہ کرتے حتی کہ اس میں مرجاتے تھے، مہابیر کے والدین نے بھی اسی طریقے سے وفات پائی، ان کی موت نے مہابیر پر بہت زیادہ اثر کیا اور اس نے تارک الدنیا ہوجانے کا تہیہ کیا، وہ فقیروں کا لباس پہن کر محل سے نکل کھڑا ہوا اور بارہ سال تک خاموش رہنے کا عہد کیا، وہ اس عرصے میں جنگلوں میں گھومتا پھرا، اس مدت کے گذر جانے کے بعد وہ اپنے خیالات کی

اشاعت کے لیے دور دراز ملکوں میں گیا، مہابیر نے ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔

تعلیمات:

جینیوں کے نزدیک تمام مصائب کا سرچشمہ انسانی خواہشات کو قرار دیا گیا ہے جو لامتناہی اور غیر محدود ہیں۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ان خواہشات سے دور رکھے اپنے دل سے ہر قسم کی تمنا اور خواہش کو نکال کر پھینکے اور جب خواہشات نکل جائیں تو روح مسرّت اور شادمانی سے ہم آغوش ہو جائے گی، یہی مسرّت ''نروان'' کہلاتا ہے۔ یہ نروان حاصل کرنے کا سلبی ذریعہ تھا۔ مہابیر نے نروان حاصل کرنے کے ایجابی ذرائع کی بھی نشان دہی کی ہے۔ پانچ ورت (عہد) پر عمل پیرا ہونے سے نروان حاصل ہو جاتا ہے:

۱...... کسی ذی روح کو قتل نہ کیا جائے اور کسی کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

۲...... چوری سے پرہیز کیا جائے۔

۳...... جھوٹ بولنے سے باز رہا جائے۔

۴...... پاک دامنی کی زندگی بسر کی جائے اور نشہ آور اشیاء کے استعمال سے باز رہا جائے۔

۵...... کسی چیز کا لالچ یا تمنا نہ کی جائے۔

جینی خدا کے قائل نہیں، ذات پات کی تفریق اور ویدوں کو مانتے ہیں، نروان حاصل کرنا ان کا اورش ہے۔

جین مت میں عبادت میں صرف ''تپسیا'' پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس ''تپسیا'' میں فقر و فاقہ کو بہت اہمیت دی گئی۔ تعذیبِ نفس، ترکِ خواہشات اور ترکِ دنیا ہی ان کے نزدیک بہتر عبادت ہے اور اس کے لیے کسی مندر کی ضرورت نہیں، یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں جین مت میں معابد کے نشانات نہیں ملتے، بعد میں عبادت خانے تعمیر ہوئے۔

آہنسا:

اس مذہب میں ''آہنسا'' پر بھی بہت زور دیا گیا ہے اور قربانی کی مخالفت کی گئی ہے، جینیوں نے ''آہنسا'' کے معاملے میں اس قدر مبالغے سے کام لیا ہے کہ وہ اپنے منہ اور ناک کے نتھنوں پر کپڑا باندھ

رکھتے ہیں تاکہ کوئی جاندار چیز اندر نہ جا کر مر جائے، نہ گوشت کھاتے ہیں، پانی چھان کر پیتے ہیں۔ نیز چلتے وقت کپڑے کی دھجیوں کی ایک چنور سے راستہ صاف کرتے جاتے ہیں کہ کہیں جیو ہتھیا نہ ہو جائے۔

جین مت میں واضح طور پر جنت اور دوزخ کا تصور پایا جاتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ دوزخ زیرِ زمین ہے اور اس کی تعداد ۷ ہے، جنت کو ۲۶ بتاتے ہیں جو اوپر تلے ہیں، ان کے خیال میں روح میں وزن ہوتا ہے، جب انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو روح بھاری ہو جاتی ہے اور جہنم میں جا گرتی ہے۔

آج کل جینیوں کی تعداد بارہ لاکھ کے قریب ہے ان کے بعض مندر ہندوستان کے فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہیں، ہندوستان کے صوبہ گجرات میں ''کوہ ابو'' میں ان کا ایک عظیم الشان مندر ہے جس کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے، ہندوستان میں ان مندروں کی تعداد چالیس ہزار کے قریب ہے۔

آج بھی جینی خدمتِ خلق کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، ایسے اداروں کا قیام جن کے ذریعے انسان وحیوان کی خدمت ہو سکے ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

اس مذہب کے حقیقی عروج کا زمانہ موریا خاندان کا عہد ہے، چندر گپت موریا نے جین مت قبول کر لیا تھا، اس کے عہد ہی میں جین مت کے پیروکاروں کے دو فرقے ہو گئے تھے۔ ایک فرقہ ''سوتیامبر'' کے نام سے موسوم ہوا جو سفید کپڑے پہنتا تھا۔ دوسرا فرقہ ''گمبر'' یعنی آسمانی لباس والا مشہور ہوا جو بالکل برہنہ رہتے تھے۔ جینیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ مذہب دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے اور یہ صرف انسانوں کے لیے نہیں بلکہ کائنات کی تمام چیزوں کا مذہب ہے، لیکن اس کے باوجود یہ مذہب عالمگیر نہ بن سکا، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اصول بہت سخت تھے اس کے پانچ اصولوں میں سے پہلے اصول پر بہت زور دیا گیا تھا یعنی کسی جاندار کا قتل نہ کیا جائے، اس کے باعث اس کے پیروکار دنیا کا کوئی پیشہ اختیار کرنے کے قابل نہیں رہے وہ زراعت سے اس لیے پرہیز کرتے تھے کہ زمین پر ہل چلانے سے حشرات الارض کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے، بھٹی کے کام سے اس لیے دور رہتے تھے کہ اس سے بھی غیر مرئی حشرات ہلاک ہو جاتے تھے، وہ اسی خیال سے پانی تک نہیں ابالتے تھے، شکار کے قریب نہیں بھٹکتے تھے۔ چنانچہ اگر ان تعلیمات پر عمل کیا جائے تو تمام کاروبارِ حیات معطل ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ اسی خامی کی وجہ سے یہ

مذہب دوسرے ملکوں میں مقبول نہیں ہوا، البتہ اس کے ماننے والے ہندوستان میں خاصی تعداد میں موجود ہیں، لیکن ان میں ''آہنسا'' پر اتنی سختی سے عمل نہیں کیا جاتا۔

اُپنشد:

قدیم آریائی رسائل جن میں ویدوں کے اشعار کی شرح نثر میں کی گئی ہے، ان کی تعداد ۲۰۰ کے قریب ہے، زمانہ تالیف نامعلوم ہے، داراشکوہ نے دس اُپنشد کا سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کردیا تھا، اس مجموعے کا نام ''سرّ اکبر'' ہے اور اس کے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں ترجمے ہوئے ہیں۔ [1]

☆☆☆

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا/398، مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/166-175، مسلم ثقافت ہندوستان میں/عبدالمجید سالک/39، حقائق عن الهند، أديان الهند الكبرى/ احمد شبلی، حضارة الهند/ كستاف لوبون، مهاوير، جينت كامانی/ محی الدين الوانی۔ فلسفة الهند القديمة/ محمد عبدالسلام۔

ہندومت

تعریف:

بقول احمد عبداللہ اصطلاحی اور علمی زبان میں مذہب کی جو تعریف ہے، اس کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ہندو مذہب کیا ہے اور کن بنیادی عقائد پر یقین رکھنا اس مذہب کے ماننے والے کے لیے لازمی ہے، کیونکہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام کی طرح نہ تو اس کے کسی پیغمبر کا وجود ہے، نہ کسی الہامی کتاب کا اور نہ کسی معین عقیدہ کا، اگرچہ اس مذہب کی تاریخ میں کچھ لوگ بہت ہوائی اور بے پر کی کہانیاں وداستانیں پیش کرتے ہیں۔

کتب:

البتہ ان کی کتابیں یہ ہیں: (۱) مہابھارت (۲) رامائیل (۳) تلسی داس (۴) وید۔ وید کی چار قسمیں ہیں: (۱) رگ وید (۲) اتھروید (۳) سام وید (۴) یجر وید۔ یہ تمام کتابیں سنسکرت زبان میں ہیں، ہر وید کے ساتھ نوٹ اور حواشی ہیں، وید کے حافظ کو تر ویدی کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں بعض نجومیوں یا اہل رمل وجفر کو بھی لوگ تر ویتی کہتے ہیں، جو کہ تر ویدی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ مسلمانوں کی مسجد کی طرح ان کے مندر ہوتے ہیں، گائے کو مقدس جانور مانتے ہیں، اس کی عبادت بھی کرتے ہیں، بعض مندروں میں گائے کی خوبصورت مورتی رکھی رہتی ہے، افسوس کہ اہل تشیع نے بھی گائے کی بجائے گھوڑے کی عبادت اور تقدیس شروع کردی ہے۔

ان کے عید کو ''ہولی'' کہا جاتا ہے، ایک اور عید بھی ہے جس کو ''دیوالی'' کہا جاتا ہے۔ ان کے دو فرقے

ہیں: (۱) سناتن دھرمی (یہ بت پرست فرقہ ہے) (۲) آریہ سماجی (یہ بُت پرست نہیں ہیں)۔

برہمن:

یہ ہندوؤں کی اونچی ذات ہے جو "برہما" کے منہ سے پیدا ہوئی۔ اس کے فرائض میں دھرم رکھشا ہے، برہمن کی عمر کے چار حصے ہوتے ہیں:

۱...... برہمچاری (تحصیل علم کا زمانہ)۔

۲...... گرہست (ازدواجی زندگی کا زمانہ)۔

۳...... وانپرستھ (جنگل میں جاکر تپسیا کرنا)۔

۴...... سنیاس (دنیا کا تیاگ)۔

اگر کوئی برہمن اپنے تفویض کردہ فرائض کو چھوڑ کر کوئی اور دوسرا کام شروع کردے تو اس کی ذات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

برہمو سماج:

یہ مذہبی اور معاشرتی اصلاح سے متعلق ایک تحریک ہے جس کا ظہور انیسویں صدی [1] کے شروع میں احیائے مذہب کے عمومی تصورات اور مغربی اثرات سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش میں ہوا۔ اس کے

---

1. انیسویں صدی کے ہندو زعماء میں سب سے مشہور نام گاندھی جی کا ہے مختصر سوانح حیات ملاحظہ ہو:
یہ ہندوستان کے سیاسی اور روحانی رہنما ہیں۔ موہن داس کرم چند گاندھی کاٹھیاواڑ میں پوربندر کے قریب ایک ممتاز تاجر کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم راجکوٹ میں حاصل کر کے بیرسٹری پاس کرنے کے لیے ولایت (برطانیہ) گئے۔ واپسی پر کچھ عرصہ بمبئی میں وکالت کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر آپ ایک مسلمان تاجر کے وکیل بن کر جنوبی افریقہ گئے، جہاں آپ کو پہلی بار معلوم ہوا کہ ہندوستان سے باہر ہندوستانیوں کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا جاتا ہے ایک دفعہ آپ سڑک پر جارہے تھے کہ ایک سپاہی نے ٹھوکر مار کر سڑک کے نیچے پھینک دیا۔ ہندوستانیوں کی یہ حالت دیکھ کر آپ کو دلی صدمہ ہوا اور کچھ مدت کے بعد آپ نے ستیہ گرہ تحریک کا آغاز کیا۔ یعنی پرامن رہتے ہوئے قوت و ظلم کا مقابلہ کیا۔
۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑنے پر گاندھی جی نے ہندوستان آکر انگریزوں کی مدد کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کا خیال تھا کہ حسن سلوک سے انگریزوں کو متاثر کیا جائے اور ان سے درجہ نوآبادیات حاصل کرلیا جائے مگر جنگ کے خاتمے پر رولٹ ایکٹ اور حادثہ جلیانوالہ نے آپ کو بالکل مایوس کردیا۔ تاہم یہ امر قابل ذکر ہے کہ کانگرس میں پورن سواراج یا مکمل آزادی کے حامی نہرو اور بوس رہے۔ مہاتما گاندھی عملاً ہمیشہ نوآبادی درجہ کے طلب گار تھے۔ ۱۹۲۲ء سے آپ نے ستیہ گرہ کی تحریک کا آغاز کیا ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۹ء تک آپ گوشہ نشینی اختیار کیے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں نمک کے اجارہ کے خلاف ستیہ گرہ کی۔ ۱۹۳۱ء میں آپ ہی کی کوششوں کے بدولت پہلی گول میز کانفرنس ہوئی جس کے فوراً بعد ہندو مسلم راہنماؤں میں پھوٹ پڑگئی۔ ۱۹۳۲ء میں آپ پھر گرفتار ہوگئے۔ ۱۹۳۴ء میں آپ سیاسیات سے دست بردار ہوگئے اور وسطی ہند میں واردھا کے مقام پر سکونت اختیار کر کے مذہبی اور سماجی اصلاح پر کمر بستہ ہوگئے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ پھر عملی سیاست کے میدان میں آگئے اور اپنی زندگی کی آخری عوامی ستیہ گرہ تحریک میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں خرابی صحت کی بناء پر آپ کو جیل سے رہا کردیا گیا۔
۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء کو مسلمانانِ دہلی کے قتل عام کے خلاف آواز اٹھانے اور بھوک ہڑتال کرنے کی پاداش میں آپ کو ملک کی رجعت پسند، ہندو جماعت کے ایک شوریدہ سر رکن گاڈسے نے دہلی کی ایک پرارتھنا سبھا (محفل مناجات) میں گولی مار کر ہلاک کردیا۔

بانی ''راجا موہن رائے'' تھے۔ان کا خیال تھا کہ ہندومت کو عہدِ حاضر کی ضرورتوں کے مطابق بنانے کے لیے مروّجہ مذہبی عقائد اور معاشرتی اصولوں میں اصلاح کی ضرورت ہے۔لہٰذا ۱۸۳۰ء میں ''برہمو سماج'' نامی انجمن قائم ہوئی اور ایک پندرہ روزہ رسالے کا اجرا ہوا۔

برہموسماج کی ابتدائی تحریک پر عیسائیت اور اسلام کا اثر تھا،لیکن اس کی بنیاد ہندومت کے اصولوں پر قائم تھی،اس کی وہ شاخ جو ۱۸۶۶ء میں کیشب چندرسین کی قیادت میں قائم ہوئی اور ''برہموسماج آف انڈیا'' کہلائی،عیسائیت سے بہت متاثر ہوئی اور اس نے ایک جداگانہ مذہب بنانے اور معاشرتی اصلاح کا کام مجاہدانہ جوش اور انقلابی رفتار سے کرنے کی کوشش کی۔بعد میں یہ دوشاخوں میں بٹ کر ختم ہوگئی،لیکن اس کے بطن سے'' پُرتھنا سماج '' نے بمبئی میں جنم لیا جسے مہادیو گروندراناڈے کی حمایت حاصل تھی،انہوں نے اسے برہموسماج کی طرح ایک علیحدہ فرقہ نہیں بننے دیا،بلکہ عام ہندوؤں کی طرح معاشرتی اصلاح کی ایک زبردست قوت بنا دیا۔''برہموسماج''عقیدتاً توحید کا قائل اور بھگتی کے مسلک کا پیرو تھا۔ 1

بالمیکی:

یہ ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے جس کے بانی مہارشی سوامی گرو بالمیک تھے۔گرو بالمیک جی مورتی پوجا کے خلاف تھے۔چنانچہ بالمیکی مندروں میں دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں نہیں ہوتیں۔یہ لوگ وید پڑھتے اور رامائن کا پاٹھ کرتے ہیں اور اپنے مردوں کو عام ہندوؤں کے برعکس جلانے کی بجائے دفن کرتے ہیں۔ 2

کیلاش:

کوہِ ہمالیہ کی ایک اونچی چوٹی۔اس پر دھکن دیوتا کویر اور شو جی آتے رہتے ہیں۔راجا اندر کا اکھاڑہ یہیں جمتا ہے۔گندھریوں کا نغمہ اور اپسراؤں کے رقص کے لیے مشہور ہے۔ہندو دیومالا میں یہ چوٹی کوہِ قاف کی قائم مقام ہے۔ 3

1 مذاہب عالم،احمد عبداللہ باب ہندومت/235-277،الأديان والفرق المذاهب المعاصرة/45-48۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/190۔

3 اردو انسائیکلوپیڈیا/152۔

اوشا:

یہ ہندوؤں کی ایک دیوی ہے۔لغوی معنی نور کا تڑکا،سورگ کی بیٹی اور رات کی بہن،سورج کی بیوی اور اگنی کی محبوبہ ہے۔اوشا دیوی،روشن دیان (رتھ) پر سفر کرتی ہے۔ جسے گائے یا سرخ رنگ کے گھوڑے کھینچتے ہیں۔قدیم شعراء نے اسے حسین دوشیزہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ایسی عورت کے روپ میں جو شوہر کی منتظر ہے۔اوشا ہر چیز کو حیات بخشتی ہے اور بیدار کرتی ہے۔ پھولوں کو کھلنا،پرندوں کو چہچہانا،شبنم کو چمکنا،بادِ صبا کو چلنا سکھاتی ہے۔وہ خود غیر فانی اور ہر روز درشن دینے والی ہے۔

ستی:

یہ ہندوؤں کی ایک قدیم رسم ہے۔ جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو وہ عورت بھی چتا میں اُس کے ساتھ زندہ جل کر مر جاتی۔ بیوہ عورت چونکہ ہندو سوسائٹی میں بڑی حقارت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی، اس لیے کئی عورتیں کس مپرسی کی زندگی بسر کرنے کی بجائے رضا کارانہ طور پر خاوند کے ساتھ چتا میں جل مرتی تھیں۔رفتہ رفتہ ستی کی رسم بڑی بھیانک شکل اختیار کر گئی اور زبردستی بیوہ عورتوں کو اپنے خاوند کی چتا میں جلنے پر مجبور کیا جانے لگا۔مسلمان سلاطین دہلی خصوصاً خلجی اور مغل بادشاہ اکبر نے ستی کی رسم ختم کرنے کی بہت کوشش کی اور بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے لیکن مکمل طور پر اس کا انسداد نہ کر سکے۔۱۸۲۹ء میں لارڈ ولیم بنٹنک نے راجا رام موہن رائے کی مدد سے ستی کی رسم کو ایک قانون کے ذریعہ ممنوع قرار دے دیا۔ [1]

اوم:

یہ ہندو مذہب کی رو سے وشنو جی،شو جی اور برہما جی کا مقدس نام ہے۔اصلاً خدائے واحد۔رب الارباب۔ایشور کا مجرد تصور اوم کہلاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلا لفظ ہے جو انسان نے بولا تھا۔ ویدوں کے شروع اور ختم پر بولا جاتا ہے۔ [2]

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا/572۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا/155۔

کرشن شری:

زمانہ قبل از تاریخ کی ایک کہانی کے مطابق دریائے جمنا کے کنارے شہر متھرا میں ایک ظالم راجا حکمران تھا۔ اس کو نجومیوں نے اطلاع دی کہ تمہاری بہن ''دیوکی'' کا ایک لڑکا تم کو قتل کرے گا۔ اس لیے بہن کے جو بچے ہوتے راجا ان کو قتل کرا دیتا۔ اس طرح ''دیوکی'' کے سات بچے موت سے ہم آغوش ہو چکے تو آخری ولادت کے وقت گوکل کی ایک گوالن جسودھا نے اپنی بچی سے ''دیوکی'' کے بچے کو بدل لیا۔ اس طرح یہ بچہ گوالوں میں پرورش پا کر جوان ہوا۔ راجا کے مظالم سے رعایا بیزار تھی۔ اس کو اسی بچے نے جو جسودھا کی گود میں پروردہ اور ''دیوکی'' کا لڑکا تھا قتل کیا اور اس کے باپ کو قید سے آزاد کر کے تخت نشین کیا۔ بعد میں یہی بچہ شری کرشن کے نام سے مشہور ہوا۔

اس کے بعد شری کرشن نے دس سال تک بنارس میں تعلیم حاصل کی۔ کورو اور پانڈووں کے درمیان تھانیسر کے مقام پر ایک شدید جنگ ہوئی اس میں شری کرشن نے پانڈووں کی مدد کر کے ان کو فتح یاب کیا۔ اس کی تفصیل ہندو مت کی مقدس کتاب ''مہابھارت'' میں مندرج ہے۔ شری کرشن کے اقوال کا مجموعہ بھگوت گیتا کہلاتا ہے، اس میں کرشن جی نے ارجن کو، جو اپنے بزرگوں اور عزیزوں کے ساتھ لڑنے سے ہچکچاتے تھے، اُپدیش دیا کہ حق کے لیے لڑنا گناہ نہیں۔

کرشن کے معنی سیاہ فام کے ہیں۔ اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ شری کرشن دراوڑ تھے۔ سفید فام آریاؤں نے دراوڑوں کے دیگر دیوی دیوتاؤں کے ساتھ انہیں بھی اپنا لیا۔ ویدوں میں ان کا تذکرہ نہیں ہے۔ شری کرشن لڑکپن اور نوجوانی میں، گوکل کے بن میں گائیں چراتے تھے۔ ان کی بنسری کی مدھر تان سن کر ارد گرد کی گوالنیں دیوانہ وار ان کی طرف کھنچی چلی آتیں۔ ان میں ایک گوالے آئن گھوش کی بیوی رادھا بھی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتے تھے۔ ان کے معاشقے کی داستانیں بڑی دل آویز ہیں۔ ہندو کرشن جی مہاراج کو وشنو کا آٹھواں اوتار کہتے ہیں۔ [1]

---

1. اردو انسائیکلوپیڈیا/788۔

سومنات:

ریاست جونا گڑھ واقع گجرات کاٹھیاواڑ میں سمندر کے کنارے ایک مشہور شہر، سومنات کے مندر میں چاند دیوتا کا ایک قوی ہیکل بت رکھا تھا۔ ہندوستان کے تمام راجے مہاراجے اس بت سے عقیدت رکھتے تھے۔ سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر یہاں ایک زبردست میلہ لگتا اور سونا چاندی، ہیرے جواہرات اس بت کی خاطر نذر کیے جاتے تھے۔ مندر کے مصارف پورے کرنے کے لیے مختلف راجاؤں نے دس ہزار گاؤں وقف کرر کھے تھے۔

سلطان محمود غزنوی جب ہندوستان کے مختلف مقامات فتح کرر ہا تھا تو بت پرستوں کا خیال یہ تھا کہ ان ہندوؤں پر عتاب سومنات کی ناراضگی کے باعث ہوا ہے۔ سلطان کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے بت کو توڑنے کا مصمم ارادہ کرلیا تا کہ لوگوں کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے لیکن طویل صحرائی سفر کا انتظام کوئی معمولی بات نہ تھی۔ پھر سومنات پر حملہ کرنا پورے ہندوستان کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا تھا۔ مگر محمود نے ان تمام مشکلات پر فتح پائی اور تیس ہزار بہادر مسلمان سپاہیوں کے ہمراہ غزنوی سے روانہ ہوا اور سومنات پہنچ گیا۔ سومنات کے لیے ہندو راجاؤں کا ایک لشکر جرار موجود تھا۔ مگر محمود نے نہایت شجاعت اور بہادری سے اس پر 17-16 حملے کیے۔ مندر کی فصیلوں سے ہونے والی تیراندازی اور مختلف سمتوں سے آنے والی ہندو راجاؤں کی مسلسل عسکری امداد نے بھی اس کے پائے استقلال کو ڈگمگانے نہ دیا۔

نہایت گھمسان کی خونریز جنگ کے بعد ہندوؤں کو شکست دے کہ محمود غزنوی مندر کے اندر داخل ہو گیا۔ پجاریوں اور دیگر ہندو راجاؤں نے محمود سے التجائیں کیں کہ وہ اس بت کو نہ توڑے بلکہ اس کی منہ مانگی قیمت لے کر اس سے باز آجائے لیکن اس موقع پر محمود نے جو الفاظ کہے وہ تاریخ کا ورثہ ہیں۔ اس نے کہا:

"میں تاریخ میں اپنا نام بت فروش کی حیثیت سے نہیں بلکہ بت شکن کی حیثیت سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں۔"

چنانچہ اس نے اپنا گرز مار کر اس بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس بت کے اندر محفوظ اس قدر دولت نکلی جو سلطان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی۔ اس طرح محمود کو اپنی دیانت اور دین داری کا صلہ مل گیا۔ 1

دیوداسی

دیوداسی وہ لڑکیاں ہیں جو قدیم ہندو سماج میں مندروں کی بھینٹ چڑھادی جاتی تھیں اور وہاں ناچنے گانے کا کام کرتی تھیں۔ اصولاً ان لڑکیوں کی شادی نہیں کی جاتی تھیں۔ 2

دیوی:

دیوی کا لغوی معنی معزز عورت۔ دیوتا کی مونث خصوصاً درگا جی، بھوانی، ساوتری اور برہما جی کی بیوی، نیز چار بدھ دیویاں، روچنی، مانکی، پاندرا اور تارا۔ بطور اسم ایک پری جس سے ثریا کو محبت تھی، نیز ایک اپسرا۔ 3

ذات پات کا نظام:

زمانہ قدیم سے ہندو معاشرے کو چار ذاتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا مذہبی گروہ برہمن، جو علم اور مذہب کے محافظ تھے۔ دوم چھتری، جو دنیاوی امور کے محافظ تھے۔ سوم ویش جو زراعت یا تجارت سے دولت پیدا کرتے تھے۔ چہارم شودر جو خدمت کرنے کے لیے مخصوص تھے۔

ان سب کی آگے متعدد قسمیں ہوگئیں۔ بدھ مذہب نے ذات پات کی اس تفریق کو مٹانے کی کوشش کی لیکن یہ مٹ نہ سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھوت چھات اور اچھوت قومیں وجود میں آئیں جن کی زندگی اب بھی باوجود علم وفضل کے نہایت تلخ گزرتی ہے اور عام انسانی حقوق تک سے ان کو محروم رکھا جاتا ہے۔ 4

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/ 612، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/ 963-964، الأعلام لزرکلی، ابن الأثیر ج: 139/9، البدایة والنهایة ج: 27/2۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/ 488۔

3 اردو انسائیکلوپیڈیا/ 488۔

4 مذاہب عالم۔

شِو جی:

یہ ہندو تثلیث کا تیسرا دیوتا ہے۔ رودرا کاشیٰ۔ لقب بھوتا پتی۔ لفظی معنی، مہربان، فیض رساں جواسے خوش کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اصلاً یہ تباہی اور ہلاکت کا دیوتا ہے۔ مستشرقین کا خیال ہے کہ تمام دراوڑی دیوی اور دیوتاؤں کو اس ایک نام میں جذب کر دیا گیا ہے۔ اس کی بیوی کی تین حیثیتیں (پاروتی، دُرگا، یاما) متعدد دراوڑی دیویوں کی خصوصیت کی مظہر ہیں۔ بعد میں اسے ایشور یعنی قادرِ مطلق تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اسے تصویروں اور بتوں میں جینو پہنے دکھایا جاتا ہے۔ چار بازو بنائے جاتے ہیں۔ دو ہاتھوں میں سے ایک میں ڈمرُو اور دوسرے میں ترسول ہوتا ہے۔ نچلے دو ہاتھوں میں سے ایک فیض رسانی اور دوسرا ہمت افزائی کے انداز میں اٹھا ہوتا ہے۔ بال بھبھوت کیے ہوتے ہیں اور سر سے گنگا بہتی ہے۔ بیل ''نندی'' اس کی سواری ہے۔ اس کے پرستار پرتھ کہلاتے ہیں۔ ماگھ بدی کی چودھویں تاریخ کو شِو جی کی خصوصی پوجا ہوتی ہے۔ اسے شِو چتر داسی کہتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں اسے نٹ راج کی حیثیت سے بھی پیش کیا جاتا ہے۔ رقاص شِو ہلاکت وتباہی کا ناچ ناچتا ہے۔ [1]

تناسخ:

نسخ سے ماخوذ ہے جس کے ایک معنی نقل کے آتے ہیں یعنی تناقل وانتقال۔ بقول حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ایک بدن سے دوسرے بدن کی طرف نفس ناطقہ کا انتقال۔ ہندوستان میں اس اعتقاد کے لوگ عام ہیں۔

البیرونی تناسخ کے بارے میں حکمائے ہند کی یہ رائے لکھتا ہے: ''ایک ہی زندگی کی مدت نفس کے لیے اتنی کم ہے کہ وہ اس میں ان کثیر چیزوں کا جن پر دنیا مشتمل ہے احاطہ نہیں کر سکتا۔''

بقول شہرستانی۔ ''تناسخ سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کی رو سے دنیا کے پے در پے ادوار حیات اور یکے بعد دیگرے نئے وجود اختیار کرنا مانا جاتا ہے۔''

ہندومت تناسخ کا قائل ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک موجودہ زندگی میں انسان جس قسم کے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے اسی کے مطابق اگلا جنم لے گا۔ موجودہ زندگی کی مصیبتیں اور راحتیں سب کی سب گزشتہ جنم

---

1. اردو انسائیکلو پیڈیا/645۔

کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ان ہی اعمال کے نتیجے کے طور پر انسان ادنیٰ یا اعلیٰ ذات میں حیوانات اور نباتات کی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔عمدہ اعمال کی وجہ سے انسان جنت میں داخل ہو جاتا ہے لیکن اگر اعمال انتہائی خراب ہوں تو پھر اسے جہنم میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ان کے نزدیک انسان اس دنیا میں بار بار پیدا ہوتا رہتا ہے۔اس چکر کو ختم کرنے کا واحد طریقہ برہما کے ساتھ اتحاد کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔

عقیدہ تناسخ متعدد شیعی فرقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔نُصیر یوں کا عقیدہ ہے کہ ان کی ملت کا گنہگار آدمی یہودی، سنی مسلمان یا عیسائی کی شکل میں اس دنیا میں واپس آئے گا اور وہ منکر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں مانتے گدھے، خچر، اونٹ، کتے اور اسی قسم کے دوسرے جانور بن جاتے ہیں۔ان کے نزدیک تناسخ کے سات درجے ہیں۔

اسماعیلی یہ بات نہیں مانتے تھے کہ روح جانوروں کے اجسام میں منتقل ہو جاتی ہے لیکن یہ عقیدہ ضرور رکھتے ہیں کہ عالم حیات وممات میں زندگی متعاقب اور پے بہ پے ہوتی ہے جن میں روحیں محوِ عمل رہتی ہیں۔یہاں تک کہ انہیں معرفت امام حاصل ہو اس کے بعد یہ روحیں عالم نور میں پہنچ جاتی ہیں۔معتزلہ بھی کسی نہ کسی حد تک تناسخ کے قائل ہیں۔

تناسخ کا عقیدہ ہندومت کے علاوہ بدھ مت، قدیم یونانیوں اور دنیا کے دیگر مذاہب واقوام کے ہاں بھی پایا جاتا ہے۔اسلام کی صحیح تعلیمات اس عقیدے کی مخالف ہیں اور واضح طور پر اس کی تردید کرتی ہیں۔ 1

ادویتا

ویدکا نظریہ اکائیت۔توحید۔جس کا پیش رو شنکر آچاریہ تھا۔اس نظریہ کے مطابق تمام افراد اور دنیا کی چیزیں محض اضافی یا مظہری حقیقتیں ہیں۔کائنات کی خالق ایک ذات کامل ہے۔جو خارجی دنیا کی بجائے انسانوں کی اپنی اپنی ذات کی انتہائی پنہائیوں میں موجود ہے۔اگر تمام افراد دنیاوی جھمیلوں اور ''مایا'' کے جھنجھٹ سے کنارہ کرلیں اور تنہائی میں تپسیا کریں تو وہ اس ذات کامل تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔اس اعتبار سے یہ نظریہ مذہبی ثنویت کے برعکس ہے کہ انسانی عقل سے خارجی دنیا تک ہر جگہ ذاتِ کامل کا جدا جدا ظہور ہے۔ 2

---

1 الادیان والفرق والمذاهب المعاصرة/42، اردو انسائیکلو پیڈیا/29، مذاہب عالم، موسوعہ مصطلحات العلوم/286۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا/64۔

اِندرا:

ہندی دیو مالا میں جنگ کا دیوتا۔ تیر و کمان سے مسلح۔ دمان (دیوتاؤں کا رتھ) پہ سوار، ہاتھ میں وجر (شہابہ) لیے ہوتا ہے۔ بعض اوقات سورج اس کا رتھ ہوتا ہے۔ درتیرا (بدروحوں) کی بیخ کنی کرتا ہے، پانی کو روانی بخشتا ہے، بادلوں کو پھاڑ کر سورج اور روشنی عطا کرتا ہے۔

اندرا یونانی ہرکولیس سے مشابہ ہے جو زیوس کی صفات بھی رکھتا ہے۔ بُت یا تصویروں میں اس کے چار ہاتھ دکھائے جاتے ہیں، جن میں سے دو میں نیزہ تھامے ہوتا ہے، ایک میں تیر و کمان اور ایک میں وجر (شہابہ) اس کی عام سواری ''آریہ وتہ'' نامی ہاتھی ہے جو سمندر کے متھنے کے عمل میں پیدا ہوا ہے۔

بعض اسے اگنی کا توأم بھائی بتاتے ہیں یعنی زمین و آسمان کا بیٹا۔ بعض محققین نے ثابت کیا ہے کہ اندرا محض جنگ کا دیوتا نہیں بلکہ زراعت اور گرہستی کا دیوتا بھی ہے۔ نیز بعد میں شیوجی نے اس کی جگہ لے لی، گو صفات، خصوصیات اور وظائف کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی معنوی فرق نہیں۔ 1

اننت:

ہندی دیو مالا میں ایک ناگ جس نے زمین سر پر اٹھائی ہوئی ہے۔ نیز شوجی اور وشنوجی کا لقب۔ نیز ایک دھاگا چودہ گانٹھ کا جو ہندو بازو پر اننت چودس کے موقعے پر باندھتے ہیں۔ 2

اوتار:

لغوی معنی نزول ہے۔ مراد دیوتاؤں کا دنیا میں اصلاح و انقلاب کے لیے آنا۔ وشنوجی نے نو رُوپوں میں ظہور کیا اور دسویں روپ کا بھی سندیا گیا ہے۔ ان کے انسانی رُوپ میں پرش رام، رام، کرشن اور بدھ اوتار ہیں۔ یہ کوئی الگ شخصیتیں نہیں بلکہ خود وشنوجی کا مختلف روپ اور مختلف عہد میں ظہور ہے۔ 3

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا/135۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا/147۔

3 اردو انسائیکلو پیڈیا/149۔

ہنومان:

ہندی دیومالا کا ایک دیوتا۔ جس کی سیادت بندروں پر تھی، اندر دیوتا کا بیٹا جو پری کے بطن سے پیدا ہوا رامائن کا اہم کردار۔ اسی کی مدد سے رام چندر جی نے لنکا کے راجہ راون کو شکست دی اور سیتا جی کو بازیاب کیا۔ ہنومان کو تصویروں میں بندر کے روپ میں پیش کیا جاتا ہے۔ 1

دیوالی:

یہ ہندوؤں کا ایک تہوار ہے جو کارتک کی پندرہ تاریخ کو کارتک بدھ دیوتا کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ اس دن ہندو کسی دریا یا تالاب میں نہا کر نئے لباس پہنتے اور شرادھ کرتے ہیں۔ رات کو دیے جلاتے ہیں۔ لکھمی کی پوجا کرتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں۔ ہندوؤں کا توہم ہے کہ اگر دیوالی کی رات جوئے میں جیتیں تو سال بھر کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔

بعض دیوالی کو راجا رام چندر جی کے بن باس سے واپسی کا دن تصور کرتے ہیں۔ بعض دولت کی دیوی لکشمی سے منسوب کرتے ہیں۔ بنگالیوں میں اس دن کالی یا تا (ماتا) کی پوجا اور قربانی کی جاتی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس دن کالی ماتا نے شر کی تمام طاقتوں پر فتح پائی تھی۔ جنوبی ہند کے ہندو دیوالی کے موقع پر کوئی روشنی نہیں کرتے۔ صبح اشنان کر کے کپڑے بدلتے اور وشنو جی کی پوجا کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس دن وشنو جی نے بدی کی قوتوں پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ 2

ہولی:

یہ ہندوؤں کا ایک تہوار ہے جو اعتدال ربیعی (چیت) کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر ہندو ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے، گلال اڑاتے اور بھبھوت ملتے ہیں۔ شروع میں یہ خالصتاً فصلی تہوار تھا۔ بعد میں مذہبی رنگ چڑھ گیا۔ مشہور ہے کہ سہرہ کھشتریوں کا دیوالی ویشوں کا اور ہولی شودروں کا تہوار ہے جس

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/1049۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/487۔

سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آریاؤں کی آمد سے قبل برصغیر پاک و ہند کے باشندوں کا یہ عوامی تہوار تھا۔ بعد میں اسے ''ہولکا'' سے منسوب کر دیا گیا جو ایک راجا ہرنا کشیب کی بیٹی اور پربلاد کی بہن تھی۔ ہرنا کشیب وشنو کا زبردست مخالف تھا اور اس کا بیٹا پربلاد اس کا پجاری۔ باپ بیٹے میں اس پر کشمکش ہوئی۔ باپ نے بیٹے کو قتل کرنا چاہا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ آخر وشنو نے نرسنگھ کا روپ دھار کر ہرنا کشیب کو مار ڈالا۔ ایک روایت کے مطابق ہولی اسی دن کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ [1]

جنم اشٹمی:

ہندوؤں کا ایک تہوار جو بھادوں کی آٹھویں تاریخ کو شری کرشن مہاراج کی پیدائش کی خوشی میں منایا جاتا ہے۔ [2]

موریا سلطنت:

یہ قدیم زمانے کی ایک سلطنت ہے، اس کی بنیاد چندر گپت موریا نے ۳۲۲ ق۔م میں یونانی سلطنت کے تباہ ہونے پر ڈالی۔ موریا سلطنت شمال میں وسطی ہند تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ عہدِ حکومت تجارت خوش حالی اور دوسرے ممالک سے راہ و رسم کے لیے مشہور تھا۔ اس خاندان کا مشہور بادشاہ اشوک ہے۔ اشوک نے بدھ مت اختیار کیا اور اسے پھیلانے کے لیے کئی ممالک میں بھکشو بھیجے، بدھ مت کے بھکشوؤں کے لیے مندر تعمیر کروائے، عام لوگوں کو بدھ مت کے اصول سے آشنا کرنے کے لیے ساری سلطنت میں ستون اور لاٹھیں بنوائیں جن پر بدھ مت کے اصول کندہ کروائے گئے۔ سلطنت موریا کا فن سنگ تراشی اس بات کی شہادت ہے کہ اس کی تصویر صدیوں سے مشق کردہ لکڑی کے کام سے ہوئی۔ اس دور کی چیدہ چیدہ مثالیں یکھر یا کشی ہندوستانی عجائب گھر۔ پرکھم یا کشا۔ متھرا۔ دیدھر گنج۔ پاکشی پٹنہ اور اشوک کے مشہور ستون ہیں۔ اکشا اور یاکشنی کے بت سنگ تراشیدہ ہیں اور فن کا بہترین نمونہ۔

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/1053۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/387۔

اشوک کے عہد کے شاہی آرٹ ستونوں اور لاٹوں پر مبنی ہے۔اشوک کے دور کے تمام ستون اعلیٰ فن کاری کا ثبوت ہیں۔فاہیان (چینی سیاح) نے جب پانچویں صدی عیسوی میں ہندوستان کا سفر کیا تو وہ اشوک کے ستونوں کے اعلیٰ اور نفیس کام سے بہت متاثر ہوا۔ 1

جوگی/جوگ/یوگی/یوگ:

یہ سنسکرت لفظ ہے بمعنی ذریعہ، وسیلہ۔ ہندوؤں کے چھ کلاسیکی فلسفیانہ اصولوں یا نظاموں میں سے ایک، جس میں مختلف جسمانی ونفسیاتی ورزشیں کی جاتی ہیں تا کہ روحِ انسانی آواگون کے چکر سے آزاد ہو جائے۔اس کے نظری وعملی پہلو پتان جلی (دوسری صدی قبل مسیح) سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ایک ہندو مکتب فکر کے مطابق یوگ کائنات کو مادّہ اور روح کا مرکب قرار دیتا ہے۔اس کے بموجب خدا یا ایشور ایک روح کامل ہے جو نہ تو آواگون کے چکر میں پڑی اور نہ مادّے کی آلودگی سے نجس ہوئی۔

یوگا کے بہت سے آسن ہیں اور ہر شخص اپنی اہلیت ومزاج کے مطابق کر مایوگا، بھگتی یوگا، راجا یوگا اور جنتن یوگا میں سے کسی کو اختیار کرسکتا ہے۔ یوگا کا ریاض کرنے والے اور کرنے والی کو یوگی (جوگی اسی کی تخریب ہے) اور یوگن (جوگن) کہتے ہیں۔ یوگی کو آٹھ مدارج میں سے گزرنا پڑتا ہے، جسے سادھی کہتے ہیں۔ اصلاً ہتھا یوگا (جس کے ذریعے اعضاء جسمانی کو باہم مربوط کیا جاتا ہے) بھگتی یوگا (روحانی یوگا) سے قبل کیا جاتا تھا تا کہ روح کو اس کے لیے تیار کیا جاسکے۔لیکن اب ان دونوں کا تعلق ٹوٹ چکا ہے اور اب اِسے وہی لوگ اختیار کرتے ہیں جنہیں محض جسمانی نظم وضبط (ورزش) سے دلچسپی ہے۔ 2

وِشنو:

ہندو فلسفے کے مطابق کائنات اور انسانی زندگی پر تین طاقتیں حاوی ہیں اور ان کا تعلق ربوبیت، تخلیق اور موت سے ہے اس لیے ہندو خدا کی وحدت کو تین حصّوں میں منقسم کرکے اس طرح مشخص کرتے ہیں:

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/961۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/1067۔

اوّل برہما یعنی خالقِ کل۔ دوم وشنو یعنی پرورش کرنے والا جسے ہم رب کہتے ہیں۔ سوم شیو یعنی موت کے گھاٹ اتارنے والا جسے ہم قہار کہتے ہیں۔ مگر جہاں تک پرستش کا سوال ہے ہندو صرف وشنو اور شیو کی پوجا کرتے ہیں، خدا کی تیسری صفت کی پرستش کرنے والے ہندو خال خال ہیں۔ وشنو اس دنیا میں بطور اوتار دس دفعہ ظاہر ہوا ہے۔ ساتویں موقع پر اس کا نام رام تھا اور آٹھویں موقع پر کرشن۔ 1

وشوامتر:

ایک مشہور رشی جو کشتری تھے، مگر تپسیا کی وجہ سے برہمن کا رتبہ پایا اور سات بڑے رشیوں میں شمار کیے جانے لگے۔ راجا رام چندر جی کے گرد تھے۔ رگ وید کے کئی منتر ان پر اترے تھے۔ ایک دھرم شاستر، ایک دھرم ویدا اور ایک ویدک کتاب کے مصنف خیال کیے جاتے ہیں۔ 2

مہابھارت:

ایک رزمیہ نظم، مصنفہ ویاس جی، اس میں اٹھارہ کتابیں اور دو لاکھ پندرہ ہزار اشوک ہیں۔ اصل موضوع پانڈوؤں اور کوروؤں کی لڑائی ہے جو کوروچھیتر کے میدان میں ہوئی تھی۔ ضمناً برصغیر پاک و ہند کے تمام قصے اور لوک کہانیاں اس میں بیان کر دی گئی ہیں۔ 3

بھگوت گیتا:

لغوی معنی بھگوان کا راگ۔ اس اُپدیش کا نام جو کرشن جی نے کوروکشیتر کی لڑائی میں پانڈو کے بیٹے ارجن کو اپنے رشتے داروں سے لڑنے سے جی چرانے کے موقع پر دیا تھا۔ یہ مہابھارت کا ایک حصہ ہے۔ نظم تین حصوں میں ہے اور ہر حصے میں چھ باب ہیں۔ یہ بھگتی کا اصول سکھاتی اور ذاتوں کے فرائض کو دوستی اور

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/1026۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/1027۔

3 اردو انسائیکلوپیڈیا/960۔

رشتے داری کے فرائض پر ترجیح دیتی ہے۔اس کا دنیا کی اکثر و بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔منظوم فارسی ترجمہ ابوالفضل فیضی نے عہدِ اکبر میں کیا۔متعدد اُردو ترجمے کیے گئے ہیں۔ 1

ہندی زبان:

ہندومت کی مذہبی زبان، یہ پالی اور سنسکرت کی مشترکہ بیٹی ہے، جو (دیوناگری) رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، سنسکرت کو محفوظ رکھنے کی بھی ہندوؤں نے بہت کوشش کی ہیں، لیکن وہ بولی نہیں جاسکتی، اس کی تحریریں پڑھی ہیں اور سمجھیں جاتی ہیں، ہندوستان پر فارسی زبان کے اقتدار سے ہندی فارسی کی ایک مشترکہ بیٹی پیدا ہوئی جسے اردو کہا جاتا ہے۔فی زمانہ ہندی انڈیا اور اردو پاکستان کی عوامی بولیاں ہیں۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/251۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا/1048۔

مزید تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

☆......مذاہب عالم کا جامع انسائیکلوپیڈیا۔

☆......مسلم ثقافت ہندوستان میں/عبدالمجید سالک۔

☆......ادیان الهند الكبرى/احمد شلبی۔

☆......تاريخ الاسلام فی الهند/ عبدالمنعم۔

☆......People and religion of India

☆......Hiduism

مجوسیت (**)

مجوس کو آتش پرست، گبر، پارسی، آخش اور زرتشت بھی کہتے ہیں۔ یہ چھٹی صدی عیسوی قبل المیلاد کا مذہب ہے، ان کی مشہور کتاب کا نام اُوَستا ہے، یہ اپنے مُردوں کو کھلی فضاء میں رکھتے ہیں تاکہ چرند پرند انہیں کھائیں، بوجہ مجبوری دفناتے بھی ہیں اور اس جگہ کو "دخمہ" (منار خاموشی) کہتے ہیں، ان کی جزو ایمان میں مخلوق کی خدمت کرنا، علم حاصل کرنا، کھلی فضاء میں رہنا، پاک وصاف رہنا ہے، ان کا مذہبی گڑھ ایران ہے۔

اب ان کے کچھ لوگ کراچی، لاہور، بمبئی، پونا، سورت، ہانگ کانگ وغیرہ میں ہیں، یہ ہندو فرقہ (سناتن دھرم) اور یہودیوں کی طرح غیر تبلیغی لوگ ہیں، شادی بیاہ ان کے یہاں غیروں کے ساتھ ممنوع ہے، ان کے ہر معبد میں ایک اسکول بھی ہوتا ہے، بطور علامت کے یہ اپنے گھروں اور عبادت خانوں میں آگ بھی جلاتے ہیں اور لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے کہتے ہیں کہ: "ہم اس کی عبادت نہیں کرتے" جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ آگ کو روح کائنات یعنی اگنی دیوتا اور خالق اعظم سمجھ کر منتر پڑھ کر اس کی عبادت کرتے ہیں، نیز یہ لوگ عناصر اربعہ یعنی آگ، مٹی، ہوا اور پانی کو خداؤں کا درجہ دیتے ہیں، اولمپک کے کھیلوں میں جو آگ جلائی جاتی ہے، وہ بھی اسی کا تسلسل ہے، ہندو برہمن فرقہ بھی آگ کی عبادت کرتا ہے۔ پہلا آتشکدہ ایرانی بادشاہ "گشتاسپ" نے بنایا تھا۔ ان کی کل تعداد پوری دنیا میں ایک لاکھ بیس ہزار ہیں۔

ان کی زبان "اوستائی" ہے سارے تاجر پیشہ لوگ ہیں، بقول ان کے ان کا پیغمبر آذر بائیجان میں پیدا

(**)

القرآن الکریم، سورۂ حج/17 پر مختلف تفاسیر ملاحظہ ہوں۔

ہوا، تیس برس کی عمر میں ان کے پاس وحی آئی، ایران کے بادشاہ اور ان کی ملکہ ان پر ایمان لائے، کہتے ہیں کہ ان کے دو خالق ہیں:

۱......خالق شر (اہرمن)

۲......خالق خیر (یزداں)

ان کا شعار تین جملے ہیں: (۱) گفتار نیک (۲) کردار نیک (۳) پندار نیک۔ البتہ حصول علم ان کا جزو ایمان ہے، ظہور اسلام سے آج تک مختلف ادوار میں لاکھوں مجوسی مشرف باسلام ہوئے ہیں۔

ان کی کتاب اَوَستا کے چار حصے ہیں: (۱) یسنا (۲) گتھا (۳) ویسپ وید (۴) وندیداد۔ موجودہ اوستا اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں۔ ''ژند'' اس کی شرح ہے اور ''پاژند'' اس کی شرح الشرح ہے۔ [1]

بعض دیہاتوں میں سانپ وغیرہ کے زہر نکالنے کے لیے جو منتر پڑھے جاتے ہیں، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ پارسیوں کی مذکورہ کتب کی عبارتیں ہیں۔

آگ کی عبادت اور پارسی:

قدیم زمانے میں انسان آگ سے بہت ڈرتا تھا اور اسے ایک مقدس قوت سمجھ کر پوجتا تھا۔ مذہبی تہواروں میں آگ کے دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی اور کسی ایسی تقریب کا تصور آگ کے بغیر محال ہوتا تھا۔ ہندوؤں کے قدیم ویدوں میں اگنی دیوتا کا ذکر ملتا ہے جو کائنات کی روح تھا یہ پروہتوں کے لیے مخصوص دیوتا تھا۔ خیال تھا کہ یہ لوگوں کو بہشت میں لے جاتا ہے۔

اور ایران میں آخشِ اور زرتشت کے مذہب میں آتش پرستی کو باقاعدہ مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ اسے مجوسیت کہا جانے لگا۔ آخشِ مادے کے عناصر اربعہ مٹی، پانی، آگ اور ہوا کو دنیا کا خالق تصور کرتا تھا اور زرتشت نے آگ کو مذہب کی روح، مرکز اور مقدس قوت قرار دیا تھا اس کے نزدیک یہ آہوزنروا یعنی خدا کا مظہر خاص ہے۔

آتش پرستی ظاہر ہے کہ مذہب زرتشت کی تعلیم نہیں تھی بلکہ اس نے عبادت کے طریقوں کو سادہ بنانے

---

1. تفصیل کے لیے دیکھیے: اردو انسائیکلو پیڈیا۔

کے لیے جلتی ہوئی آگ کا سامنے رہنا ضروری قرار دیا تھا۔ عام طور پر یہ آگ صندل کی لکڑیوں سے جلائی جاتی اور اس کے سامنے مقدس منتر گائے جاتے۔ بعد ازاں اس کے پیروکاروں نے اس کی تعلیمات کو بدل ڈالا اور پارسیوں کے عبادت خانے آتش کدے بن گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل میں آگ کے دیوتا ''ملوک'' کی عبادت کی جاتی تھی۔ قدیم روما میں ہیسٹا کے معبد کی کنواریوں کے نام پر مقدس آگ ضرور جلتی تھی۔ یہ لوگ کہیں جاتے یہ آگ ضرور ساتھ لے جاتے۔ اسے آج بھی اولمپک کی آگ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

قدیم سائبریا کے غیر مہذب کوریان اور چکچی قبائل اور قدرے مہذب بریات قبائل آگ کے دیوتا کی پرستش کرتے تھے اور اس کے احترام میں آتش کدوں اور چولہوں کو گندگی سے پاک رکھتے تھے۔

امریکا اور میکسیکو کے اکثر قبائل بھی آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ قدیم یونانیوں کے ہاں بھی آگ تخلیق کا ذریعہ رہی ہے۔ یونانی دیو مالا میں پرومیتھوس کا قصہ بھی ہے، جس نے انسان کو روشنی سے محروم اور دنیا کو تاریک دیکھا تو مقدس اولمپس کی آگ چُرا کر زمین والوں کے حوالے کر دی اور دیوتاؤں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔

آگ صدیوں تک مذہب کا حصہ رہی ہے۔ دیوتاؤں کے حضور قربانی پیش کرنے کا وسیلہ بھی آگ ہی ہوتی تھی۔ عہد نامہ عتیق میں بھی قربانی کی آگ کے کئی واقعات ملتے ہیں۔ کتاب پیدائش میں ہابیل اور قابیل کی قربانیوں کا قصہ موجود ہے۔ ہابیل کی قربانی کو آگ کے مقدس شعلے نے چھو کر جلا دیا اور اسے قبول کر لیا۔

آج بھی ہندو برہمنوں اور پارسیوں (مجوسیوں) کے ہاں قربانی کی آگ جلتی رہتی ہے۔ بھارت میں کئی مندر اگنی دیوتا کے نام سے منسوب ہیں اور اسی طرح کئی پارسیوں کے آتش کدے ہیں، جہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔ یہاں کراچی کے مشہور علاقے صدر میں زیب النساء اسٹریٹ کے قریب بھی پارسیوں کا ایک آتشکدہ ہے۔

ژند:

یہ زرتشتیوں کی مقدس کتاب ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اصل کتاب ژند تھی اور اوستا اس کی شرح۔ لیکن اکثر اوستا کو اصل اور ژند کو اس کی تفسیر بتاتے ہیں۔ بہر حال یہ کتاب زرتشت نے لکھی ہے لیکن اب اس کا

صرف ایک ناتمام حصہ باقی ہے۔ باقی سکندر کے حملوں کے وقت ضائع ہوگیا تھا۔ اس کتاب کی زبان قدیم فارسی تھی۔ مولانا آزاد کا خیال ہے کہ ژند سب سے قدیم کتاب ہے اور اس کے معنی چقماق کے اس جزو کے ہیں جس سے آگ نکلتی ہے۔ جب یہ زبان انقضائے زمانہ کے ساتھ مردہ ہوگئی تو اس وقت کی مروّجہ زبان میں اس کی شرح لکھی گئی جس کا نام پاژند رکھا گیا۔ پاژند چقماق کے دوسرے حصے کو کہتے ہیں اور ژند کے پاژند کے ساتھ ٹکرانے سے گویا نور جلوہ گر ہوتا ہے۔ جب پاژند بھی قابلِ فہم نہ رہی تو اس کی شرح لکھنی پڑی جس کا نام اوستا رکھا گیا۔

زرتشتی یا پارسی ایران میں اب بھی موجود ہیں۔ ان کی ایک نوآبادی بمبئی کے ساحل پر ہے۔ ان لوگوں کے پاس جو ژند اوستا ہے، وہ صرف پرانے اوستا کا اکیسواں باب بتایا جاتا ہے گویا ۲۰ باب اس کے مفقود ہو چکے ہیں اور ایک باقی ہے جس میں ۱۴۱۰۰۰ الفاظ ہیں۔ موجودہ اوستا ساسانی زمانے کی پیدوار ہے جبکہ اردشیر نے زرتشتی مذہب کی از سرِ نو تجدید کی تھی اور اوستا کے پراگندہ اجزاء کو جمع کر کے کتابی شکل دی گئی۔ پارسی لوگ اب بھی اس کی تقدیس پر ایمان رکھتے ہیں۔ زبان سنسکرت کے مشابہ ہے۔ ایک فقرہ ملاحظہ ہو ”آشیم وہو یستم ہستی، استا ہستی، استا ہماید، اشائے ویستائے اشیم“ (راستی خدائی نعمت ہے، رحمت ہے اور فراواں رحمت ہے اور تقدس سے بہتر چیز ہے اور جو چاہتی ہے کرتی ہے)۔ [1]

اوستا:

یہ پارسیوں کی مقدس کتاب ہے۔ اس کی زبان قدیم پہلوی ایرانی سے ملتی جلتی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے ۲۱ پارے تھے جو بارہ ہزار چمڑوں پر سنہرے خطوں میں لکھے ہوئے تھے۔ ہخامنشی فرمانرواؤں کے زوال کے بعد ضائع ہوگئی۔ اس وقت فقط ایک مکمل پارہ، وندیداد، موجود ہے اور باقی چند اجزاء ہیں۔

اوستا کے چار حصے ہیں: (۱) یسنا: جس میں ۷۲ باب ہیں گتھا یعنی مقدس بھجن بھی انہیں شامل ہیں۔ (۲) ویسپ رید: یعنی حمدیں۔ (۳) وندیداد: جس میں طہارت، ریاضت اور عبادت کے قاعدے قانون درج ہیں۔ (۴) یشت: یعنی فرشتوں کی مدعیات۔ اس کے بارے میں عام عقیدہ یہی ہے کہ یہ زرتشت کا

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/557۔

کلام ہے۔ سکندر اعظم نے ۳۳۱ ق م ایران فتح کیا تو اوستا کا زیادہ حصہ ضائع ہو گیا۔ ساسانیوں کے عہد میں پراگندہ اوستا کو جمع کیا گیا تو ۳۴۸ فصلیں مل سکیں جنہیں ۲۱ کتابوں میں منقسم کیا گیا۔ عربوں اور مغلوں کے حملوں سے اس کا اور حصہ بھی ضائع ہوا۔ اب موجودہ اوستا میں صرف ۸۳۰۰۰ الفاظ ہیں۔ 1

اہرمزد:

زرتشتی مذہب کی رُو سے دنیا میں دو طاقتیں کار فرما ہیں۔ ایک نیکی کی جس کا نام اہرمزد یا ارمزد یا یزداں ہے اور دوسری برائی کی جس کا نام اہرمن شیطان ہے۔ اوّل الذکر طاقت سورج، چاند، ستارے، ہوا، بارش اور کائنات کی ہر چیز کے پیچھے سرگرم عمل ہے اور بقائے حیات کے لیے ضروری ہے۔ برخلاف اس کے اہرمن جھوٹ اور فریب کی علم بردار طاقت ہے اور نسل انسانی کو ہلاکت کے گڑھے میں دھکیلنے کے درپے رہتی ہے۔ 2

گشتاسپ:

لہراسپ کا بہادر بیٹا جس نے روایت کے مطابق ایک سو بیس سال تک ایران پر حکومت کی۔ اس کی ماں کیانی خاندان سے نہ تھی اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو تخت کا حق دار نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے باپ سے خفا ہو کر قیصر روم کے دارالسلطنت میں پناہ لی اور اس کی بیٹی کیایون سے شادی کی۔ لہراسپ نے آخرکار بیٹے کو معاف کر دیا اور تخت و تاج اس کے حوالے کر دیا۔ زردشت اسی کے عہد میں پیدا ہوا اور جب زردشت نے اپنے مذہب کی تلقین کی تو گشتاسپ نے بھی اس کا مذہب قبول کر لیا اور آگ کی پرستش شروع کر دی۔ اس نے خاقان، چین اور جاسپ کو خراج دینا بند کر دیا جس کی وجہ سے ایران اور چین میں لڑائی چھڑ گئی، اس لڑائی میں گشتاسپ کے بیٹے اسفندیار نے بڑا نام پیدا کیا اور چین اور توران کی فوجوں کو شکست دی، بالآخر گشتاسپ نے کیانی روایت کے مطابق بادشاہت اپنے پوتے بہمن اسفندیار کو سونپ دی اور خود یزدان کی عبادات میں مصروف ہو گیا۔ گشتاسپ کا سورما بیٹا اسفندریار باپ کی حیات ہی میں رستم سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔ 3

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا/150۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا/157۔

3 اردو انسائیکلو پیڈیا/839۔

زرتشت:

یہ لقب ہے اصل نام ابراہیم بتاتے ہیں، یہ منوچہر کی نسل سے تھا اور حکیم فیثا غورث کے شاگرد تھے، گشتاشپ (شاہِ ایران) کے دور میں اس نے نبوت کا اعلان کیا تھا اور آتش پرستی کا مذہب ایجاد کیا تھا، مجوس ان کو پیغمبر کا درجہ دیتے ہیں اور ان کی کتاب (ژند) کو الہامی کتاب قرار دیتے ہیں، بعض علماء اسلام بھی ان کو کم سے کم حکیم قرار دیتے ہیں۔ [1]

☆☆☆

---

1 دفتر ششم، مثنوی مولوی معنوی، از مولانا قاضی سجاد حسین میرٹھی، اردو انسائیکلو پیڈیا/544.

صابئین/آفتاب پرست

سورج کی پوجا، سورج کو خالق ماننا۔ قدیم زمانے کا انسان سورج کی عبادت کرتا تھا۔ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ جب قدیم انسان نے یہ دیکھا ہوگا کہ سورج کے طلوع ہوتے ہی ہر شے نظر آنے لگتی ہے۔ زندگی جاگ اٹھتی ہے، سردی اور سکون حرارت اور حرکت میں تبدیل ہوتے ہیں، سورج کی روشنی انسان کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ کچھ کام کاج کرکے، شکار مار کر اور پھل توڑ کر اپنا پیٹ بھر لے۔

قدیم انسان نے یہ بھی محسوس کیا ہوگا کہ شام ہوتے ہی ہر سو تاریکی پھیل جاتی ہے۔ سکوت اور ہو کا عالم ہوجاتا ہے۔ نیز بادلوں کے آجانے سے دن کے وقت بھی سورج انسانی آنکھ سے اوجھل ہوجاتا ہے اور سردی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ یہ باتیں اسے سورج کے نمودار ہونے کی دعائیں مانگنے پر مجبور نہ کرتیں تو اور کیا ہوتا۔

اگرچہ قدیم انسان قوانین قدرت سے اس طرح واقف نہ تھا جیسے آج ہم اور ہمارے بچے۔ اگرچہ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ گرمیوں میں سورج انسانوں سے ناراض ہوکر غضب کی آگ نہیں برساتا، بلکہ موسم کی یہ تبدیلیاں ایک باقاعدہ نظام کے تحت ہوتی ہے، لیکن اسے اتنا ضرور علم تھا کہ کسی بھی شخص کی خوشامد اور تعریف کی جائے، جس طرح وہ اپنے سردار کی تعریف کرتا ہے، تو سورج اس پر مہربان ہوگا۔

عبادت کے طریقے:

یہ بتانا ممکن نہیں کہ قدیم انسان سورج کی عبادت کیونکر کرتا تھا۔ البتہ اس کی پرستش کا کافی ثبوت قدیم مذاہب میں ملتا ہے۔ بے شمار ایسی اشیاء برآمد ہوئی ہیں، جن میں سورج کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہا

جاسکتا کہ قدیم انسان سورج کو بالکل ہی رب العالمین سمجھ بیٹھا ہو، البتہ کہیں کہیں توحید ناقص کے ثبوت مل جاتے ہیں۔ جن کا مقصد محض اس کی قوت حاصل کرنا اور حیات جاری رکھنا تھا۔ یہ لوگ مختلف ستاروں اور چاند کی بھی پرستش کرتے ہیں، بلکہ صابئیت پر تحقیق کرنے والے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ مذہب چاند، ستاروں ہی کی عبادت پر مبنی ہے۔

صابئہ:

یہ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے، صرف یوحنا کو مانتے ہیں، دیگر مذاہب والے ان کو عیسائی کہتے ہیں، کچھ لوگوں نے انہیں مجوس میں شمار کیا ہے۔ یہ لوگ ایک خالق کے معتقد تھے جو غیر مخلوق، مقدس اور عاقل ہے اور اس تک صرف روحوں کے ذریعے رسائی ہوسکتی ہے [1]۔ یہ لوگ ستاروں وغیرہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں کے نام اور رنگ پر معبد بناتے ہیں۔ تین نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان کے یہاں ایک وقت میں کئی شادیاں کرنے کی ممانعت تھی، لیکن طلاق کا دستور تھا۔ سوٗر، کتا اور شکار کا گوشت حرام سمجھتے تھے۔ ختنہ نہیں کراتے تھے۔ اکثر لوگوں نے ان کو انسانی قربانی کا بھی مرتکب قرار دیا ہے۔ یہ لوگ عراق میں رہائش پذیر ہوئے تھے اور ''حران'' ان کا مرکز تھا۔ خلیفہ مامون الرشید نے ان کی سرکوبی کا ارادہ کیا، مگر ان کے علم وفضل کی وجہ سے رک گیا، قاہر باللہ نے ان پر سختی کی۔ ان کا سردار سنان بن ثابت مسلمان ہوگیا، دسویں صدی تک بغداد میں بہت سے صابئین موجود تھے، لیکن گیارہویں صدی کے بعد ان کا نام ونشان تک مٹ گیا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

یہاں ہم تفسیر معارف القرآن/ کاندھلوی سے اس آیت ﴿ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاریٰ والصابئین﴾ کے ذیل میں سے ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں:

> صابئین ایک فرقہ ہے کہ جو کسی آسمانی دین اور شریعت کا قائل نہیں خدا اور بندہ کے درمیان میں روحانیت کو واسطہ قرار دیتے ہیں کہ بندہ کو جو فیض بھی حاصل ہوتا ہے وہ روحانیت کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔ نبوت ورسالت کے سرے سے قائل نہیں۔ کہتے ہیں کہ پیغمبروں کی کوئی

1. تفسیر فی ظلال القرآن/ سید قطب 1 / 69، سورۂ بقرہ آیت نمبر 62۔

حاجت نہیں۔ تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شہرستانی رحمہ اللہ نے اپنی ملل ونحل میں حنفاء اور صابئین کا ایک مناظرہ ذکر فرمایا ہے جو قابل دید ہے، اس ناچیز نے اپنے ''علم الکلام'' میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے جو بحمدہ تعالیٰ شائع ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صابئین کے بارہ میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں کہ یہ کون لوگ اور ان کا مذہب کیا ہے۔

(۱) قول اوّل: مجاہد اور حسن بصری رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صابئین ایک قوم اور فرقہ ہے جس کا دین یہودیت اور مجوسیت سے مل کر بنا ہے۔

(۲) قول دوم: قتادہ کہتے ہیں کہ وہ ایک قوم ہے جو فرشتوں کی عبادت کرتی ہے اور سورج کی طرف منہ کر کے روزانہ پانچ نمازیں پڑھتی ہے اور قتادہ سے یہ بھی منقول ہے کہ دین پانچ ہیں جس میں سے چار تو شیطان کے لیے ہیں اور ایک دین رحمٰن کے لیے، سو صابئین جو فرشتوں کو پوجتے ہیں اور مجوس جو آتش پرست ہیں اور مشرکین جو بتوں کو پوجتے ہیں اور اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ۔ ان سب فرقوں کے دین شیطان کے لیے ہیں۔

(۳) قول سوم: صابئین وہ گروہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے ہیں، امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی قول اقرب الی الصواب ہے اور اس فرقہ کے دو عقیدے ہیں ایک تو یہ کہ خالق عالم تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اس نے حکم دیا ہے کہ ان ستاروں کی تعظیم کی جائے اور ان کو نماز اور دعاء کا قبلہ ٹھہرایا جائے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے افلاک اور کواکب کو پیدا کیا پھر تمام عالَم کے خیر وشر، صحت ومرض کے مدبر یہی کواکب ہیں اور یہی ان سب چیزوں کے خالق ہیں اس لیے بشر پر ان کی تعظیم اور عبادت فرض ہے کیونکہ عالم کے الٰہ اور معبود یہی ہیں اور یہی عالَم کے مدبر ہیں۔ پھر یہ کہ کواکب اللہ کی عبادت کرتے ہیں، کیدانیوں کا یہی مذہب تھا جن کے رد اور ابطال کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ (تفسیر کبیر: 1/ 381)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صابئین کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ موحد تھے مگر تاثیر نجوم کے قائل تھے اور کواکب کو مدبر عالم سمجھتے تھے اسی وجہ سے جب خلیفہ قادر باللہ نے صابئین کے متعلق ابو سعید اصطخری سے دریافت کیا تو ابو سعید نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا۔ (تفسیر قرطبی: 1/ 435)

اور اہل لغت اس شخص کو صابی کہتے ہیں جو ایک دین سے خارج ہو کر دوسرے دین میں داخل ہو گیا ہو اسی واسطے اہل عرب مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ آبائی دین چھوڑ کر ایک نئے دین یعنی دین اسلام میں داخل ہو گئے اور اس فرقہ کو صابئین کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین

موسوی اور دین عیسوی سے نکل کر فرشتوں اور کواکب کی عبادت میں مشغول ہوگئے تھے۔ مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ تفسیر حقانی: 1/190 میں لکھتے ہیں کہ صابی ایک قدیم فرقہ تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور تھا۔ شہر بابل اور نینوا کے لوگ بھی یہی مذہب رکھتے تھے یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتداء کب سے ہوئی اس کا اعتقاد تھا کہ خدا تعالیٰ جو ہر مجرد ہے بندہ کی جو مادی ہے کسی طرح رسائی ممکن نہیں، اس کی پرستش اس کے مظاہر کی پرستش ہے پھر اس کے دو گروہ ہوگئے ایک وہ جو ستاروں اور آفتاب اور ماہتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے دوم وہ جو اصنام کو رب کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے اس لیے یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام کے معبد بنے ہوئے تھے۔ پھر آگے چل کر اور بہت سی شاخیں ہوگئیں۔

ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدماء وید ماننے والے بھی اسی گروہ کی شاخ ہیں پھر ہر ملک میں اور ہر زمانہ میں اس مذہب نے ایک نیا رنگ بدلا اور نیا نام پیدا کیا۔ [1]

کاہن/کہانت/نجومی:

یہ عبرانی لفظ کوہن سے ماخوذ ہے۔ لغوی معنی جوتشی یا قسمت کا حال بتانے والا۔ بعض کاہن جڑی بوٹیوں کے ماہر ہوتے تھے۔ نیز ستاروں کو دیکھ کر آئندہ کا حال بتاتے تھے ستاروں یا آفتاب کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ عرب قبل اسلام میں ان کو بہت اہمیت حاصل تھی اور ہر اہم مسئلہ ان سے دریافت کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ ذو معنی بات کہتے تھے۔ باہمی جھگڑوں میں فیصلہ ان سے کرایا جاتا تھا اور ان کی رائے کو آسمانی فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ خواب کی تعبیر بھی بیان کرتے تھے اور گمشدہ چیزوں کی دریافت میں بھی مدد دیتے تھے۔ اسلام کے بعد یہ لوگ رفتہ رفتہ معدوم ہوگئے۔

☆☆☆

1 (تفسیر معارف القرآن/کاندھلوی: 1/195-196 سورۂ بقرہ آیت نمبر 62)، نیز مزید تفصیل کے لیے سورۂ حج: 5/291 آیت نمبر 17 ملاحظہ کیجیے۔

مزید تفصیل کے لیے معلومات کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

☆......الصابئة فی حاضرهم وماضيهم: عبدالرزاق الحسيني

☆......الفهرست: ابن النديم

☆......اعتقاد فرق المسلمين والمشركين: فخرالدين الرازي

باب ثانی:

فِرق ومکاتب

اس باب میں صرف اسلامی فرقوں، مکتبوں اور مدرسہائے فکر کے حوالے سے مفصل گفتگو پیش کی جائے گی۔(مرتب)

اسلامی فرقے......مختصر مختصر (**)

کسی جماعت یا اجتماعیت کا مختلف گروہوں میں تقسیم ہونا۔ بڑے گروہوں کو فرقہ کہتے ہیں اور چھوٹے گروہوں کو طائفہ کہتے ہیں۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے: ''اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اس اختلاف کی مذمت کرتے ہیں، جو نفسیاتی خواہشات اور کج نگاہی سے شروع ہو اور فرقہ بندی تک پہنچادے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس رسی کو جو "حبل اللہ المتین" ہے پکڑنے کا حکم دیتے ہیں یعنی اتحاد کی تعلیم دی جارہی ہے۔

قرآن مجید اس اختلاف رائے کا مخالف نہیں، جو دین میں متفق اور اسلامی نظام جماعت میں متحد رہ کر محض احکام وقوانین کی تعبیر میں مخلصانہ تحقیق کی بنا پر کیا جائے۔ یہ اختلاف معاشرہ کی ترقی اور زندگی کی عکاسی کرتا ہے اس قسم کے اختلاف کی کئی شاخیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آچکی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس قسم کے اختلاف رائے کو پسند فرمایا ہے کیونکہ یہ اختلاف اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ امت میں غور وفکر، تحقیق اور فہم کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اس صورت میں جو اختلاف رائے سامنے آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں رہ کر قرآن وسنت پر اتفاق رائے کرتے ہوئے دو عالموں یا دو ججوں کے درمیان ہوتا ہے دونوں اپنی اپنی رائے کو مدارِ دین نہیں بناتے اور نہ اپنی رائے سے اختلاف کرنے والے پر کفر کا فتویٰ صادر کرتے ہیں، بلکہ دونوں اپنے اپنے دلائل کے ذریعے کسی مسئلہ پر اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور دونوں میں سے کسی بھی رائے کو اپنایا جاسکتا ہے۔

(**) فرقوں کی ابتداء میں یہ جامع اور مختصر خلاصہ بطور تقدیم وتمہید قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

حدیث اور تاریخ کی کتابوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی مسئلہ پر ایسا صحت مند اختلاف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان بھی ہوا اور بعض مسائل پر مشورہ کے دوران صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اختلاف کیا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان قرآن مجید کی آیات کی تفسیر میں بھی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ لیکن ایسے کسی اختلاف کی وجہ سے کسی صحابی نے امتِ مسلمہ سے ہٹ کر اپنا کوئی الگ سا گروہ یا فرقہ نہیں بنایا، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے آگاہ تھے کہ دین میں تفرقہ بندی کرنے والے ظالم ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اتحاد و اتفاق کا حکم دیا ہے اور اختلاف وتفرقہ سے منع فرمایا ہے، بایں ہمہ امت میں جو اختلاف اور بہت سے فرقے پائے جاتے ہیں ان سے کافی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا ازالہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ اختلاف کو اصولی طور پر رکھا جائے اور اختلاف رائے ہونے کی وجہ سے دوسروں سے نفرت نہ کی جائے۔ یہ دونوں قسم کے نقطۂ نظر افراط وتفریط پر قائم ہیں۔

درحقیقت تعبیر میں اختلاف نفسانی اغراض اور تعصب پر مبنی ہو تو یہ مستقل فرقہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اس کی واضح مثال اس طرح ہے کہ عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں جو اختلافات ہوئے ان کا ذکر شہرستانی نے اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں کیا ہے۔

١۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں قلم، دوات طلب کرنے کا واقعہ۔

٢۔ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا مسئلہ۔

٣۔ رسول کریم کی وفات کہ کیا آپ وفات پاسکتے ہیں یا نہیں؟

٤۔ آپ کو دفن کہاں کیا جائے۔

٥۔ خلافت کی منتقلی کا مسئلہ۔

٦۔ فدک کا معاملہ۔

٧۔ مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ۔

٨۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا۔

۹۔ تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں شوریٰ کا اختلاف۔

۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اختلافات چونکہ یہ تمام اختلافات ایک نئی صورت حال میں تعبیر کی تلاش میں اصولی نوعیت کے تھے اور ان کی بنیاد حق اور اخلاص پر تھی۔ اس لیے ان اختلافات کی وجہ سے مستقل فرقے نہیں بنے۔

بعض حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو فرقہ بندی کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میری امت بنی اسرائیل کی طرح فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ [1]

یہ حدیث ہر لحاظ سے واجب الاحترام ہے، لیکن اس کی تعبیر کرتے وقت فرقوں کی کثرت کو ناگزیر بنانا زیادتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کی مثال بیان فرما کر مسلمانوں کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی حدود کو پھلانگ کر آپس میں تفرقوں کی صورت نہ پیدا کر لینا، کیونکہ تفریق کی وجہ سے بنی اسرائیل تباہ ہوئے۔ اس حدیث مبارکہ میں فرقوں کے لیے ترغیب نہیں دی گئی اور نہ ہی فرقوں کے لیے اس حدیث سے جواز نکلتا ہے، بلکہ "ولا تفرقوا" (آل عمران:۱۰۳) کی روشنی میں فرقے بنانے کے خطرناک انجام سے بنی اسرائیل کی تمثیل کے ذریعے متنبہ کیا ہے۔

اختلاف ایک فطری امر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے طبائع اور اذہان میں ایک دوسرے سے فرق رکھا ہے، مسلمانوں میں سیاسی اور عقائد کے معاملات پر اختلافات ہوئے ہیں، لیکن ہر اختلاف سے فرقہ پیدا نہیں ہوتا۔ دیانت دارانہ اختلاف رائے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ذریعے مختلف احکامات کی تعبیر کے لیے اجتہاد کے دروازے کھلتے ہیں اور دین کے حقائق واضح و روشن ہو کر سامنے آئے ہیں۔ اختلاف رائے نہ ہونے سے امت میں جمود پیدا ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف اکثر سیاسی مسائل ہی پر ہوا۔ مسلمانوں کے دینی اختلافات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] کتاب الفتن ابن ماجہ حدیث/3992، موسوعۃ الکتب الستۃ/2716۔

۱۔اصولی اختلافات: اسلام کے سیاسی نظام یعنی امامت وخلافت کے مسئلہ پر اختلاف،جس سے دو گروہ سامنے آئے۔اہلِ سنت اور شیعہ۔

۲۔ہنگامی نوعیت کے اختلافات: عقائد کے مسئلہ پر چند متشدد نقطۂ نگاہ رکھنے والے مسالک، جواب موجود نہیں ہیں۔مثلاً، جبریہ، قدریہ، معتزلہ وغیرہ۔

۳۔فقہی اختلافات: فروعی مسائل پر فقہی مسالک۔مثلاً اہلِ سنت میں ائمہ اربعہ کے مذاہب اور دوسرے مذاہب،جن میں شیعہ مذہب کے علاوہ بیشتر کا اب مستقل اور قابلِ ذکر وجود نہیں رہا۔

۴۔سیاسی اور قبائلی اختلافات۔

جو اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث سے مسلمانوں میں ۷۳ فرقوں کے جواز کی صورت نکالتے ہیں اور جب وہ فرقوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں، تو فرقوں کی تعداد ۷۳ سے بھی زیادہ ہوجاتی ہیں۔ اختلاف رائے میں شدت کی وجہ سے اب تک سینکڑوں فرقے بنے اور مٹ بھی گئے ہیں۔شاہ عبدالعزیز دہلوی نے صرف شیعہ مسلک کے ۷۳ سے زائد فرقوں کا اپنی کتاب ''تحفہ اثنائے عشریہ'' میں ذکر کیا ہے۔

ابتداء میں فرقوں کی تعداد کم تھی۔پھر بعد کے ادوار میں کثرت کا تاثر پیدا ہوگیا، چنانچہ معمولی اختلافات کی بناء پر ذیلی مسالک کو مستقل فرقوں کا نام دے دیا گیا۔

الاشعری (م ۳۲۴ھ/۹۳۶ء) نے اپنی کتاب ''مقالات الاسلامیین'' میں ایسے مسائل کا ذکر کیا ہے، جو وجہ اختلاف بنے۔ان میں مسئلہ امامت کا ذکر سب سے پہلے ہے، اس مسئلہ کی حیثیت بنیادی ہے۔ کیونکہ طرز حکومت کے معاملہ میں اب تک وہی دو نقطۂ نظر کارفرما ہیں۔ایک موقف شخصی موروثی طرزِ حکومت یعنی شیعوں کا امامت کے متعلق نظریہ، دوسرا موقف شورائی نظام یعنی خلافت۔یہاں تک کہ مسئلہ امامت پر نزاع تمام اختلافی معاملات میں نظر آتا ہے۔شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنگ جمل اور جنگ صفین اور بعد کے معاملات مین اصولی وجۂ نزاع تھی جو مختلف احوال مقامات اور اشخاص سے متعلق ہوکر نئی نئی ذیلی شاخوں میں پھیلتی چلی گئی۔

مقالاتِ اسلامیین میں مذکور فرقوں کا اگر بغور تجزیہ کیا جائے ،تو معلوم ہوتا ہے کہ اصولی فرقے تھوڑے

ہیں۔لیکن ذیلی نقطۂ نظر کی وجہ سے فرقوں کی کثرت معلوم ہوتی ہے۔اصولی فرقوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نظر نہیں آتی۔

۱۔اہلِ سنت (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔اصحاب الحدیث واہل حدیث) وغیرہ۔

۲۔شیعہ۔(علویہ، زیدیہ، امامیہ، اسماعیلیہ وغیرہ)

۳۔خوارج۔(ریاضیہ، اباضیہ، ازارقہ وغیرہ)

۴۔مرجیہ۔(امامیہ، شاکیہ، تارکیہ وغیرہ)

۵۔معتزلہ۔

اہلِ سنت کے عروج کے بعد مرجیہ اور معتزلہ آہستہ آہستہ اصولی فرقوں میں مدغم ہو گئے۔ابو منصور عبدالقاہر بن محمد البغدادی (م ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء) نے اپنی کتاب "الفرق بین الفِرق" میں اہل سنت کے علاوہ ۷۳ فرقوں کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ شیعوں خوارج اور قدریہ کے بیس بیس، مرجیہ کے دس، نجاریہ اور کرّامیہ کا ایک ایک فرقہ ہے۔عبدالقاہر البغدادی فرقوں کی مزید تقسیم اس طرح کرتا ہے۔

۱۔فرق الأہواء الضالۃ، خواہشات نفسانی پر قائم گمراہ فرقے۔

۲۔الفرقۃ الناجیۃ

شہرستانی نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں بیان کیا ہے کہ اصل فرقے تو چار ہیں اور باقی ان میں سے نکلے ہیں اور ان فرقوں کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔

۱۔قدریہ ۲۔صفاتیہ ۳۔خوارج ۴۔شیعہ۔

بہر حال امت مسلمہ کے ان فرقوں میں بڑے فرقے صرف دو ہیں سنی اور شیعہ۔یہ افکار و عقائد میں ایک دوسرے کے نسبتاً قریب ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ حدیث میں یہ بھی بیان ہوا کہ ۷۳ فرقوں میں ایک فرقہ ناجیہ ہوگا اور باقی ۷۲ فرقے جہنم میں جائیں گے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوال کرنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ناجی فرقہ وہ ہوگا، جو میرے اور میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے

طریقہ پر چلے گا۔ مسلمانوں میں موجود ہر فرقہ خودکو "ناجی" فرقہ کہلواتا ہے۔ 1

اہل سنت یعنی سنیوں میں دین کے فروعی مسائل کے نقطۂ نگاہ سے چار مشہور مسلک ہیں، جو اپنے ائمہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کو اصطلاحاً مقلد بھی کہتے ہیں۔

اہلِ تقلید:

۱۔ حنفی: جو امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عراق کے دارالحکومت کوفہ میں ۸۰ھ/۷۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا ہے۔ وہ فقہ میں "امام اعظم" تسلیم کیے جاتے ہیں اور ان کے دو شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد حنفی فقہ کے مدوّن مانے جاتے ہیں۔ حنفی ترکی، وسطی ایشیا اور شمالی ہند کے علاقے (پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ) میں پائے جاتے ہیں۔ 2

۲۔ شافعی: جو امام محمد بن ادریس الشافعی کے پیروکار ہیں۔ امام شافعی فلسطین کے علاقہ عسقلان میں ۱۵۰ھ/۷۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ شافعی مصر اور جنوبی ہند کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ 3

۳۔ مالکی: امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے پیروکار ہیں۔ امام مالک مدینہ میں ۹۵ھ/۷۱۴ء میں پیدا

---

1 تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں:

☆ ... الملل والنحل

☆ ... مقالات الاسلامیین

☆ ..... تحفہ اثناعشریہ

☆ ..... الفرق بین الفرق

☆ ..... الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة

☆ ..... اختلاف امت اور صراط مستقیم

2 الأعلام لزرکلی ج: 36/8، تاریخ بغداد ج: 13/ 323-423، دائرہ معارف اسلامیہ ج: 1/ 330-332، الانتقاء لابن عبدالبر/122-171۔

3 الأعلام لزرکلی ج: 26/6، تذکرة الحفاظ ج: 329/1، تهذیب التهذیب ج: 25/9، الوفیات ج: 447/1، حلیة الأولیاء ج: 63/9، طبقات الشافعیة ج: 251/1۔

ہوئے۔ان کی امام ابوحنیفہ سے بھی ملاقاتیں ہوئی ہیں اور وہ اپنے وقت کے نامور عالم تھے۔مالکی مراکش اور افریقہ کے ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ 1

۴۔ حنبلی: جو امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل کے پیروکار ہیں۔امام حنبل بغداد میں ۱۶۴ھ/۷۸۰ء میں پیدا ہوئے۔وہ امام شافعی کے شاگرد ہیں۔حنبلی، مشرقی عرب اور افریقہ کے بعض ممالک میں پائے جاتے ہیں۔ 2

''وہابی'' نام سے معروف مسلک کے پیروکار بھی حنبلی مسلک سے ہی نکلے ہیں، جو بعض مسائل میں محمد بن عبدالوہاب کی تقلید کرتے ہیں۔

ان چار اہلِ سنت کے مسالک میں سے کئی اور فرقے بھی بنے ہیں۔اکثر علماء امت مسلمہ میں فرقوں کی تقسیم کو مانتے ہیں۔شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اسلام میں ۱۵۰ فرقوں کو بیان کرتے ہیں ''غیاث اللغات'' میں اسلام کے ۷۳ فرقوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک ناجیہ فرقہ اہلِ سنت کا ہے باقی چھ گروپوں میں تقسیم ہیں۔

(۱)رافضیہ (۲)خارجیہ (۳)جبریہ (۴) قدریہ (۵) جہمیہ (۶)مرجیہ۔

پھر ان میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ گروہ ہیں۔

رافضیہ فرقے حسب ذیل ہیں:

(۱)علویہ: جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی کہتے ہیں۔(۲) ابدیہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شریک نبوت سمجھتے ہیں۔(۳)شیعہ: جو کہتے ہیں کہ جو شخص حضرت علی کو تمام صحابہ سے افضل نہ سمجھے وہ کافر ہیں۔(۴) اسحاقیہ: جو کہتے ہیں کہ نبوت ختم نہیں ہوئی۔(۵) زیدیہ: نماز کی امامت میں سوائے اولادِ علی رضی اللہ عنہ کے اور کوئی شخص نہیں چاہتے۔(۶) عباسیہ: جو عباس بن عبدالمطلب کے سوا اور کسی کو امام نہیں سمجھتے۔(۷)امامیہ: جو زمین کو امام سے خالی نہیں جانتے اور نماز صرف بنی ہاشم کے پیچھے ہی پڑھتے

---

1 الأعلام لزركلي ج: 257/5،الديباج المذهب ج: 439/1، تهذيب التهذيب ج: 5/10، الانتقاء ج 47/9، حلية الأولياء ج: 316/6۔

2 الأعلام لزركلي ج: 203/1،ابن عساكر ج: 28/2، حلية الأولياء ج: 161/9، ابن خلكان ج: 17/1، تاريخ بغداد ج: 412/4، البداية والنهاية ج: 10/325-343۔

ہیں۔(۸) نادسیہ: جوشخص اپنے آپ کو دوسرے پر فاضل جانے وہ کافر ہے۔(۹) تناسخیہ: جب جان قالب سے نکل جاتی ہے تو جائز ہے کہ دوسرے قالب میں چلی جائے۔(۱۰) لاعنیہ: جو حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعنت کرتے ہیں۔(۱۱) راجعیہ: جو کہتے ہیں کہ حضرت علی پھر دنیا میں آئیں گے۔(۱۲) مرتقصیہ: جو کہتے ہیں کہ مسلمان بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنا جائز ہے۔

خارجیہ فرقے حسب ذیل ہیں:

(۱) ازرقیہ: جو کہتے ہیں کہ خواب میں کوئی شخص نیکی نہیں دیکھتا کیونکہ وحی منقطع ہوگئی ہے۔ (۲) ریاضیہ: جو کہتے ہیں کہ ایمان قول صالح، عمل صالح، نیت اور سنت ہے۔(۳) ثعلبیہ: جو کہتے ہیں کہ ہمارے کام اللہ تعالیٰ کے خواب میں حاصل ہوئے ہیں نہ کہ اس کی قدرت اور خواہش سے۔(۴) خازمیہ: جو صرف فرضیت ایمان کے قائل ہیں۔(۵) خلفیہ: کہتے ہیں کہ کفار کے مقابلے سے بھاگنا جو دو چند ہوں، کفر ہے۔(۶) کوزیہ: جو کہتے ہیں کہ سوائے زیادہ ملنے کے بدن پاک نہیں ہوتا۔(۷) کنزیہ: جو کہتے ہیں کہ زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔(۸) معتزلہ: کہتے ہیں کہ شر تقدیر الٰہی سے نہیں ہے اور نماز امامت فاسق سے جائز نہیں ہوتی اور ایمان کسب بندہ سے ہے اور قرآن مخلوق ہے اور مُردوں کو دعا اور صدقہ سے نفع نہیں پہنچتا اور معراج بیت المقدس کے آگے ثابت نہیں ہے اور حساب وکتاب ومیزان کچھ نہیں ہے اور فرشتے مؤمنین سے افضل ہیں اور قیامت کے روز دیدارِ حق نہ ہوگا اور کرامتِ اولیاء کوئی چیز نہیں اور اہلِ جنت کے لیے سونا اور مرنا ہے اور مقتول اپنی موت سے نہیں مرتا اور قیامت کی علامات مثل دجال وغیرہ کے کچھ نہیں ہیں۔(۹) میمونیہ: کہتے ہیں کہ ایمان بالغیب باطل ہے۔(۱۰) محکمیہ: کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خلقت پر کوئی حکم نہیں ہے۔(۱۱) سراجیہ: کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے احوال ہمارے لیے حجت نہیں ہیں، بلکہ ان کا انکار کرنا واجب ہے۔(۱۲) خنسیہ: کہتے ہیں کہ بندے کے اعمال کی جزا نہیں ملتی۔

جبریہ فرقے حسب ذیل ہیں:

(۱) مضطریہ: کہتے ہیں کہ خیر وشر خدا کی جانب سے ہے اور بندہ کا اس میں اختیار نہیں ہے۔ (۲) افعالیہ: کہتے ہیں کہ بندہ فعل تو کرتا ہے مگر اسے قدرت واختیار نہیں ہے۔(۳) معیہ: کہتے ہیں کہ آدمی

کے لیے فعل وقدرت ہے لیکن وہ طاقت اور قدرت خدا نے نہیں دی۔ (۴) تارکیہ: کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد اور کوئی چیز فرض نہیں۔ (۵) تحشیہ: کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنا حصہ کھاتا ہے پس کسی کو کچھ دینا ضروری نہیں ہے۔ (۶) متمنیہ: کہتے ہیں کہ خیر وہ خیر ہے جس سے دل تسلی پائے (۷) کستانیہ: کہتے ہیں کہ ثواب وعقاب عمل سے زیادہ نہیں ہوتا۔ (۸) حبیبیہ: کہتے ہیں کہ دوست اپنے دوست کو ہرگز عذاب نہیں کرتا۔ (۹) خوفیہ: کہتے ہیں کہ دوست ہرگز نہیں ڈرتا۔ (۱۰) فکریہ: کہتے ہیں کہ معرفت حق میں فکر کرنا عبادت سے بہتر ہے۔ (۱۱) حسبیہ: کہتے ہیں کہ عالم میں قسمت نہیں ہے۔ (۱۲) حجتیہ: جب کام خدا کی تقدیر سے ہوتے ہیں تو بندے پر کوئی حجت نہیں ہے۔ جس کے سبب وہ گرفتار ہو۔

قدریہ فرقے حسب ذیل ہیں:

(۱) احدیہ: کہتے ہیں کہ فرض کا تو ہمیں اقرار ہے مگر سنت سے انکار ہے۔ (۲) ثنویہ: کہتے ہیں کہ نیکی یزدان سے ہے اور بدی اہرمن سے ہے۔ (۳) کیسانیہ: کہتے ہیں کہ ہمارے افعال مخلوق ہیں۔ (۴) شیطانیہ: کہتے ہیں کہ شیطان کا وجود نہیں ہوتا۔ (۵) شریکیہ: کہتے ہیں کہ ایمان غیر مخلوق ہے، کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ (۶) وہمیہ: کہتے ہیں کہ ہمارے افعال کا کوئی بدلہ نہیں ملے گا۔ (۷) رویدیہ: کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ لڑنا جائز ہے۔ (۸) ستبریہ: کہتے ہیں کہ گناہ گار کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ (۹) قاسفیہ: کہتے ہیں کہ علم، مال، حکمت اور ریاضت کا حاصل کرنا فرض ہے۔ (۱۰) نظامیہ: کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو شے کہنا جائز ہے۔ (۱۱) متوفیہ: کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ شر مقدر ہے یا نہیں۔

جہمیہ فرقے حسب ذیل ہیں:

(۱) معطلیہ: کہتے ہیں کہ اللہ کی صفات مخلوق ہیں۔ (۲) متراعیہ: کہتے ہیں کہ علم قدرت اور مشیت مخلوق ہیں مگر خلق غیر مخلوق ہے۔ (۳) متراقیہ: کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ مکان میں ہے۔ (۴) واردیہ: کہتے ہیں کہ جو دوزخ میں جائے گا وہ پھر وہاں سے باہر نہیں آئے گا اور مؤمن دوزخ میں نہ جائیں گے۔ (۵) حرقیہ: کہتے ہیں کہ اہلِ دوزخ اس طرح جلیں گے کہ ان کا نشان تک بھی دوزخ میں نہ رہے گا۔ (۶) مخلوقیہ: کہتے ہیں کہ قرآن، تورات، انجیل اور زبور مخلوق ہیں۔ (۷) عبریہ: کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ایک عاقل وحکیم شخص تھے، رسول نہیں تھے۔(۸) فانیہ: کہتے ہیں کہ جنت ودوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے۔(۹) زنادقیہ: کہتے ہیں کہ معراج روح سے ہوا تھا نہ کہ بدن سے اور خدا کو دنیا میں دیکھ سکتے ہیں اور عالم قدیم ہیں اور قیامت کوئی چیز نہیں ہے۔(۱۰) لفظیہ: کہتے ہیں ک قرآن قاری کا کلام ہے نہ کلام الٰہی۔(۱۱) قبریہ: عذاب قبر کے منکر ہیں۔(۱۲) واقفیہ: کہتے ہیں کہ قرآن قاری کے مخلوق ہونے کے بارے میں ہمیں توقف ہے۔

مرجیہ فرقے حسب ذیل ہیں:

(۱) تارکیہ: کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد اور کوئی چیز فرض نہیں ہے۔(۲) شائیہ: کہتے ہیں کہ جس شخص نے "لا الہ الا اللہ" کہا وہ جو چاہے کرے اس پر کوئی عذاب نہیں ہے۔(۳) راجیہ: کہتے ہیں کہ بندہ اطاعت سے مقبول اور معصیت سے عاصی نہیں ہوتا۔(۴) شاکیہ: اپنے ایمان میں شک رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روح ایمان ہے۔(۵) نہمیہ: کہتے ہیں کہ ایمان علم ہے جو شخص جمیع اوامر ونواہی کو نہیں جانتا پس وہ کافر ہے۔(۶) عملیہ: کہتے ہیں کہ ایمان عمل ہے۔(۷) منقوصیہ: کہتے ہیں کہ ایمان کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ۔(۸) مستثنیہ: کہتے ہیں کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ مؤمن ہیں۔(۹) اشریہ: کہتے ہیں کہ قیاس باطل ہے اور صلاحیت دلیل نہیں رکھتا۔(۱۰) بدعیہ: کہتے ہیں کہ امیر کی اطاعت واجب ہے اگر چہ وہ معصیت کا حکم ہی کرے۔(۱۱) مشبہہ: کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آدمی کو اپنی صورت میں پیدا کیا۔(۱۲) حشویہ: کہتے ہیں کہ واجب، سنت اور مستحب سب ایک ہیں۔ [1]

☆☆☆

1. اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1156-1159، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/ 60-141، تلبیس ابلیس/18-23، غنیۃ الطالبین/عبدالقادر جیلانی۔

اہل سنت والجماعت/ طائفہ منصورہ

یہ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت کے قائل مسلمان ہیں۔ ان کا بہت بڑا حصہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقلدین، بالخصوص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقلید کرنے والے مسلمان۔ اہل سنت والجماعت خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا علی الترتیب جائز جانشین مانتے ہیں اور ان کے دور کو خلافت راشدہ کا دور تسلیم کرتے ہیں۔ دنیا میں غالب اکثریت اہلِ سنت کی ہے۔ [1]

دی نیشن آف اسلام:

ریاستہائے متحدہ امریکا میں مسلمانوں کی ایک عظیم الشان سیاسی و مذہبی پارٹی ہے، جس کے بانی ومؤسس و پریذیڈنٹ جناب لوئس فرقان صاحب ہیں، جو علی جاہ محمد کے پیروکاروں میں سے ہیں، یہ جماعت علی جاہ کو پہلے نادانستہ طور پر پیغمبر سمجھتی تھی، مگر بعد میں ایک موقع پر دورانِ حج لوئس فرقان نے اس سے رجوع فرما کر عام اہل سنت والجماعت کے افکار و عقائد کے اپنانے کا اعلان کیا ہے، محمد علی اور مالکوم ایکس (مالک الشباز) کا تعلق اسی جماعت سے ہے۔ [2]

---

1. مقدمہ سنن ابن ماجہ کی شرح/صوفی عبدالحمید سواتی۔
2. الرابطۃ الدعوۃ، المجتمع کے مختلف شمارے۔

دیوبندی:

دیوبندی دارالعلوم دیوبند [1] کے فارغ التحصیل یا اس مکتبۂ فکر سے وابستہ لوگوں کو کہتے ہیں۔ دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے پر طالب علم کو سندِ فضیلت اور دستارِ فضیلت ملتی ہے جو سبز رنگ کی ہوتی ہے۔ دیوبندی علماء حنفی ہیں، لیکن عام حنفیوں کے مقابلے میں توحید پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ مقلِد ہیں مگر بدعت سے بچتے ہیں یعنی ﴿وجعلناکم أمة وسطاً﴾ کے مصداق ہیں۔ ان کے اکابر فرماتے ہیں: دیوبندی کے لیے ڈائریکٹ دارالعلوم دیوبند سے مستفید و مستفیض ہونا ضروری نہیں، بلکہ پوری دنیا کے اہلِ حق اور حنیف مسلم دیوبندی ہیں، میں سمجھتا ہوں یہ ایک اچھی تعبیر ہے تاکہ دیوبندیت کے دائرے کو تنگ کرنے کی بجائے وسیع تر کیا جائے۔ [2]

---

1. دارالعلوم دیوبند:
دارالعلوم کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۷ء کو دیوبند کی ایک قدیم مسجد چھتا میں مشہور عالم دین مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء ...... ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) نے چند اہل فضل وتقوی بزرگوں کے تعاون اور مشورے سے رکھی تھی۔ جن میں مولانا فضل الرحمن عثمانی (علامہ شبیر احمد عثانی کے والد)، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (شیخ الہند کے والد) اور حاجی عابد حسین کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس درسگاہ کے پہلے مدرس محمود دیوبندی، پہلے طالب علم محمود الحسن، پہلے صدر المدرسین مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور پہلے سرپرست مولانا محمد قاسم نانوتوی مقرر ہوئے۔ دارالعلوم کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں رکھا۔ یہ درسگاہ مندرجہ ذیل مقاصد کے پیش نظر قائم کی گئی تھی۔ (۱) آزادی ضمیر اور اعلائے کلمۃ الحق۔ (۲) مسلمانوں کو ایک جمہوری عوامی تنظیم میں پرونے کی جدوجہد کرنا۔ (۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مسلک کی حفاظت واشاعت۔ (۴) مسلم معاشرے سے خودغرضی اور استبداد کا خاتمہ۔ (۵) علوم دینی کا احیاء۔ (۶) علوم عقلیہ کی صحیح ترتیب۔ (۷) دین میں مہارت کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کے تقاضے پورے کرنے والے علماء تیار کرنا۔
درسگاہ کی مالی ضروریات کے سلسلے میں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے آٹھ اصول مقرر کیے جن کا مقصد یہ تھا کہ حکومت وقت اور امراء اغنیا کے تسلط سے درسگاہ آزاد ہو۔ دارالعلوم دیوبند کے نظم ونسق کے لیے ایک مجلس شوریٰ ہے۔ مجلس انتظامیہ ہے۔ ایک مہتمم (رئیس الجامعہ) ہے۔ شیخ الحدیث یا صدر المدرسین کا منصب ممتاز اہل علم وتقوی کو ملتا ہے۔ اس درسگاہ میں دورۂ حدیث کی بڑی شان ہے۔ اس میں دور دراز کے طالب علم مبادیات کی تکمیل کے بعد شریک ہوتے ہیں۔ تیرہویں صدی ہجری انیسویں صدی عیسوی کے دوران میں دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد میں تین مختلف النوع دینی ادارے موجود تھے۔ دہلی کے ادارے تفسیر اور حدیث کی تعلیم پر زور دیتے تھے۔ لکھنؤ فقہ پر اور خیرآباد علم الکلام اور فلسفے کے لیے مخصوص تھا۔ دیوبند ان تینوں کے امتزاج کی نمائندگی کررہا ہے۔ دیوبند میں بلاد اسلامیہ کے مختلف حصوں سے طلباء آتے رہتے ہیں۔ ہزاروں طلبہ کے قیام کا بندوبست ہے۔ دارالعلوم کی عمارت ایک مسجد، ایک کتب خانے اور حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ کے متعدد درسی کمروں پر مشتمل ہے۔ دیوبند کے کتب خانے کا شمار ہندوستان میں مخطوطات کے بڑے بڑے کتب خانوں میں ہوتا ہے۔ اس میں ستر ہزار کتابیں موجود ہیں۔
مولانا قاسم نانوتوی تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد تھے دیوبندی فقہی مذاہب میں سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں۔ قرآن وسنت پرسختی سے عمل پیرا ہونے کے علاوہ ان کا تصوف سے بھی گہرا تعلق ہے۔ اکثر علماء دیوبند روحانی مسلک کے لحاظ سے حاجی امداد اللہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں جو نقشبندی، چشتی، قادری اور سہروردی چاروں سلسلوں سے منسلک تھے۔ عقائد وعلم الکلام میں امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کے مقلد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت پر ایمان رکھتے ہیں۔ کثرت درود کو عین ثواب سمجھتے ہیں۔ دین میں غلو اور انتہا پسندی کی بجائے اعتدال کے قائل اور عامۃ المسلمین کی تکفیر سے اجتناب لازم سمجھتے ہیں۔
دیوبندی علماء کرام نے تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ آزادی ہند کے لیے ریشمی رومال کی تحریک شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے منظم کی تھی۔ تحریک خلافت میں بھی دیوبندیوں نے بڑا حصہ لیا۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں دیوبندی دو حصوں میں منقسم تھے۔ ایک حصے نے قیام پاکستان کی مخالفت کی اور دوسرے حصے نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ ظفر احمد عثمانی، علامہ شبیر احمد عثانی اور مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے تحریک پاکستان کی قیادت کی اور پاکستان کے مختلف مقامات پر علمی مراکز قائم کیے۔

2. علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج/ قاری طیب صاحب، المہند علی المفند/ مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب، براہین قاطعہ۔

اہل حدیث

یہ اہل سنت والجماعت کا ایک فرقہ ہے۔ یہ حدیث کی تائید کے لیے تعامل کو ضروری نہیں سمجھتا اور نہ حدیث کے درست ہونے کے بارے میں شہرتِ حدیث کی شرط لگاتا ہے، بلکہ سندِ حدیث اور متن کا صحیح ہونا مشروط قرار دیتے ہیں۔ اہل حدیث کے نزدیک اگر کسی حدیث کا سلسلۂ اسناد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے تو اُسے بلا عذر صحیح تسلیم کر لیتے ہیں، حدیث کی متابعت اہل حدیث کے نزدیک قرآن شریف کی آیات کے اتباع کے برابر ہے، آج کل اہل حدیث وہ کہلاتے ہیں جو فقہ کے چار ائمہ میں سے کسی کے مقلد نہیں، اس بنا پر انہیں غیر مقلد یا لا مذہبی بھی کہا جاتا ہے۔ خود یہ لوگ اپنے آپ کو سلفی، اثری اور اہل حدیث کہتے ہیں۔

پہلے زمانے میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اہل حدیث یا اہل الروایت کہلاتے تھے، ان کے برعکس امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ اہل الرائے کہلاتے تھے، کیونکہ وہ حدیث کو قرآن وعقل پر پرکھتے تھے۔ برصغیر میں اہل حدیث کی تحریک کو شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کی وجہ سے بہت فروغ ملا۔ انہوں نے حج سے واپس آ کر اپنی تبلیغ کا مرکز پٹنہ کو بنایا اور اپنے چار خلیفہ مقرر کیے۔ میاں نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن قنوجی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالجبار غزنوی جو اہل حدیث کے نامور عالم اور مصنف گذرے ہیں۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ تعالیٰ کے بعد یہ تحریک کچھ کمزور پڑ گئی تھی، مولانا ثناء اللہ امرتسری نے امرتسر میں ۱۹۱۲ء میں اہل حدیث کانفرنس کر کے اس تحریک کو از سر نو زندہ کیا۔ پنجاب میں لاہور، فیصل آباد، گوجرانوالہ اور ساہیوال ان کے بڑے مرکز ہیں۔

اہل ظواہر، ظاہریہ، جماعۃ المسلمین، توحیدی، حزب اللہ، جماعتِ اسلامی اور سرسیدی بھی من وجہ اہلِ حدیث کی قسمیں ہیں۔ 1

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا/157، وقفة مع اللامذهبية في شبه القارة الهندية/ غازی پوری، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/263، اللامذهبية/سعيد رمضان بوطي، اللامذهبية خيانات وافتراءات/مولانا ولي خان المظفر، کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ/ مولانا ابن الحسن عباسی، تحفۃ المناظر/مولانا منظور مینگل۔

جماعۃ المسلمین/حزب اللہ/توحیدی:

یہ غیر مقلدین کی ایک جماعت ہے، ان کے کچھ عقائد ونظریات یہ ہیں: تقلید کا انکار، فرقہ بندی شرک ہے، اختلاف امت شرک ہے، اجماع کا انکار، اجتہاد کا انکار، فتووں کا انکار، فقہ کا انکار، لفظ ''خدا'' کہنا جائز نہیں، لفظ ''مولانا'' اللہ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں، ایصال ثواب کا انکار، وسیلہ کا انکار، عذاب قبر کا انکار، خارجیوں کی طرح یہ بھی مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ان کی صفات شیخ ناصرالدین البانی کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے ان کو خوارج کا فرقہ قرار دیا۔ 1

وہابی:

یہ مسلمانوں کا ایک مستقل فرقہ ہے بلکہ محمد بن عبدالوہاب نجدی (۱۷۰۳ء۔۱۷۸۷ء) کے تحریک کو پروان چڑھانے والوں کو یا ان سے منسوب رکھنے والوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔ یہ نام ان کے مخالفین کا دیا ہوا ہے۔ ورنہ وہ خود کو موحّدین اور اپنے فرقے کو طریقت کہتے ہیں۔ عقائد کے لحاظ سے امام احمد بن حنبل اور حافظ ابن تیمیہ رحمہما اللہ کے پیروکار ہیں۔ قرآن، حدیث اور صحاح ستہ کو مانتے ہیں، لیکن بدعات، شرکیات کے سخت مخالف ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کی تعظیم شرک ہے۔ اسی لیے قبروں اور مزاروں کو پختہ بنانا اور ان کی پرستش کرنا بھی ان کے نزدیک شرک ہے۔ دعا میں کسی پیغمبر یا بزرگ کا واسطہ دینا شرک اور قرآن میں تاویل کو گناہ سمجھتے ہیں۔ تسبیح کے دانے گھومانا بھی بدعت سمجھتے ہیں اور نماز باجماعت کو لازمی مانتے ہیں۔ 2

---

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: ''جماعت المسلمین''/سید اکرام الرحمٰن۔

2 تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا منظور نعمانی صاحب کی ''شیخ عبدالوہاب نجدی اور علمائے حق''، الأعلام ج: 6/257، مجلہ الزہرہ ج: 3/417، حاضر العالم الاسلامی، تاریخ نجد الحدیث /The Wahabia، 21، علمائے ہند کا شاندار ماضی/سید محمد میاں: 2/226-235۔

مقلّدین

مسلمانوں کا وہ گروہ جو سمجھتا ہے کہ چاروں اماموں کے بعد مستقل اور مطلق اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور اس کے بعد جو علماء بھی ہوں، ان کے لیے ان چاروں ائمہ فقہ میں کسی ایک کی تقلید [1] کرنا واجب ہے۔ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ غیر مقلدوں کا ہے جو ائمہ اربعہ کی فقہ اور ان کے تفقہ اور اجتہاد کو تسلیم نہیں کرتا اور براہِ راست احادیث سے مسائل کا استنباط کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ [2]

تقلید کی ابتداء اس زمانے میں ہوئی جس زمانے میں مذاہب فقہ کی تدوین ہوئی۔ تقلید کے اسباب میں اہم ترین سبب علماء متاخرین میں مجتہدانہ صلاحیتوں کا فقدان ہے۔ تیسری صدی کے بعد جب اجتہاد مطلق ختم ہو گیا تو فقہائے متاخرین یا عوام کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اکابر متقدمین کی تقلید کے قائل ہو جائیں۔

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تقلید کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک تقلید واجب ہے ایک تقلید حرام۔ چنانچہ جو شخص کتاب وسنت سے ناواقف ہو اور تتبع واستنباط کے ناقابل ہو وہ کسی متقی عالم سے پوچھے کہ فلاں مسئلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے اور جب اسے بتایا جائے تو اس پر عمل کرے۔ یہ تقلید جائز اور واجب ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ اس قسم کی تقلید کی علامت یہ ہے کہ کسی مجتہد کے قول پر گویا اس شرط پر

---

[1] تقلید:

''تقلید'' باب تفعیل کا مصدر ہے، قلادہ ڈالنا، یعنی اپنے گلے میں کسی فقیہ کی فقہی اتباع کا قلادہ ڈالنا۔ کسی ایسے قول کی پیروی کرنا جس کی دلیل وحجت سے مقلد کو واقفیت نہ ہو۔ گویا تقلید یہ ہے کہ انسان کسی غیر کے قول یا فعل کو صحیح مان کر اس کی دلیل پر غور وتامل کیے بغیر اس کا اتباع کرے۔ تقلید اجتہاد کی ضد ہے۔ اتباع اور تقلید میں ایک باریک سا فرق ہے کیونکہ اتباع میں کسی کی پیروی سوچ سمجھ کر اور مقاصد واغراض سے کما حقہ واقفیت حاصل کر کے کی جاتی ہے جبکہ تقلید کی روح محض حسن ظن ہے۔

[2] اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1375، اردو انسائیکلوپیڈیا/943، مصطلحات جامع العلوم/280۔

عمل کیا جائے کہ وہ قول سنت کے مطابق ہو اور پھر تا حد امکان سنت کی تلاش کرتا رہے۔ جب اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس کے مجتہد کا قول کسی قطعی حدیث سے مطابقت نہیں رکھتا تو اس قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرے جیسا کہ اس بات کی طرف ائمہ کرام کا اشارہ بھی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کا قول کہ اگر میری بات کسی حدیث سے ٹکراتی ہو تو اسے پتھر پر دے مارو۔

اگر قطعی حجت کے مل جانے کے باوجود بھی مقلد محض تقلیداً کسی امام کے خلافِ شریعت قول کو نہیں چھوڑتا۔ تو ایسی تقلید ممنوع ہے۔ اس کی شرع میں کوئی اصل نہیں اور نہ قرون سابقہ میں سے کسی نے اس پر عمل کیا۔

☆☆☆

تصوُّف

یہ مسلم فکر کا ایک مکتب ہے صوفی ازم بھی ایک اصطلاح ہے جو کہ مغربی مفکرین کی ایجاد کردہ ہے، مغربی صوفی ازم میں ہر مذہب و دین کا ماننے والا داخل ہوسکتا ہے، بہر حال بعض کے نزدیک تصوف، صوف سے مشتق ہے۔ یعنی وہ لوگ صُوف (گدڑی یا کمبل) کے کپڑے پہنتے تھے اس لیے صوفی کہلائے (جیسے کہ بعد میں سرحد کے خدائی خدمتگاراں بھی صرف کھدّر ہی پہنتے تھے)۔ بعض نے اسے اصحابِ صُفہ سے منسوب کیا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگیاں خدمتِ دین کے لیے وقف کر رکھی تھیں اور بعض نے اسے صفا (پاک) سے مشتق مانا۔ بعض علماء کے نزدیک تصوف کی اصطلاح دوسری تیسری صدی ہجری میں بغداد والوں نے ایجاد کی۔ امام قشیری کی تحقیق کے مطابق یہ لفظ دوسری صدی ہجری میں رواج پاچکا تھا۔ "کشف الظنون" کے مطابق جابر بن حیان یا ابو ہاشم کوفی المتوفی ۱۵۰ھ نے سب سے پہلے یہ لقب اختیار کیا۔ شیخ ابو النصر سریع المتوفی ۳۷۸ھ نے اپنی کتاب "کتاب اللمع" میں لکھا ہے یہ لفظ حسن بصری رحمہ اللہ کے زمانے میں رائج تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ اصطلاحِ حدیث میں جس کو "احسان" کہا جاتا ہے پہلی صدی ہجری کے آخر میں اسی کو تصوّف کہنے لگے۔ ابو القاسم قشیری کے بیان کے مطابق جب مسلمانوں کی حکومت دور دراز ملکوں تک پھیل گئی اور اسلام میں ملوکیت کا آغاز ہوا تو مسلمانوں میں خود بخود دو گروہ بن گئے۔ ایک برسر اقتدار طبقہ دوسرے زُہاد و عباد کا گروہ۔ ابتداء اسلام میں "فقر و جہاد" یکجا تھے۔ مگر بعد میں عرصۂ دراز تک جہاد کی جگہ رنگینیوں نے لے لی اور فقر زُہاد و عباد کے حصے میں آیا اور وہ گوشہ نشین ہوکر عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو مسلمانوں کی کشمکش سے بیزار ہوکر عزلت نشین ہوگئے تھے۔ عباسی دور میں اسلامی تصوّف یونانی رہبانیت اور ہندو لوک سے بھی متاثر ہوا۔ [1]

---

[1] مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/ 298، اسلامی انسائیکلو پیڈیا/ 260، الجماعات الاسلامیة فی ضوء الکتاب والسنة/سلیم الهلالی /89۔

صوفیاء کے نزدیک اسلامی علوم کی دو قسمیں ہیں: ایک ظاہری، دوسری باطنی۔ ظاہری علوم سے مراد شریعت ہے، جو عوام کے لیے ہے اور باطنی علم وہ ہے جو ان کے کہنے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چند صحابہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت ابوذر رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تعلیم کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت سلمان فارسی اور حضرت علی سے حضرت حسن بصری فیض یاب ہوئے۔ صوفیاء کے نزدیک تصوف کے چار درجے ہیں: (۱) شریعت (۲) طریقت (۳) حقیقت (۴) معرفت۔

بعض کے نزدیک طریقت میں پہنچ کر شریعت کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور انسان فنافی الشیخ، فنافی الرسول کی منزلوں سے گزر کر فنافی اللہ کی منزل میں پہنچ جاتا ہے۔ مسلمانوں کے دور انحطاط میں اس میں اور بھی معتقدات شامل ہوتے گئے اور اس کی بے شمار شاخیں بن گئیں۔ تصوف پر بہت سی کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ کی غنیۃ الطالبین، داتا گنج بخش رحمہ اللہ کی کتاب کشف المحجوب اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف بہت مشہور ہیں۔ [1]

قادریہ:

یہ درویشوں کا ایک سلسلہ ہے جو عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (المتوفی ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء) کے نام سے منسوب ہے۔ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حنبلی مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بغداد میں ایک رباط (خانقاہ) اور مدرسہ کے ناظم تھے اور ان دونوں مقامات پر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کے وعظوں کا مجموعہ "الفتح الربانی" کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تباہی کے بعد رباط اور مدرسہ بھی ختم ہو گئے۔ شیخ کے بعد ان کے بیٹے عبدالوہاب (المتوفی ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۶ء) اور عبدالرزاق (المتوفی ۶۰۳ھ/ ۱۲۰۶ء) ان کے جانشین ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس گروہ نے بہت ترقی کی اور پیری مریدی کا سلسلہ مستقل طور پر پھیل گیا۔ پیر اپنے جس مرید کو کامل سمجھتا تھا اُس کو خرقہ دے کر دوسرے مقامات یا ممالک میں مذہب کی اشاعت کے لیے روانہ کر دیتا تھا۔ شیخ کی زندگی ہی میں مختلف مریدوں نے مختلف ممالک میں شیخ کی تعلیمات کی تلقین شروع کر دی۔ پاک و ہند میں بھی طریقت کے دوسرے سلسلوں سے سلسلہ قادریہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

---

1. شریعت و طریقت/ تھانوی رحمہ اللہ، کشاف مصطلحات العلوم/ 466، غنیۃ الطالبین / عبدالقادر جیلانی، کیمیائے سعادت/ امام غزالی، مجالس غزالی، قوت القلوب، منہاج العابدین۔

برصغیر پاک وہند میں یہ سلسلہ حضرت شیخ محمد الحسنی جیلانی، شیخ عبدالقادر ثانی، حضرت شاہ کمال کیتھلی اور حضرت شاہ سکندر محبوب الٰہی رحمہم اللہ کے ذریعے پہنچا۔ برصغیر پاک وہند میں کئی معروف علماء اور صوفی بزرگ اس سلسلہ سے متعلق رہے ہیں۔ 1

سہروردی/سہروردیہ:

سرکردہ صوفی اور سلسلۂ سہروردیہ کے سردار ہے۔ زنجان کے قریب قصبہ (سُہرَ وَرْد) میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں بغداد تشریف لے گئے اور جامعہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کی۔ امام بیہقی، علامہ خطیب بغدادی اور امام قشیری سے حدیث سنی۔ سکندریہ بھی گئے، شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت کا بھی شرف حاصل کیا۔

پھر درس وتدریس کا سلسلہ چھوڑ کر درویشوں کی صحبت اختیار کی اور چلّے اور مجاہدے کیے۔ ۵۴۵ھ میں سلطان مسعود سلجوقی اور خلیفہ بغداد کی استدعا پر مدرسہ نظامیہ کے صدر مقرر ہوئے۔ آپ اکثر سبز چادر اوڑھا کرتے اور خچر پر سواری کرتے تھے۔ مزار بغداد میں ہے۔ مشہور فقیہ ومحدث حافظ ابن عساکر اور امام فخر الدین ابوعلی واسطی آپ کے شاگرد اور مرید تھے۔ (۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء) میں انتقال ہوا، آپ کی تصانیف "عوارف المعارف" اور "جذب القلوب الی مواصلة المحبوب" ہیں۔ 2

نقشبندیہ:

یہ صوفی درویشوں کا ایک سلسلہ ہے جو کہ محمد بہاء الدین بخاری (۱۳۱۷ء۔۱۳۸۹ء) نے جاری کیا۔ نقشبند کے معنی مصور کے ہیں، چونکہ آپ نے حقیقت کی صحیح تصویر پیش کی اس واسطے آپ کے مرید اس سلسلہ کو نقشبندیہ کے نام سے پکارنے لگے۔ اصولوں کے لحاظ سے یہ لوگ حضرت اویس قرنی رحمہ اللہ کی طریقت سے زیادہ مشابہ ہیں۔ آپ کے ایک شاگرد صالح بن مبارک نے آپ کے بارے میں ایک کتاب "مقامات سیدنا شاہ نقشبند" لکھی ہے، جس میں آپ کے حالات اور ذکر کے طریقے بیان کیے ہیں۔ آپ سے قبل محمد بابا سنوی کے ہاں ذکر بآواز بلند کیا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے اس بارے میں مرشد سے اختلاف کیا

---

1 دائرہ معارف اسلامیہ، اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

2 المنجد فی الأعلام، اردو انسائیکلوپیڈیا/618، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/965۔

اور ذکر خفی کو زیادہ بہتر سمجھا۔ مرشد کچھ عرصہ تک تو ان سے اختلاف کرتے رہے لیکن مرتے وقت انہوں نے آپ کو ہی اپنا جانشین مقرر کر دیا اور خلیفہ قرار دیا۔ اول اوّل اس سلسلہ نے وسط ایشیا ترکستان اور بخارا میں ترقی کی اور اس کے بعد پاک وہند اور دوسرے ممالک میں بھی پھیل گیا۔ پاکستان کے مختلف مقامات میں نقشبندیوں کے مراکز موجود ہیں۔ 1

چشتیہ:

یہ بھی فقراء اور درویشوں کا مسلک اور سلسلہ ہے جس کے بانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نویں پشت میں ایک بزرگ جناب ابواسحاق تھے۔ بعض روایات کے مطابق یہ بزرگ ایشیائے کوچک سے آئے اور چشت نام کے ایک گاؤں میں جو علاقہ خراسان میں ہے مقیم ہوئے۔ بعض کے نزدیک شام میں اقامت پذیر ہوئے اور وفات پر وہیں دفن ہوئے۔

بعض لوگ اس سلسلے کا بانی حضرت غریب نواز رحمہ اللہ کو قرار دیتے ہیں۔ کئی لوگ چشت کے خواجہ احمد ابدال کو اس کا بانی سمجھتے ہیں اور پاک وہند میں اس کا مبلغ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کو قرار دیتے ہیں جن کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تھے ان کے خلیفہ بابا فرید شکر گنج رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جو ۶۶۸ھ بمطابق ۱۲۳۵ء میں فوت ہوئے ان کا مزار پاک پٹن ضلع ساہیوال (پاکستان) میں ہے۔ بابا فرید رحمہ اللہ کے دو مرید تھے علی احمد صابری جن کا مزار رڑکی کے قریب پیران کلیر میں ہے اور ان کے پیرو صابری چشتی کے نام سے موسوم ہیں۔ ان کے دوسرے ممتاز مرید نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تھے جن کا مزار دہلی میں ہے۔ ان کے پیرو نظامی کہلاتے ہیں۔ 2

حلولیہ:

یہ متصوفہ سبطلہ کا ایک فرقہ ہے۔ اس فرقہ کے لوگ عورتوں اور بغیر داڑھی کے لڑکوں کو دیکھنا بالکل جائز خیال کرتے ہیں۔ یہ سماع اور رقص کے شوقین ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے جو ہم پر نازل ہوئی ہے۔ اسی لیے جائز اور حلال ہے۔ بعض لوگ درویشانہ لباس پہن کر آہیں بھرتے ہیں۔ شور وشغب

---

1 دائرہ معارف اسلامیہ اور اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

2 مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا/306-308۔

مچاتے ہیں اکثر اوقات گریبان اور آستینیں تک پھاڑ دیتے ہیں۔

حلولیہ فرقہ کے لوگ ابی حلمان دمشقی سے عقیدت رکھتے ہیں۔علماء اور مشائخ اس فرقے کو دین سے خارج قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان کے نظریات وخیالات واعتقادات بدعت اور کفر کے قریب تر ہیں۔وہ حلولیہ فرقے کے لوگوں کے بارے میں یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ روح کے ایک جسم سے دوسرے جسم میں حلول کرنے کے نظریہ کو درست خیال کرتے ہیں۔ 1

قرآن پاک میں آیا ہے کہ "حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا چیز ہے۔" 2

حریریہ:

یہ دمشق میں رفاعیہ درویشوں کا ایک صوفی فرقہ ہے۔اس فرقے کا بانی علی بن حسن حریری تھا جو ۶۴۵ھ/۱۲۴۷ء میں حوران کے شہر بصریٰ میں فوت ہوا، وہ وحدت الوجود کا قائل تھا۔اس کے غالی عقیدے کو شاعر نجم الدین ابن اسرائیل نے جس انداز میں بیان کیا ہے اسے ابن تیمیہ نے ایک فتوے کے ذریعے ناجائز قرار دیا تھا۔ 3

احباب/تجانیہ:

یہ صوفیاء کا ایک سلسلہ ہے جس کا بانی ابوالعباس احمد بن محمد التجانی تھا۔اس سلسلے کا بانی احمد (عین ماضی) نامی گاؤں میں پیدا ہوا۔والدین ایک بیماری سے وفات پا گئے۔ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی۔ بعد میں فاس اور ابیض کا سفر بھی اسی مقصد کے لیے کیا اور وہاں پانچ سال تک علم کی تحصیل کی۔ بعد میں تلمسان، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور قاہرہ کا سفر بھی کیا۔اس دوران میں وہ قادریہ طیبہ اور جلوتیہ سلسلوں میں داخل ہو چکا تھا۔ یہاں اس سے محمود الکردی کے ایما پر ایک نیا سلسلہ قائم کیا۔قاہرہ سے وہ (۱۱۹۶ھ/۱۷۸۲ء) میں بوسمغوان کے نخلستان میں آیا یہاں اس کے قول کے مطابق خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

2 سورۂ یونس/29۔

3 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

اسے یہ نیا سلسلہ جاری رکھنے کا حکم فرمایا۔ یہاں سے احمد ۱۲۱۳ھ/ ۱۷۹۸ء میں فاس چلا گیا۔ یہیں اس نے ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء میں وفات پائی۔

تجانیہ کے پیروکاروں کو احباب کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ کسی اور طریقے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اس سلسلے کے پیروکاروں کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کی جائے۔ ذکر کے ضمن میں یہ چند مخصوص کلمات کو مخصوص اوقات میں بار بار دہراتے ہیں۔

احمد کی وفات کے بعد اس کے پیروکاروں میں اختلاف بڑھ گئے۔ تجانی زاویے کا شیخ علی بن عیسیٰ جسے احمد نے خود خلیفہ نامزد کیا تھا اس کے دونوں بیٹوں محمد اصغر اور محمد اکبر کو لے کر عین ماضی آ گیا کیونکہ جس محل میں احمد رہتا تھا وہاں ایک نئے پیر امیر یزید بن ابراہیم کا قبضہ ہو گیا تھا۔ سیدی علی بن عیسیٰ احمد کے بیٹوں کو عین ماضی میں چھوڑ کر خود تماسین چلا گیا۔ جب محمد کبیر ایک حملے میں مارا گیا تو اس نے محمد صغیر کو تجانیہ سلسلے کی اشاعت و تبلیغ کی ہدایت کی۔ اس کی تبلیغ اور اشاعت کے صلے میں یہ سلسلہ بہت پھیل گیا۔ اور اس کی دولت وطاقت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ لیکن اب انہوں نے فوجی کارروائیوں میں حصہ نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرانسیسیوں نے الجزائر پر حملہ کیا تو انہوں نے ان کے مقابلے میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔

۱۸۳۶ء میں امیر عبدالقادر نے جو فرانسیسیوں کو ملک سے باہر نکالنا چاہتا تھا تجانیہ سلسلے کے پیروکاروں کی امداد چاہی تو ان کے امیر نے جواب دے دیا کہ میں اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا اور ذکر و فکر کی خاموش زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔

علی بن عیسیٰ نے جب ۱۸۴۴ء میں تماسین میں انتقال کیا تو اس کے بعد اس کا بیٹا باقی شیخ چنا گیا اور اس کے انتقال پر علی کا پوتا محمد العائد اس سلسلے کا شیخ بنا اس کے بعد اس کے دو بیٹے احمد اور البشر اس سلسلے کے شیخ تھے۔

اگرچہ اس سلسلے کی اشاعت مصر، عرب اور ایشیا کے دوسرے شہروں میں بھی ہوئی لیکن جو ترقی اسے فرانسیسی افریقہ میں نصیب ہوئی اور کسی جگہ پر نہیں ہوئی ایک مبلغ محمد الحافظ بن مختار نے اس سلسلے کی نشر و اشاعت نہایت کامیابی سے کی اس نے مراکش کے انتہائی جنوب کے اہلِ صحراء میں اس سلسلے کو روشناس کرایا اور ایک بڑی تعداد اس سلسلے میں داخل ہوئی۔ ایک اور مبلغ الحاج عمر نے فرانسیسی (گنی) میں اس سلسلے

کی اشاعت کی، جہاں جہاں یہ سلسلہ موجود ہے وہاں وہاں اس نے قادریہ سلسلے کی جگہ لے لی ہے۔

تجانیہ سلسلے کے اعمال واشغال کے سب سے اہم مجموعے کا نام "جواھر المعانی وبلوغ الامانی فی فیض الشیخ التجانی" ہے۔ اس سلسلے کی دوسری کتاب مشہور بزرگوں کے تراجم کی مجم ہے۔ اس کا نام "کشف الحجاب" ہے۔ 1

حکیمیہ:

یہ ایک فرقہ ہے۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی الحکیم ترمذی رحمہ اللہ کے پیروکار حکیمیہ کہلاتے ہیں۔ ابوعبداللہ محمد ظاہری اور باطنی علوم میں اپنے وقت کے اماموں میں سے ایک تھے، انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جنہیں حکیمیہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے افراد قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے زیادہ تر کلام اور طریقت کی بنیاد ولایت پر ہے۔ آپ ولایت اولیاء کے درجات اور ان کی ترتیب کی رعایت کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ایک بالکل الگ تھلگ سمندر کا ناپید کنارہ ہے جس میں بہت سے عجائبات پوشیدہ ہیں۔

حکیمیہ فرقہ کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اولیاء ہیں جن کو اس نے اپنی مخلوق میں سے چن رکھا ہے۔ خدا نے ان لوگوں کے ارادہ کو دنیا کے تمام تعلقات سے الگ اور نفس کے تقاضوں سے آزاد کر لیا ہے ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ درجوں پر فائز کر کے ان پر اپنے اسرار و معارف کا دروازہ کھول دیا ہے۔ 2

حلمانیہ:

یہ صوفیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ اس کے بانی ابوحلمان الفارسی الحلمی کو کلاباذی کی تصنیف "التعریف" میں صوفی شیوخ میں سے تسلیم کیا گیا ہے۔ مگر اشاعرہ نے اسے بعض عقائد کی بنیاد پر اسلام سے خارج کر دیا۔ ابوحلمان کے عقیدے یہ تھے:

۱۔ خدا جسمانی طور پر خوب صورت اشخاص کے اندر موجود ہے۔

۲۔ ہر چیز اس شخص کے لیے جائز ہے جو یہ جانتا ہو کہ اس چیز میں ذاتِ باری تعالیٰ کی پرستش کس طرح کی جائے۔ 3

---

1 اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔

2 اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔

3 اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔

سلسلۂ روحانیہ/ روشنیہ/ بایزید انصاری/ پیر تاریک:

(۹۳۲ھ/ ۱۵۲۵ء۔ ۹۸۰ھ/ ۱۵۷۲ء) پیر روشاں یا پیر تاریک، پاکستان کے صوبہ سرحد کے ایک عجیب وغریب صوفی جالندھر میں پیدا ہوئے۔ نسلاً پٹھان تھے۔ سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاری سے جا ملتا ہے۔ ان کی زیادہ تر توجہ صوفیانہ ریاضتوں اور دوسرے مذہبی فرائض کی معلومات حاصل کرنے کی طرف رہی۔ چنانچہ سولہ برس کی عمر میں خواجہ اسماعیل سے ملاقات ہوئی۔ چنانچہ انہیں خواب نظر آنے لگے۔ ایک خواب میں انہوں نے خضر سے ملاقات کی اور ان سے آب حیات لے کر پیا۔ اب بایزید ذکر خفی میں منہمک ہوگئے اور ایک عرصہ تک اسم اعظم کا ورد بھی کیا۔

بایزید نے تبلیغ کا کام شروع کیا تو ان کی بہت زیادہ مخالفت ہوئی۔ تاہم ان کی قبائل بنگش تک رسائی ہوگئی۔ اس کے بعد انہوں نے اور کزیوں تیراہیوں اور آفریدیوں کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔ اسی طرح پشاور سے گزرتے ہوئے وہاں کے بے شمار قبائل کے لوگ اس کے حامی اور مرید ہوگئے۔ بایزید نے اپنی دعوت پھیلانے کے لیے امراء اور علماء کے پاس اپنے داعی بھیجے ان میں سے ایک داعی شہنشاہ اکبر کے دربار میں بھی بھیجا گیا۔ وفات کے بعد انہیں پہلے ہشت نگر (وزیرستان) میں دفن کیا گیا۔ بعدازاں بڑے بیٹے نے لاش وہاں سے نکلوالی اور بھٹہ پور میں جو کافی گرم (قدیم وطن) سے کچھ فاصلے پر تھا دفن کی گئی۔

بایزید نے کئی تصانیف چھوڑی ہیں جن میں انہوں نے اپنے فرقے کے اصول وعقائد کو بڑی تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان میں "خیر البیان"، "مقصود المومنین" [1]، "صراط التوحید" اور "حال نامہ" بہت مشہور ہیں۔

بایزید نے اپنی تعلیمات کا خلاصہ "صراط التوحید" میں لکھا ہے۔ آغاز میں انہوں نے سرداروں اور امیروں کو نصیحتیں کی ہیں۔ پہلی نصیحت عقل کی فضیلت اور خالق کائنات کی قدرت پر غور وفکر کرنے اور معرفت کے حصول میں کوشاں ہونے کے بارے میں ہے۔ دوسری نصیحت میں علم باطن کے حصول،

1۔ حال ہی میں "مقصود المومنین" ڈاکٹر میر ولی خان کی تحقیق کے ساتھ مجمع البحوث الاسلامیہ، اسلام آباد سے چھپ چکی ہے۔

ضرورت شیخ، شریعت کے اوامر ونواہی اور تقویٰ وخوف ورجا سے بہرہ ور ہونے پر زور دیا ہے۔ تیسری نصیحت میں صراط مستقیم پر گامزن ہونے کے لیے تزکیہ نفس کو ضروری قرار دیا ہے۔

بایزید کے مریدوں نے اس کی تعلیمات کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اسے انہوں نے تحریک روشنائیہ کا نام دیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہیکہ اس تحریک کا مقصد افغانوں کی ایک داعی اور خودمختار حکومت قائم کرنا تھا لیکن خود بایزید کی تحریروں سے علم ہوتا ہے کہ ان کا مقصد پٹھانوں میں تزکیہ نفس، حسن اخلاق، بلندیٔ سیرت وکردار، تفکر وتعقل اور حصول علم کے جذبات ابھارنا تھا۔

بایزید انصاری کی شخصیت ہمیشہ متنازع فیہ رہی ہے ان کے حامی انہیں پیر روشاں اور ان کے مخالفین انہیں پیر تاریک کا خطاب دیتے ہیں۔ ان کے مریدوں کے نزدیک یہ ولی کامل اور مخالفوں کے نزدیک کافر مطلق تھے۔ [1]

پیر بابا:

(وفات ۹۹۱ھ/۱۵۸۳ء) سید علی ترمذی پیر بابا صوبہ سرحد کے ایک بزرگ، صوفی والد شاہان وقت سے تعلق رکھنے کی وجہ سے دنیاوی منصب وجاہ کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ "خزینتہ الاصفیاء" میں آپ کو شیخ تھانیسری کا مرید اور خلیفہ بتایا گیا ہے لیکن "تذکرہ الابرار والاشرار" میں سالار رومی سے بیعت ہونے کا ذکر ہے جو آپ کے ایک مرید اخوند درویزا نے لکھی ہے وہ لکھتے ہیں "میں ایک طویل مدت تک آپ (پیر بابا) کی خدمت میں رہا اور میں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ آپ کے قدموں میں بسر کیا۔ چونکہ حضرت متقدمین مشائخ کی طرف سے پانچ خانوادوں میں مجاز تھے۔ ان میں سے ایک خانوادے میں آپ کو اپنے دادا کی طرف سے اجازت تھی اور چار میں شیخ سالار کی طرف سے۔"

یہ سلسلے مندرجہ ذیل ہیں: ۱۔ سلسلہ کبرویہ ۲۔ سلسلہ چشتیہ ۳۔ سلسلہ سہروردیہ ۴۔ سلسلہ شطاریہ ۵۔ سلسلہ ناجیہ صلاجیہ۔

پیر بابا کو اپنے شیخ سالار رومی نے خدمت دین کے لیے پہاڑی علاقے کی طرف جانے کا حکم دیا۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے: مقصود المومنین/ ڈاکٹر میر ولی خان کی تحقیق کے ساتھ۔

چنانچہ آپ نے کشمیر کا ارادہ کیا اور راستے میں کچھ مدت گجرات میں قیام کیا جہاں بہت سے لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔ پھر آپ اپنے شیخ کی زیارت کے لیے اجمیر آئے تو دیکھا کہ شیخ وفات پاچکے ہیں۔ چنانچہ وہاں سے آپ پشاور آئے کچھ عرصہ دوآبہ میں سکونت اختیار کی پھر وہاں سے علاقہ یوسف زئی (رُستم) میں آئے اور یہاں پر لوگوں کو دین کی تعلیمات سے روشناس کرایا۔

پیر بابا اپنی عمر کے آخری حصے میں باچا کلے (بنیر) میں سکونت پذیر ہوگئے اسی مقام پر پیر بابا کے نام سے مشہور ہوئے اور یہیں وفات پائی۔ آپ کا مزار دوزہ کڑاکڑ سے دس میل دور ایک ندی کے کنارے پر آباد ہے۔ بعد میں آپ کے خاندان نے کنڑ افغانستان کا رخ کیا تھا، سید جمال الدین افغانی بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ 1

(نوٹ: پیر بابا اور پیر روشن کے درمیان اختلافات کے لیے بشیر احمد خان بریکوٹی کی تصنیف ''پیر بابا'' ملاحظہ ہو۔)

حلال خوریہ/حروفیہ:

یہ ایک بدعتی فرقہ ہے جس کی ابتداء آٹھویں صدی ہجری/چودھویں صدی عیسوی میں ایران میں ہوئی۔ اس فرقے کا بانی فضل اللہ استرابادی تھا۔ فضل اللہ ۷۴۰ھ/۱۳۴۰ء میں استراباذ میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا آغاز ایک صوفی کی حیثیت سے کیا اور وہ حرام غذا کھانے سے حد درجہ احتیاط و اجتناب کرتا تھا۔ اس معاملے میں وہ اتنا محتاط تھا کہ لوگ اسے ''حلال خور'' کہتے تھے۔ اس کا میلان شروع ہی سے تصوف کے زاہدانہ اعمال کی طرف تھا۔ نوجوانی میں اسے الہامی خواب دکھائی دینے لگے۔ 2

ابتداء میں اس کے مریدین کی تعداد چند نفوس پر مشتمل تھی لیکن جب اس نے اصفہان میں سکونت اختیار کی تو اس کے مریدین کی تعداد بڑھنے لگی۔ کئی دوسرے ملکوں کے لوگ بھی فضل اللہ کی تعبیر رویا میں قابلیت اور اس کے مریدین کی سادگی اور دیانتدارانہ زندگی سے متاثر ہو کر اس کے حلقۂ ارادت میں

1 دائرہ معارف اسلامیہ، اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

2 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1165۔

کشاں کشاں آنے لگے۔

چالیس سال کی عمر میں فضل اللہ تبریز میں اقامت گزیں تھا تو اسے ایک نیا تجربہ ہوا۔ اسے حروف خفیہ کے معنی اور نبوت کی اہمیت کا علم حاصل ہو گیا۔ تین دن تین رات اس پر وجدانی کیفیت طاری رہی۔ اس کے بعد وہ ایک نئی مذہبی تحریک کا بانی بن گیا جس کو حروفیہ کہتے ہیں۔

اس نے اپنی تصنیف جاوداں نامہ کبیر میں حکمرانوں اور بادشاہوں کو اپنے عقیدے کا پیرو بننے کی دعوت دی۔ اس نے تیمور لنگ کے عتاب سے بچنے کے لیے اس کے بیٹے میران شاہ کے پاس پناہ لی، لیکن میران شاہ نے اس کی مدد کرنے کی بجائے اسے گرفتار کرا کے نخوان کے قریب ضلع خبق میں قید کر دیا اور یہیں پر ۷۹۶ھ/۱۳۹۴ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔

جس جگہ فضل قتل ہوا کچھ عرصہ تک یہ مقام اس کے پیروؤں کا قبلہ (مکہ) بن گیا اور میران شاہ اس نئے مذہب کا دجال کہلانے لگا۔

فضل اللہ کا پہلا خلیفہ اس کا مرید علی الاعلیٰ بنا جو حروفی مذہب سے متعلق حروفی عقیدے کی اشاعت کی اناطولی میں حروفی عقائد دیگر عقائد کے پہلو بہ پہلو بکتاشیوں کی عجیب وغریب برادری میں باقی رہے۔ یہ فرقہ قلیل مدت تک ایک منظم تحریک کی شکل میں قائم رہا۔ بعد میں اس فرقے کو کئی مذہبی افتراقات کا سامنا کرنا پڑا۔

معتقدات:

اس فرقے میں مذہب کی باطنی خصوصیت پر زور دیا گیا ہے۔ نبوت کے بارے میں حروفیوں کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعی خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں، کیونکہ آپ پر نبوت ختم ہو جاتی ہے، لیکن اس کے بعد ایک نیا دور جو دورِ نبوت سے برتر ہے شروع ہوتا ہے یعنی دورِ ولایت اور یہ بھی فضل اللہ میں خدائے ظہور والے دور سے مرتبے میں پیچھے رہ گیا۔

حروفیوں کے نزدیک کائنات قدیم ہے، کیونکہ تخلیق کا عمل دائمی ہے۔ خدا کی صفات ذات خداوندی کی مترادف ہیں جو خود ایک ناقابل رسائی پوشیدہ خزانہ ہے۔ ظہور خداوندی ادوار میں حرکت کرتا ہے اور ہر دور

میں گزشتہ ادوار کے واقعات اور اشخاص دوبارہ ظاہر ہوتے ہیں۔

ان کے نزدیک انسان سے مراد قدرتی طور پر کوئی بالخصوص پاک اور مقدس انسان ''فضل اللہ'' ہے۔ تمام دنیا خود خدا ہے آدم روح ہے اور سورج چہرہ۔'' حروفیوں نے قرآن مجید کی اپنی باطنی تفسیر کرلی۔ نیز ہر ذرہ ایک ''زبان'' ہے جو بولتی ہے۔

ابتداء میں حروفیوں کی ایک الگ تنظیم تھی اور ان کی اپنی رسوم اور نمازیں تھیں جنہیں علی الاعلیٰ کے ایک اہم باب میں بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً اذان میں ایسے کلمات شامل تھے:''اشھد ان لا الہ الا ۔ ف ۔۔ ۔ہ'' میں گوائی دیتاہوں کہ ف ۔۔ ء ۔ ہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔''اشھد ان آدم خلیفة اللہ'' میں گواہی دیتاہوں کہ آدم اللہ کا نائب ہے۔

فضل اللہ کے قتل کی جگہ کا حج ذوالقعدہ کے مہینے میں کیا جاتا تھا۔ مقتل کے دروازے کا اٹھائیس مرتبہ طواف کرنے کے بعد حروفی دنیا کے مشرق ومغرب کے چالیس عارفان حق کے نام لیتے ہیں۔ دریا کے مجری میں اتر کر تین مرتبہ پانی لیتے ہیں اور پھر انہیں آگ میں ڈال دیتے ہیں جو شیطان کا منبع ہے۔ یہ عمل کرتے وقت ان کا منہ میران شاہ کے قلعے کی طرف ہوتا ہے اور زبان سے ''ملعون وبدکار'' کے الفاظ ادا کرتے ہیں۔ 1

جلوتیہ/ بیرامیہ:

یہ ترکی کے ایک سلسلہ تصوف کا نام ہے۔ اس سلسلے کی بنیاد استنبول کے نزدیک سقوطری کے شیخ عزیز محمود ہدائی نے رکھی۔ یہ جلوہ سے مشتق ہے۔ اس کا مفہوم اصطلاح تصوف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان غور وفکر یعنی مراقبے کے ذریعے خلوت سے نکل کر ہستی باری تعالیٰ میں گم ہو جائے۔ جلوتیہ ایک خاص سنی طریقہ ہے اور اس کی بنیاد سات اسماء الٰہی کے ذکر پر ہے۔ ان اسماء میں سے پانچ اصولی اور دو فروعی کہلاتے ہیں۔ شیخ اپنے ہر مرید کو یہ اسماء بتاتا ہے اور ان اسماء کا ورد ان پر لازم ہوتا ہے اور وہ بعد میں ان خوابوں کی بناء پر جو وہ شیخ کے سامنے بیان کرتے ہیں ردّ وبدل ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے کی دیگر عبادات میں مختلف نفلی نمازیں اور روزے بھی شامل تھے۔ جلوتی سبز عمامہ باندھتے تھے، جن میں کپڑے کی تیرہ پٹیاں ہوتی تھیں۔

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/773-774۔

اس سلسلے کا مرکز سقوطری کے تکیے میں تھا جہاں محمود ہدائی مدفون تھے۔ دوسرا مشہور مرکز بروسہ میں اسماعیل حقی کا تکیہ تھا۔ بقول اسماعیل حقی مصنف تفسیر روح البیان و دیگر تصانیف سات اسماء کے ذکر کی ابتداء شیخ ابراہیم زاہد گیلانی سے شروع ہوئی اور ان کے شاگرد شیخ ابواسحاق صفی اردبیلی کے توسط سے آگے پہنچا۔

جلواتیہ سلسلہ بیرامیہ کی ہی ایک شاخ ہے۔ اگرچہ بیرام محمود ہدائی کا روحانی رشتہ بعض مقامات پر یقینی نہیں۔ ہدائی سفری حصار میں پیدا ہوئے اور بعض سیوری حصار ان کا مولد بتاتے ہیں۔ سلطان سلیم کے ادرنہ کے مدرسہ میں مدرسی اختیار کرنے سے قبل انہوں نے استنبول میں تعلیم پائی۔ مصر میں جہاں وہ نائب قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ کریم الدین جلوتی سے وابستہ ہو کر خود بھی جلوتی ہو گئے۔

ہدائی بڑے خوش بیان اور نرم گفتار تھے۔ وہ سر پر لمبے بال رکھتے تھے ان کی تقلید میں ان کے مقلدین نے بھی اپنے سروں پر لمبے بال رکھنے شروع کر دیئے۔ جلوتیہ کی ایک اور شاخ تھی جس کے بانی ہاشم بابا تھے۔ انہوں نے ۱۷۷۳ء میں وفات پائی۔ وہ جلوتیہ شیخ اور ملامتی بھی تھے اور قطب ہونے کے مدعی تھے۔ [1]

قلندریہ:

یہ درویشوں کا ایک فرقہ ہے، جو ایک جگہ قیام نہیں کرتا۔ یہ لوگ بے گھر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی شریعت یا طریقت کے اصولوں کی پیروی نہیں کرتے۔ المقریزی، سعدی اور جامی نے ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق ایک عرب یوسف جورجی نے اس فرقہ کی بنیاد رکھی۔ اس فرقہ کے اکابر میں شیخ جمال الدین ساوی (جو کہ ۶۱۰ھ/۱۲۱۳ء کو دمشق پہنچا) اور شیخ حسن ایرانی (متوفی ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء) کا ذکر آتا ہے۔ ان دونوں کا انتقال دمشق میں ہوا۔ انہوں نے ملک العادل کے زمانہ میں قاہرہ کے قریب ایک قلندری خانقاہ قائم کی۔ مصر میں انہیں بہت رسوخ حاصل ہوا۔ مصری موسیقی انہی لوگوں کی مرتب کردہ ہے اور اس میں ایک قلندری راگ بھی ہے۔ یہ لوگ دنیا کو فانی سمجھتے ہوئے لذاتِ دنیاوی سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ داڑھی اور مونچھوں کے علاوہ بھویں اور پلکیں صاف کراتے ہیں، لباس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ [2]

---

1. اسلامی انسائیکلو پیڈیا/635۔
2. اسلامی انسائیکلو پیڈیا/1259۔

سیاریہ:

یہ ایک فرقہ ہے۔ سیاریہ فرقہ سے متعلق لوگ حضرت ابو العباس رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ آپ مَرْو میں امام تھے اور سب علوم کے عالم اور حضرت ابو بکر واسطی رحمہ اللہ کے ہم نشین تھے۔ آج بھی نسا اور مرو میں آپ کے طبقہ کے بہت سے لوگ موجود ہیں اور حق یہ ہے کہ آپ کے مذہب کے سوا کوئی اور مذہب تصوف میں اپنے حال پر نہیں رہا، کیونکہ کسی وقت بھی مرو اور نسا کسی ایسے پیشوا سے خالی نہیں رہا ہے جو آپ کے اصحاب کو آپ کے مذہب پر قائم رکھنے کے لیے آج تک ان کی حفاظت نہ کرتا رہا ہو، آپ کے ان اصحاب کی طرف سے جو اہل نسا کی طرف سے ہیں۔ کچھ عمدہ رسالے اور خطوط اہلِ مرو کے نام بھیجے گئے تھے اور جن کے ذریعے انہوں نے اہلِ مرو سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ ان کی عبارتیں جمع وتفریق پرمبنی ہیں۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو تمام اہلِ علوم کے درمیان مشترک ہے اور ایک خاص گروہ خاص طور پر اسی لفظ کو اپنی عبارت کے سمجھانے میں استعمال کرتا ہے لیکن ہر ایک گروہ کی مراد اس سے جُدا جُدا ہے۔ [1]

شاذلیہ:

افریقہ میں اس کا تلفظ شاذلیہ ہے۔ یہ تصوّف کا ایک سلسلہ ہے جس نے ابوالحسن علی بن عبداللہ الشاذلی کی نسبت یہ نام پایا۔ الشاذلی نے کوئی ضخیم کتاب نہیں لکھی، البتہ کئی ایک ملفوظات، متعدد ادعیہ اور ایک نظم ان سے منسوب ہے۔ الشاذلی کی تصانیف میں سے ایک سب سے زیادہ مشہور "حزب البحر" ہے۔ غالبًا الشاذلی کا اصل مقصد یہ تھا کہ اخلاق عالیہ کی تلقین کریں۔ اس سلسلے کے پانچ اصول یہ ہیں: (۱) ظاہر اور باطن میں خدا سے ڈرنا (۲) قول وفعل میں سنت کی پابندی (۳) فقر وغنا میں دنیا سے نفرت (۴) چھوٹی بڑی ہر بات میں رضائے الٰہی پر قانع رہنا (۵) غم ہو یا مسرّت اللہ تعالیٰ ہی سے رجوع کرنا۔ الشاذلی چاہتے تھے کہ ان کے پیرو اپنے اپنے کام اور پیشے میں لگے رہیں اور ممکن ہو سکے تو اپنی روزمرہ کی باتوں کے ساتھ ساتھ عبادت میں بھی مشغول رہیں۔ دوسرے صوفیاء کی طرح الشاذلی کا منتہائے نظر بھی فنا ہی تھا اور اس کے حصول کا طریقہ بھی مجوزہ ریاضتیں ہی تھیں۔ ان کے طریقے کے رہنماؤں کا کہنا ہے کہ

1. اسلامی انسائیکلوپیڈیا/968۔

الشاذلی ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ان کا کوئی الہام اگر سنت سے ٹکراتا تھا تو وہ ہدایت کر دیتے تھے کہ سنت کو ترجیح دی جائے۔اس کے باوجود ان کے بعض دعاوی ابن تیمیہ کے اعتراضات کا ہدف ہے۔اس سلسلے پر چلنے والوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی امتیازی خصوصیات تین ہیں: ایک یہ کہ ان سب کا انتخاب لوح محفوظ سے ہوا یعنی ان کے لیے روزِ اوّل ہی سے اس حلقے میں شمولیت مقدر ہو چکی تھی۔دوم یہ کہ ان کی وجدانی کیفیت فوراً ہوش میں بدل جاتی ہے یعنی ان کے روحانی مشاغل ان کو روزمرہ کی زندگی سے خارج نہیں کرتے اور سوم یہ کہ ہر زمانے میں جو بھی قطب ہوگا انہیں میں سے ہوگا۔غالباً ان کی اوّلین جماعت تیونس میں قائم ہوئی۔سلسلہ شاذلیہ کا اصل مرکز افریقہ کا وہ علاقہ تھا جو مصر کے مغرب میں واقع ہے بالخصوص الجزائر اور تیونس۔انیسویں صدی میں اس سلسلے کی بہت توسیع ہوئی۔[1]

خفیفیہ:

ایک فرقہ جس کے لوگ حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمہ اللہ سے عقیدت رکھتے ہیں۔
حضرت ابوعبداللہ علوم ظاہر و باطن کے بہترین عالم تھے۔ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے چار سو نکاح کیے، لیکن شہوت نفسانی کی متابعت سے منہ موڑے رکھا۔آپ کی تمام منکوحہ بیویوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے شیخ کو خلوت میں اسباب شہوت کی متابعت میں کبھی نہیں پایا۔

آپ نے علم طریقت کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو آپ کے پیروکاروں میں بہت مقبول ہیں۔حضرت ابوعبداللہ کے مسلک اور مذہب کا اصول غیبت اور حضور ہے۔انہوں نے اپنی کتابوں میں سب سے زیادہ اسی کے بارے میں تحریر کیا ہے۔

غیبت اور حضور دو ایسے الفاظ ہیں جن کے معنی اس طرح واضح کیے جا سکتے ہیں جیسے کسی آنکھ میں اصل چیز کا عکس پڑتا ہے۔پھر وہ عکس اصل سے متضاد دکھائی دیتا ہے۔بالکل اسی طرح حضور سے مراد یقینی دلالت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے دل کا حاضر ہونا ہے۔تاکہ غیبی حکم اس کے لیے عینی حکم بن جائے۔

---

[1] الأعلام / لزرکلی 213/40، نکت الهمیان / 213، طبقات الشعرانی ج 3/2، التاج للزبیدی 388/8، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/969۔

غیبت سے مراد ہے کہ کسی بھی شخص کا دل اپنے آپ سے اس طرح غائب ہو جائے جیسے اس کا وجود ہی نہ ہوا اور وہ اس غیبت میں اپنے آپ کو دیکھ سکے، پرکھ سکے۔

وہ کہتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ سے غائب ہو جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے سامنے حضور میں حاضر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی کششوں کے باعث اس کا دل غائب ہوتا ہے تو دل سے کسی اور کی کشش ختم ہو جاتی ہے اور وہ کسی دوسری شے کو اس سے نسبت نہیں دیتا۔

حضرت جنید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا: ''ایک وقت میری حالت یہ تھی کہ اہل آسمان وزمین میری حیرانی پر روتے تھے اور پھر ایسا ہوا کہ میں ان کی غیبت پر رونے لگا، لیکن اب یہ حال ہے کہ نہ ان کی مجھے خبر ہے اور نہ اپنی۔ اور یہی حضور کی طرف بہت اچھا اشارہ ہے۔'' [1]

پنج تنی:

پاک و ہند میں پانچ پیروں کا عقیدہ، جسے پانچ پیر اور پنج کڑی بھی کہتے ہیں ان پڑھ مسلمانوں اور ''نچلی ذات کے ہندوؤں'' میں یہ عقیدہ عام ہے۔ عام ہونے کی ایک وجہ غالباً یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے پنج تنی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تھی جیسا کہ قرآن کریم میں ود، سواع، یعوق ونسر کا ذکر ہے۔ اور بقول ''اب بھی نہ جاگے تو'' کے مصنف مولانا نوید عثمانی کے: ہندو حضرت نوح علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ یہ ترکیب غالباً ہندی مسلمانوں ہی نے وضع کی ہے تاکہ پنجتن کے ساتھ پنج کڑی بھی مماثل ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے تن کو پیر سے بدل دیا۔

پنج پیر یا پانچ پیروں کا صحیح طور پر تعین نہیں کیا جا سکتا کہ اس مجموعے میں کون کون سے بزرگ شامل ہیں۔ کیونکہ مختلف مقامات میں اس ترکیب میں مختلف بزرگ شامل ہیں۔ مثلاً پنجاب میں اس پنج کڑی میں خواجہ قطب الدین، خواجہ معین الدین چشتی، شیخ نظام الدین اولیاء، نصیر الدین ابوالخیر اور سلطان ناصر الدین محمود رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ ایک دوسری ترکیب میں بہاء الدین زکریا، شاہ رکن عالم، شمس تبریز، جلال مخدوم اور بابا فرید گنج شکر رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ اہلِ تشیع کے پنج تن پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم، علی، فاطمہ، حسن،

1. الأعلام/ لزرکلی 6/114، طبقات الأقطاب، شذرات ج3/ 76، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/843۔

حسین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، امام بارگاہوں اور مجالس عزاء کے جلوسوں میں بلند کیے ہوئے پنجے اصل میں ان پنج تن کی طرف اشارہ ہے۔

پنج پیر کے نام سے ایک پہاڑی پاکستان کے صوبہ سرحد میں یوسف زئی کے علاقے میں واقع ہے۔ یہ پہاڑی سطح سمندر سے ۲۱۴۰ فٹ اونچی ہے۔ اس کی چوٹی ۹۴۰ فٹ ہے جہاں پر پنج پیر کی زیارت ہے۔ یہ مقام ہندوؤں اور عام مسلمانوں کی عقیدت گاہ ہے۔ ہندو اسے پانچ پانڈووں سے نسبت دیتے ہیں۔

صوابی کے علاقے شہباز گڑھی اور اس کے مضافات میں بھی ہندومت اور بدھ مت کے آثار قدیمہ موجود ہیں، دنیا بھر سے سیاح اسے دیکھنے آتے ہیں۔ اسی طرح ضلع ہزارہ میں ایبٹ آباد کے مقام پر ایک تکیہ پنج پیر کے نام سے موجود ہے۔

آج سے تقریباً ۵۰، ۶۰ برس پہلے بنگال میں ان پڑھ مسلمانوں اور نچلی ذات کے ہندوؤں میں پنج پیروں کا بہت زیادہ اثر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے میں جگہ جگہ پنج پیروں کی درگاہیں ہیں۔ آج کل بھی لوگ ان درگاہوں کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اس علاقے کے ملاح آج بھی کشتی پانی میں ڈالنے سے پہلے ایک ''نعرۂ اللہ، نبی، پنج پیر بدر بدر بدر'' لگاتے ہیں وہ مشہور بزرگ بدر کو پنج پیروں میں سب سے بلند درجہ دیتے ہیں اور سمندر یا دریا کے راستے جب بھی کوئی طویل یا خطرناک سفر درپیش ہوتا ہے تو یہ ملاح مندرجہ ذیل دعا مانگتے ہیں۔ جس میں پنج پیروں سے ارادت کا اظہار ہوتا ہے۔

''ہم تو بچے ہیں، لیکن غازی (پیر) ہمارے نگہبان ہیں۔ ہمارے سامنے گنگا دریا ہے۔ پانچ پیرو ہم آپ کو پکارتے ہیں۔ بالخصوص آپ کے سردار بدر کو۔''

پنج پیر کے عقیدے کے حامل لوگوں کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ یہ پیر اگرچہ جسمانی طور پر انتقال کر گئے ہیں لیکن روحانی طور پر زندہ ہیں اور مافوق الفطرت قدرت رکھتے ہیں۔ اس قدرت کی وجہ سے وہ اپنے ماننے والوں کی مدد کرتے ہیں۔

بہار اور مغربی بنگال میں اس خیال کے لوگ اپنے گھروں میں ایک کمرہ مخصوص کر لیتے ہیں کمرے کے شمال مغربی گوشے میں ایک چوکی پر چھوٹا سا چبوترہ ان کی نمائندگی کرتا ہے۔ چبوترے کے قریب چوکی پر تین

کا ایک پنجہ جس پر پانچ انگلیوں کے نشان پنج پیروں کی نمائندگی کرتی ہیں رکھا جاتا ہے۔ اس چبوترے پر چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے۔

پاکستان کے ایک صوبے کو پانچ شہروں کی وجہ سے پنج ندا ور پنج آب کہتے ہیں...... اسلام میں اس طرح کے عقیدے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمان شرفا اور اونچی ذات کے پڑھے لکھے ہندو پانچ پیروں کی پوجا نہیں کرتے جدید دور میں رفتہ رفتہ یہ عقیدہ ختم ہو رہا ہے۔ [1]

فی زمانہ پنج پیر (صوابی) مردان کے ایک شہرۂ آفاق گاؤں کا نام ہے۔ جہاں شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر پنج پیری کی ولادت ہوئی، پنج پیری انہی کی طرف منسوب ہیں۔ شیخ صاحب دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ [2]

پانچ بڑے: یہ ایک اصطلاح ہے جو دوسری عالم گیر جنگ کے بعد دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو یہ ہیں:

(۱) ریاست ہائے متحدہ امریکا (۲) روس (۳) برطانیہ (۴) چین (۵) فرانس۔

انگلینڈ کے پانچ مشہور بینکوں کے لیے بھی یہ اصطلاح بسا اوقات استعمال کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) بارکلیز (۲) لائیڈز (۳) مڈلینڈ بینک (۴) نیشنل پراونشل بینک (۵) ویسٹ منسٹر بینک۔

سالمیہ/سہیلیہ:

متکلمین کا ایک فرقہ ہے۔ اس کے عقائد میں تصوف کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ اس کا آغاز تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بصرہ کے مالکی سنیوں میں ہوا۔ سالمیہ کے بانی ابو محمد سہل بن عبداللہ التستری تھے۔ تستری کی وفات ۲۸۳ھ/۸۹۶ء میں ہوا، لیکن اس فرقے کا نام تستری کے مرید اعلیٰ ابو عبداللہ محمد بن سالم، (وفات ۲۹۷ھ/۹۰۹ء) اور ان کے بیٹے ابوالحسن احمد بن سالم (وفات ۳۵۰ھ/۹۶۱ء) کے نام پر مشہور ہوا۔ یہ دونوں یکے بعد دیگرے اس فرقے کے امام بنے۔ [3]

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

2 المستدرك على الأعلام/الزركلي/ محمد طاہر بن غلام رسول پنج پیری۔

3 الأعلام/خير الدين زركلي ج/3، طبقات الصوفية/206، الوفيات ج218/1، حلية الاولياء ج189/10۔

سالمیہ کے عقائد یہ ہیں:

خدا تعالیٰ کا فعل ہر لحظہ جاری رہتا ہے۔ یہ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں رکتا۔ اسی لیے وہ اپنی ذات قدرتِ غیر مخلوقہ کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے، خاص طور پر قرآن مجید کے ہر قاری کی تلاوت میں۔ اللہ تعالیٰ میں شیئتِ غیر مخلوقہ اور ارادۂ مخلوقہ دونوں پائے جاتے ہیں۔ ارادۂ مخلوقہ مخلوقات کے افعال قبیحہ کے وجود کا سبب بنتا ہے اگرچہ اس کی مشیتِ ذاتی ان افعال کے قبح کی مقتضی نہیں ہے۔

شیطان نے انجام کار خدا کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ اللہ تعالیٰ بروز حشر بہ تبدیل صورت ایک انسانی شکل میں تجلی فرمائے گا اور اسے بلا حجاب تمام مخلوق دیکھ سکے گی۔ شریعت پر عمل اپنے اختیاری ادارے کے ساتھ، اس کی مطابقت کی کوشش سے حاصل ہوتا ہے۔ صبر وتحمل کا درجہ لذت اندوزی سے بلند ہے۔ انبیاء کا درجہ اولیاء سے بلند ہے۔ حکمت اور ایمان ایک ہی شے ہے۔ مؤمن کے لیے اپنی اصل کے ساتھ وصالِ باطنی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے اپنی شخصیت کا شعور حاصل کرے جس قدر ازل میں اس کے لیے اس کی استعداد کے مطابق مقرر ہو چکی ہے۔ ابن الفرا سے لے کر ابن جوزی اور امام ابن تیمیہ تک جتنے بھی حنبلی علماء گزرے ہیں۔ انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ ان نیم معتزلی رجحانات اور ان کے وحدت الوجودی میلانات کی مخالفت کی ہے۔ چونکہ سالمیہ ہی علماء اہلِ سنت کا ایک ایسا گروہ ہے جو بدن سے جدا ہو جانے کے بعد روح کی تا قیامت بالاستقلال بقا کا قائل ہے اس لیے سنی متصوفین کی اکثریت انہی کی طرف مائل رہی ہے۔ [1]

حشویہ:

یہ ایک اصطلاح ہے جسے ظواہر پر انحصار کر کے تجسیم کے قائل ہو جانے والے لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ ظاہری کلمات کو قابل ترجیح سمجھتے تھے۔ سالمیۃ بھی انہی لوگوں میں شامل ہیں۔ معتزلہ

1۔ غنیۃ الطالبین/ عبدالقادر جیلانی/ 178-179۔

اصحاب الحدیث کی پوری جماعت کو حشویہ کہتے تھے۔ کیونکہ وہ ایسے کلمات کا استعمال جائز سمجھتے تھے جن میں خدا کی طرف اعضائے انسانی منسوب کیے گئے ہیں۔ 1

سعدیہ جباویہ:

درویشوں کا ایک فرقہ ہے۔ اس فرقہ کے بانی سعد الدین الجباوی (متوفی ۶۲۱ھ/۱۲۲۴ء) تھے جو جبا کے علاقے میں مقیم تھے۔ درویشوں کا فرقہ ان کے اعتبار سے ہی سعدیہ یا جباویہ کہلانے لگا۔ سعد الدین جباوی کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے عہد شباب میں والد کی نافرمانی کی اور گھر چھوڑ کر چلے گئے۔ گھر سے نکل کر وہ ڈاکوؤں کی جماعت کا سرغنہ بن گئے لیکن والد کی دعا سے کشف ہوا اور ان کی اصلاح ہوگئی۔ سعد الدین نے انتہائی زہد و تقشف کی زندگی اپنائی تھی۔ یہاں آ کر دمشق میں سلسلہ طریقت کی بنیاد ڈالی۔ اس سلسلے کا تعلق حضرت جنید، سری السقطی اور معروف الکرخی رحمہم اللہ سے ہوتا ہوا اہل بیت تک پہنچ جاتا ہے۔ بعض مؤرخین سعدیہ کو فرقہ رفاعیہ کی ایک شاخ تصور کرتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ فرقہ سعدیہ کی ٹوپیوں میں بارہ ترک ہوتے ہیں جو زرد رنگ کی پگڑیاں باندھتے ہیں۔ ان کی ٹوپیوں میں چھ کلیاں ہوتیں اور لمبے لمبے بال رکھے ہوتے ہیں۔ یہ فرقہ مصر میں کافی تعداد میں رہائش پذیر تھا۔ وہ ''مولد'' کی رات سے ایک دن پہلے ایک رسم ادا کیا کرتے تھے، جسے وہ دوسہ کا نام دیتے تھے۔ اس رسم کی ادائیگی کے وقت اس فرقے کا شیخ ایک گھوڑے پر سوار ہوتا۔ جو درویشوں کی پشت پر چلتا تھا۔ بہت سے درویش اس مقصد کے لیے منہ کے بل زمین پر لیٹ جاتے تھے۔ لوگوں کا عام خیال یہ تھا کہ ان لوگوں کو گھوڑوں کے پاؤں سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچتی۔ رسم دوسہ کے بعد لوگوں کا ایک بڑا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ جس میں بعض درویش زندہ سانپوں کو کھا جایا کرتے تھے۔ اس رسم کو مصر کے خدیو توفیق نے حکماً بند کرا دیا تھا۔ اس کے بعد رسم دوسہ کی ادائیگی کے بعد ذکر کیا جانے لگا جس میں الفاظ کی ترتیب مقرر تھی، جو ''اللہ حی'' اور ''یا دائم'' تھے۔

تصوف کے بارے میں لکھنے والے اصحاب نے اس فرقہ کی جانب بہت کم توجہ دی ہے۔ جن اصحاب

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

نے اس کی جانب توجہ کی بھی تو وہ صرف اجمالی ذکر سے آگے نہ بڑھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس فرقے کی ابتداء ٹو نے ٹو ٹکے سے ہوئی ہوگی اور بعد میں یہ صوفیوں کا ایک فرقہ بن گیا ہوگا۔ 1

اباحیہ:

یہ صوفیوں کا ایک باطل فرقہ ہے جو تمام چیزوں کو جائز اور مباح سمجھتا ہے۔ اباحیہ کا لفظ اباحت سے نکلا ہے۔ جس کا معنی ہیں ''جائز کرنا'' اس فرقے کے نزدیک انسان کو گناہوں سے دور جانے کی قدرت حاصل نہیں اور نہ دیگر مامورات بجالانے کی طاقت ہے۔ نیز دنیا کی کوئی شے کسی کی ملکیت نہیں۔ اس لیے مال اور بیویوں میں تمام لوگ شریک ہیں۔ اس فرقے کو دنیا کا بدترین فرقہ کہا جاتا ہے۔ 2

☆☆☆

---

1 الأعلام/ لزرکلی ج:3/85، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/940۔

2 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/46، الملل والنحل، الفرق بین الفرق۔

تصوف کے بارے میں سیر حاصل تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں مفید ثابت ہیں:

☆..... التصوف الاسلامی/احمد توفیق عباد

☆..... نشأة الفلسفة الصوفية وتصورها/عرفان عبدالحمید

☆..... فی تصوف الاسلامی وتاریخہ/ابوالعلا عفیفی

☆..... الصوفية الاسلامية/ ت شريعة

☆..... الفتوحات المكية/ابن عربی

☆..... احياء علوم الدين/الغزالی

☆..... شریعت وطریقت/تھانوی

☆..... قوت القلوب/طالب المکی

☆..... Sufism an accaunt Mysticism of Islam

☆..... Studies in Islamic Mysticism

شیعہ

شیعہ پہلے تین خلفا (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو احق یا اسبق بالإمامۃ تسلیم نہیں کرتے، ان کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانشینوں کو امام کہتے ہیں، چوتھے امام زین العابدین تک شیعانِ علی رضی اللہ عنہ متفق رہے، مگر ان کی وفات پر شیعوں کے دو گروہ ہو گئے جنہوں نے امام زین العابدین کے بیٹے محمد باقر کو امام مانا وہ امامیہ کہلائے اور جنہوں نے ان کے دوسرے بیٹے زید کی تقلید کی وہ زیدیہ کہلائے، مگر اکثریت امامیوں کی تھی۔

چھٹے امام جعفر صادق کی وفات پر امامیوں کے بھی دو گروہ ہو گئے جس گروہ نے ان کے بیٹے اسماعیل کو، جو والد کی حیات ہی میں وفات پا گئے تھے امام مانا وہ اسماعیلی کہلایا، مگر جنہوں نے حضرت موسیٰ کاظم کو امام تسلیم کیا (یہ اکثریت میں تھے) وہ اثنا عشری کہلائے، کیونکہ یہ بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ آخری امام محمد مہدی تھے جو شیعہ عقائد کے مطابق بچپن ہی میں ایک غار میں غائب ہو گئے اور قیامت کے قریب ظہور پذیر ہوں گے۔

شیعوں کو عباسی دورِ حکومت میں کافی فروغ ہوا، بالخصوص ایران میں۔ خصوصاً جب دسویں صدی عیسوی میں بویہ احمد معز الدولہ خلافتِ بغداد پر حاوی ہوا تو شیعوں کا اثر بہت زیادہ بڑھ گیا، قرونِ وسطیٰ میں ایران سے امراء کے جو خاندان قسمت آزمائی کی غرض سے ہندوستان آئے وہ زیادہ تر شیعہ تھے، انہوں نے دکن اور جونپور میں بادشاہتیں قائم کیں۔ بنگال اور اودھ کی نوابیاں بھی شیعوں ہی کی تھیں، شیعوں کی مجموعی تعداد کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، ان کی اکثریت فقط ایران میں ہے۔ [1]

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/ 975، تاریخ اسلام/ نجیب آبادی الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/ 114، فهرست ابن الندیم/ 307، تلبیس ابلیس، ضحی الاسلام/احمد امین/ 151-154، الوشیعة/موسی جار الله، الشیعة واهل البیت/ظهیر۔

لبنان کی جماعت حزب اللہ حسن نصراللہ کی قیادت میں اور اسے قبل لبنان وفلسطین کی اصل ملیشیا (دروز) میجر حداد کی قیادت میں شیعوں کی عسکری تنظیمیں ہیں۔

رافضی:

سب سے پہلے وہ لوگ رافضی کہلائے جنہوں نے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ امام عشری نے روافض، زیدیہ اور غُلاۃ کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ طبری نے لکھا ہے کہ یہ لقب کوفہ کے زیدیوں کو ملا جنہوں نے زید بن علی رضی اللہ عنہ کو اس بنا پر چھوڑ دیا تھا کہ انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہیں کی تھی بعض کے نزدیک عبداللہ بن سبا کے ساتھی سب سے پہلے رافضی کہلائے۔ 1

ذمّیہ:

یہ ایک فرقہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس فرقہ کا بانی ایک شخص عتبہ بن زرع تھا۔ بعض لوگ ابوہاشم حیانی کے پیرووں کو بھی ذمیہ کہتے ہیں۔ 2

سرحوبیہ/ جارودیہ:

یہ ابتدائی دور کے اہلِ تشیع کی ایک جماعت ہے۔ ان کا ذکر اکثر زیدیہ کے ضمن میں آتا ہے۔ یہ لوگ ہر علوی فاطمی کو امام تسلیم کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو اور بزور شمشیر امامت کا دعویٰ کرے۔

اس گروہ کا بانی ابوالجارود بن زیاد بن المنذر رتھا جو نابینا تھا۔ اس نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے جنہوں نے اس کا نام سرحوب رکھا تھا۔ اسی وجہ سے یہ گروہ سرحوبیہ بھی کہلاتا ہے۔

یہ گروہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ علویوں کی موجودگی میں غیر علویوں کی امامت تسلیم نہیں کی جاسکتی وہ کسی غیر علوی امام کی تائید کرنے والوں کو

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/893، غنیۃ الطالبین/عبدالقادر جیلانی/169-171، ضحی الاسلام/احمد امین/256، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/عبدالقادر/139۔

2 غنیۃ الطالبین/عبدالقادر جیلانی، اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

کافر سمجھتے تھے۔ ان کا امامت کے بارے میں یہ نظریہ تھا کہ ہر فاطمی امامت کا یکساں حق دار ہے۔ نیز ان کا یہ بھی نظریہ تھا کہ امام کو جس علم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے فطرت ہی سے ودیعت ہوتا ہے۔ سیکھنے سے نہیں ملتا۔ ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ کوئی نہ کوئی علوی خروج کرتے ہوئے بطور مہدی واپس آئے گا بعض کے نزدیک یہ مہدی بن عبداللہ بن حسین بن علی المعروف نفس الزکیہ اور بعض کی رائے میں محمد بن قاسم بن علی بن حسین بن یحییٰ بن عمر الکوفی ہوں گے۔ بعض شیعیوں کے لیے یہ نام تقریباً ڈیڑھ سو سال تک استعمال ہوتا رہا۔ 1

ممطوریہ:

یہ شیعوں کا ایک فرقہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ موسیٰ کاظم ہی دنیا میں دوبارہ آئیں گے۔ اس گروہ نے فرقہ قطعیہ کے علماء سے اس مسئلہ پر کئی بار مناظرے کیے کہ آیا موسیٰ کاظم دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل ہی میں آئیں گے؟ قطعیہ کا یہی عقیدہ ہے۔ قطعیہ نے ممطوریہ کے علماء کو ایک مناظرے میں یہ سخت جملہ کہا کہ تم لوگ ہمارے نزدیک بھیگے ہوئے کتے کی مانند ہو، چونکہ بھیگے ہوئے کتے کو عربی میں "ممطوریہ" کہتے ہیں۔ اس وجہ سے یہ گروہ ممطوریہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ 2

کاملیہ:

یہ شیعوں کا ایک فرقہ ہے، جو ابو کامل کے متبع ہیں۔ یہ شخص سب صحابہ کو (نعوذ باللہ) کافر بتاتا تھا۔ کیونکہ انہوں نے حضرت علی سے بیعت نہ کی اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس لیے کافر کہتا تھا کہ صحابہ سے کیوں نہیں لڑے۔ یہ شخص تناسخ کا بھی قائل تھا اور کہتا تھا کہ امامت نور الٰہی ہے جو ایک شخص سے دوسرے شخص میں منتقل ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ نور ایک آدمی میں امامت ہو اور دوسرے میں نبوت ہو جائے۔ نیز کہتا تھا کہ روح الٰہی نے اوّل آدم علیہ السلام میں اور اس کے بعد درجہ بدرجہ تمام انبیاء اور ائمہ میں حلول کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے نزدیک کافر کا بھی امام ہونا اور اس میں روح الٰہی کا حلول کرنا جائز ہے۔ کیونکہ

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/588۔

2 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1381۔

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتا ہے اور پھر ان میں روحِ الٰہی کے حلول کا اور پھر ان کی امامت کا قائل ہے۔ یہی عقائد اس کے پیروکاروں کے ہیں۔ [1]

خشابیہ/مختاریہ/کیسانیہ:

شیعان علی رضی اللہ عنہ کا یہ فرقہ مختار ثقفی سے منسوب ہے۔ کیسان، مختار کا لقب ہے۔ اس لیے یہ مختاریہ کے نام سے بھی معروف ہے۔ اس فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کا بیٹا محمد بن حنفیہ امام ہے اور ابھی تک زندہ ہے (محمد بن حنفیہ حضرت علی کی باندی حنفیہ کی طرف منسوب حنفیہ ہی کے بطن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے)۔

ان میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امام ہیں اور امام محمد بن حنفیہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد امام ہیں، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنی ظاہری امامت کے عرصہ کے دوران دراصل محمد بن حنفیہ کے تحتِ فرماں تھے اور ان ایام میں محمد بن حنفیہ امام غائب تھے۔ ابن حنفیہ کے انتقال کے بعد (۸۶ھ/۷۰۰) کیسانی کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

ایک اور گروہ جو ''کربیہ'' کے نام سے معروف ہے، کا عقیدہ یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ ابھی تک زندہ ہے اور ایک پہاڑ میں روپوش ہے، ان کا دوبارہ ظہور ہوگا۔

ایک اور ذیلی گروہ ''ہاشمیہ'' کا عقیدہ ہے کہ محمد بن حنفیہ فوت ہو چکا ہے اور اس کا بیٹا ابی ہاشم امام ہے اور فوت نہیں ہوا، دوبارہ آئے گا۔

ایک اور ذیلی گروہ ''علویہ'' کا عقیدہ ہے کہ ابی ہاشم فوت ہو چکا ہے۔ اس کا بیٹا علی امام ہے اور اس کے بعد اس کی اولاد میں سے حسن، علی اور حسین امام ہیں۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ کیسان، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مولیٰ تھا اس نے جو فرقہ قائم کیا وہ کیسانیہ کہلاتا ہے۔ وہ جنگِ صفین میں کام آیا۔ مختار ثقفی نے بعد میں اس کے عقائد کو اختیار کر لیا۔ کیسانیہ کو ''خشابیہ'' بھی کہتے ہیں،

---

1. اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1272۔

کیونکہ وہ لکڑی کے ڈنڈے بطور ہتھیار ساتھ رکھتے تھے۔ یہی نام بعد میں ابو مسلم کے پیروکاروں نے اختیار کیا۔ بعض کیسانی، مختار کو ایک خصوصی درجہ اس کی علمیت کی وجہ سے دیتے تھے حتیٰ کہ بعض اسے پیغمبر بھی کہتے تھے۔

کیسانیوں میں سے بعض کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ حالات کے تغیر سے کائنات کی تخلیق میں نئی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں اور کائنات اس طرح موجود نہیں جس طرح اسے اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں تخلیق کیا تھا۔ [1]

مغیریہ:

مشہور شیعہ بنان بن سمعان تمیمی کے قتل کے بعد فرقہ بنانہ کے مشہور عالم مغیرہ بن سعید عجلی البجلی نے امامت کا دعویٰ کر دیا اور بنانیہ کے بیشتر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر خروج و بغاوت کا فیصلہ کیا۔ مگر خروج سے قبل اس نے محسوس کیا کہ بنانیہ کے لوگوں میں اس کی امامت پر مکمل اتفاق نہیں، چنانچہ اس نے اپنے متبعین کا اجتماع کیا اور نئے عقائد کی بنیاد رکھی۔ نئے عقائد کی وجہ سے اس کی طرف توجہ کی۔ اس نے علماء وقت امام جعفر صادق اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ سے مناظرے کیے۔ جب اس کے عقائد مقبولِ عام ہوئے تو اس نے خروج کیا اور گورنر عراق خالد قیسری کے محل پر حملہ کر دیا۔ خالد کئی روز تک محصور رہا، لیکن بعد میں کمک آنے پر مغیرہ کو جنگ میں شکست ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ اس کے ماننے والوں نے مغیرہ کے قتل کا انکار کر دیا اور کہا کہ وہ آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا ہے۔ دوبارہ دنیا میں آئے گا۔

مغیریہ کے عقائد یہ ہیں:

اللہ تعالیٰ انسانی جسم و قامت رکھتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے دنیا میں موجود ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سفارش پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک نبوتیں عطا ہوئیں۔

---

[1] الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة / 117، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/ 1288-1289، تاریخ اسلام/ نجیب آبادی، الأعلام /الزرکلی ج: 7/192، الفرق بین الفرق/ 31-37، فرق الشیعة/ 23، الفاطمیون فی مصر/ 34-38، ضحی الاسلام/احمدامین/ 171۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی تھے۔ ان کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہے۔ لہٰذا خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دنیا میں بھیجا کہ وہ نبوت کے باقی فرائض بطور امام انجام دیں۔

حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بعد ان کا صحیح اتباع کرنے والوں کو امامت کا اعزاز حاصل ہوگا اور اس میں کسی خاص خاندان کو ترجیح نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس فرقہ کے لوگ خراسان، ماژندران وغیرہ میں اب تک موجود ہیں۔ [1]

مفضلیہ:

اس فرقہ کے بانی کا نام مفضل تھا۔ یہ بھی شیعوں کا ایک گروہ ہے۔ اس کی ابتداء کسی سیاسی گروہ بندی سے نہیں بلکہ محض حضرت علی رضی اللہ عنہ سے غلو کی حد تک محبت کی وجہ سے ہوئی۔ عراق اور ایران میں اب بھی اس گروہ کے لوگ کثیر تعداد میں موجود ہیں جو اپنی تبلیغ جاری رکھے ہیں۔

اس فرقہ کے علماء نے عیسائیوں کے لٹریچر اور یونانی فلسفہ سے زیادہ استفادہ کیا اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خیالات عیسائیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں نبوت وامامت ثانوی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کے عقائد یہ ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرزند ہیں۔

خدا نے ابی طالب کے جسم میں حلول کیا تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ برابر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرزندِ خدا ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند مقام کے حامل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کی وجہ سے جو درجہ ملا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رہینِ منت ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان محض علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہوئی۔

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ کے بارے میں آیات ہیں کہ اس کی کوئی اولاد نہیں وہ آیات آنحضرت

---

1. اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1372، الأعلام /الزرکلی ج: 7/277، کتاب "دفع شبه من شبه وتمرد"/ 26، میزان الاعتدال ج: 3/191، ابن الأثیر ج: 5/76، طبری ج: 8/240، تاریخ الاسلام للذهبی ج: 5/1، تلبیس ابلیس/ ابن الجوزی/ 21۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے شامل کی ہیں۔ وہ وحی الٰہی کا حصہ نہیں ہے۔ [1]

مدثریہ:

یہ شیعوں کا ایک فرقہ ہے جس کا بانی حسین تھا۔ اس نے اپنا نام تبدیل کر کے احمد رکھ لیا۔ اس کے باپ نے بھی مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ احمد کے منہ پر ایک داغ تھا۔ اس داغ کو وہ اپنے حامیوں کے سامنے دکھاتا اور کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ میری امامت کا نشان مقرر کیا ہے اس کے متبعین اسے صاحب الشامہ یا صاحب الشیہ کہتے تھے وہ خود کو مہدی امیر المومنین کہلواتا تھا۔ اس کی تائید وحمایت میں اس کا چچیرا بھائی عیسٰی بن مہدی بھی آملا۔ اس نے اپنا نام عبداللہ بن اسماعیل بن جعفر صادق مشہور کر دیا اور یہ عقیدہ پھیلایا کہ عبداللہ کی روح اس میں حلول کر چکی ہے اور وہ امام عصر ہے۔ دعوے دونوں کے مختلف تھے۔ لہٰذا صاحب الشامہ یا صاحب الشیہ اس کے حق میں دستبردار ہو گیا اور اس نے اعلان کیا کہ میری امامت اس کے آنے تک مشروط تھی۔ عبداللہ کے آنے پر میں اس کا داعی ہوں۔

عبداللہ نے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید میں مدثر کا جو لفظ آیا ہے اس کا مخاطب میں ہوں، کیونکہ امام اپنے عہد کا رسول ہوتا ہے۔ جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے مدثر بھی تھے ان کے بعد اس کے مخاطب علی رضی اللہ عنہ ہوئے۔ پھر ان کی اولاد مخاطب رہی۔ اس وقت میں مدثر ہوں۔ چنانچہ اس کے گرد بھی جمعیت فراہم ہوگئی۔ مدثر نے اپنا لشکر فراہم کر کے دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ دمشق نے اس سے صلح کر لی۔ پھر اس کی فوجوں نے حمص اور حماۃ فتح کر کے وہاں اپنا خطبہ پڑھا۔ یہاں سے وہ سلمیہ پہنچا اور سلمیہ میں آباد بنو ہاشم کو جو دعوت اسماعیلیہ میں مصروف تھے قتل کرا دیا۔ اس خونریزی کے بعد عباسی خلیفہ مکتفی نے لشکر بھیج کر اس کا قصہ تمام کر دیا۔ [2]

---

1. ماخوذ از تاریخ فاطمین مصر وتحفہ اثنا عشریہ۔
2. اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1347۔

تقیہ: [1]

عربی الاصل لفظ ہے تقویٰ سے ماخوذ ہے، پرہیز، حذر، خوف، بچاؤ۔ فقہ اہل تشیع کی اصطلاح میں نقصان کے خوف سے عقائد کو پوشیدہ رکھنا۔ شیعہ علماء کہتے ہیں کہ تقیہ ایک پردہ ہے مومنین کے لیے اور اس کے جواز میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہیں۔

''جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جسنے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ [2]

اس آیت میں (تقۃ کو تقیہ) بھی پڑھا گیا ہے۔

''آل فرعون کے ایک مومن نے کہا جو اپنا ایمان چھپاتا تھا۔'' [3]

اس آیت میں واضح طور پر ایمان کے چھپانے کا ذکر تعریف کے انداز میں کیا گیا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صحت اعتقاد و خوف خدا کے ساتھ خلاف ایمان کچھ کہہ دینا یا کرنا جائز ہے اس سلسلے میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی مثال دی جاتی ہیکہ جب کفار قریش نے انہیں بہت مجبور کیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں اور پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی مجبوری کو بیان کر کے اسلام کا اقرار کیا۔

تقیے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ خوف ضرر، دفع مضرت مقصود ہو، خواہ وہ مال جان کا نقصان ہو یا آبرو کا لیکن کسی قسم کا نفع اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے اس قسم کے قول و فعل کو تقیہ نہیں کہا جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ان اعمال و اقوال کا تعلق حقوق اللہ اور فرائض دین سے ہو۔ حقوق العباد میں تقیہ خونریزی سے بچنے کے لیے جائز ہے لیکن خون کرنے تک نوبت پہنچ جائے تو جائز نہیں ہے۔ تقیے کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے اصل دین کو نقصان نہ پہنچے۔

---

1 الوشیعة فی عقائد الشیعة/موسیٰ جار اللہ/80-86، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا (تقیہ)/264۔

2 سورۂ نحل/106۔

3 سورۂ مومن/28۔

تاریخی رنگ میں تقیہ کی ضرورت اس واسطے پیش آئی کہ بعض غیر شیعی حکومتوں میں انہیں بعض صورتوں میں برا سمجھا جاتا رہا۔ چنانچہ اپنے مخالفین کے طعن و تشنیع اور سلاطین کے خوف سے بچنے کے لیے انہوں نے تقیہ کو اختیار کیا اور تعلیمات اہل تشیع میں اسے ایک خاص مقام حاصل ہو گیا۔

اہلِ سنت کے یہاں بھی تقیہ کی اصطلاح ہے۔ امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الاکراہ میں حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "التقية الى يوم القيامة"۔ 1

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک تقیہ انہی صورتوں میں جائز ہے جن میں اظہار حق اور دین کا سوال ہو۔ 2

☆☆☆
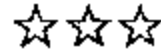
1 صحیح بخاری کتاب الاکراہ/6940۔

2 التفسیر الکبیر سورہ نحل/106۔

اثنا عشریہ

اصطلاحاً اہلِ تشیع کا وہ فرقہ ہے جو بارہ اماموں حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری اور امام مہدی (امام غائب) رضی اللہ عنہم کو مانتا ہے۔ ان کے مقابلے میں دوسرا شیعی فرقہ اسماعیلیہ ہے جو پہلے چھ اماموں کو مانتا ہے۔

اثنا عشریہ کے عقیدے کے مطابق حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ امام اوّل ہیں۔ آخری بارہویں امام مہدی کی ولادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ بمطابق ۳۰ جولائی ۸۶۸ء کو ہوئی اور آپ ۲۶۱ھ/۸۷۴ء کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔ چنانچہ ان کے دوبارہ آنے کا انتظار ہے۔

اب اس فرقے میں بھی کئی مکاتیبِ فکر پیدا ہو چکے ہیں اور ان کے بھی کم از کم ایک درجن گروہ بن چکے ہیں۔ اگرچہ ان کے علیحدہ نام ہیں اور سبھی خود کو اثنا عشری کہلاتے ہیں۔ تاہم ان کے عقائد میں یہ اختلافات وتضادات پائے جاتے ہیں:

۱۔ امام حسن عسکری فوت نہیں ہوئے محض غائب ہوگئے ہیں۔

۲۔ امام موصوف فوت ہوگئے ہیں اور لاولد ہیں۔ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔

۳۔ امام موصوف نے اپنے بھائی جعفر کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔

۴۔ جعفر لاوارث انتقال کر گئے۔

۵۔ محمد بن جنید بن علی امام برحق ہیں۔

۶۔امام حسن عسکری کی وفات سے دو برس قبل ان کے صاحبزادے محمد المہدی پیدا ہوئے۔

۷۔امام موصوف کے ہاں صاحبزادہ پیدا تو ہوئے لیکن ان کی وفات کے آٹھ ماہ بعد۔

۸۔امام موصوف لاولد فوت ہوگئے۔اس لیے اب کوئی امام نہیں۔

۹۔امام موصوف کے ایک فرزند ضرور تھے مگر وہ امام نہیں تھے۔

۱۰۔امام کے متعلق علم نہیں کہ کیا وہ امام حسن کی اولاد میں سے ہیں یا نہیں۔

۱۱۔امام علی رضا کے بعد کوئی امام نہیں آیا۔اب صرف آخری امام کا انتظار ہے۔ 1

امامیہ:

یہ اہلِ تشیع کا ایک فرقہ ہے، جس کے نزدیک سلسلۂ نبوت کے خاتمے کے بعد امامت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ان کے نزدیک پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ان کے بعد حضرت امام حسن، امام حسین اور پھر امام زین العابدین رضی اللہ عنہم اجمعین علی الترتیب امام ہیں۔ان کے بعد امامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ان میں سے اثناء عشریہ بارہ اماموں کا سلسلہ سبعیہ سات اماموں اور اسماعیلیہ حاضر سلسلہ کو مانتے ہیں۔البغدادی نے امامیہ کے پندرہ فرقوں کا ذکر کیا ہے۔کاملیہ، محمدیہ، باقریہ، ناؤسیہ، شمیطیہ، عماریہ، اسماعیلیہ، مبارکیہ، موسویہ، قطعیہ، اثناء عشریہ، ہشامیہ، زراریہ، یونسیہ وغیرہ۔ان کے علاوہ نزاریہ، قرامطیہ، زیدیہ، کیسانیہ وغیرہ بھی کئی فرقے ہیں۔ 2

ناؤسیہ:

امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے متبعین کا ایک گروہ تاریخ میں ناؤسیہ کے نام سے مشہور ہے۔اس کا بانی عبداللہ بن ناؤس بصری ہے، جو کافی عرصہ امام صاحب کی مجلس میں رہا۔ناؤسیہ اور شمعیہ کے عقائد میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے، تاہم ناؤسیہ شمیطیوں کے اس نظریہ سے اختلاف رکھتے ہیں کہ محشر میں امام جعفر صادق

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ضحی الاسلام/ احمد امین ج: 3/154-194، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/ 141۔

2 ضحی الاسلام/احمد امین ج:3/154-194، مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا/360-368۔

رحمہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم وقالب میں ظاہر ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کی شفاعت کریں گے، بلکہ جعفر صادق رحمہ اللہ اپنی اصلی شکل وصورت میں اس روز موجود ہوں گے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام کی حیثیت سے امت کی شفاعت کریں گے۔ گویا کہ شمیطیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت میں حشر کے روز جعفر صادق رحمہ اللہ کی شفاعت اور موجودگی کے قائل ہیں، مگر ناوسیہ صرف شفاعت کا عقیدہ مانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت میں آنے سے انکاری ہیں۔ ناوسیہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ کو زندہ مانتے ہیں اور "وهوا لمهدي الموعود القائم المنتظر" تسلیم کرتے ہوئے ان کی دوبارہ آمد کے منتظر ہیں اور ان کے خیال میں وہی آخری امام اور موعود ہیں۔

ان کا عقیدہ ہے کہ جو شخص اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے محروم رہے گا۔ دنیا میں وہ کافر اور آخرت میں دوزخی ہوگا اور اس کی بخشش کا کوئی وسیلہ نہیں۔ عبداللہ بن ناوس بصری نے اپنے عقائد کو خوب پھیلایا اور مضافات بصرہ میں اس کا مستقل فرقہ قائم ہوگیا جو آج بھی موجود ہے۔ [1]

مومنہ جماعت:

یہ اثنا عشریہ شیعوں کا ایک معروف گروہ ہے۔ اسماعیلیوں میں ایک فرقہ مومنہ جماعت کے نام سے مشہور ہے اس کے بانی سید امام الدین تھے جن کو عرف عام میں امام شاہ کہا جاتا ہے۔ اس فرقہ نے بہت سی باتیں غیر مسلم اقوام سے اخذ کیں اور ان کا سلسلہ کبیر پنتھی یا مالک پنتھی قسم کا ہے یعنی ہندو اور مسلم کی تمیز کیے بغیر تعلقات ومراسم رکھتے ہیں۔ ہندوؤں کی بہت سی رسمیں ان میں رواج پا چکی ہیں۔ دوسری طرف مشائخ سے بھی محبت رکھتے ہیں۔

امام شاہ بغرضِ تبلیغ عراق سے ہندوستان آئے تھے اور گجرات میں مقیم ہوگئے۔ امام الدین شاہ ۱۵۱۲ء میں فوت ہوئے اور ان کا مزار گجرات احمد آباد میں موجود ہے۔ ان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہوا۔

---

1. اسلامی انسائیکلوپیڈیا، غنیۃ الطالبین/عبدالقادر جیلانی۔

مومنہ جماعت نزاریوں یا مستعلیوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتی۔ ان کے عقائد و معمولات بھی دیگر اسماعیلیوں سے مختلف ہیں۔ 1

میمونیہ:

اہلِ تشیع کے اس فرقہ کا بانی اہواز کا باشندہ عبداللہ بن میمون تھا۔ اس نے تلاش امام کے لیے سفر اختیار کیا۔ ان دنوں اسماعیلیوں کے درمیان یہ بحث چل رہی تھی کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے بعد امامت ختم ہے اور ایسے بھی لوگ موجود تھے جو محمد بن اسماعیل کی امامت تسلیم کرتے تھے۔ عبداللہ نے ان حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد امام جعفر صادق کے ایک غلام مبارک سے ملاقات کی۔ مبارک اپنے عہد کا بہترین خوشنویس، نقاش اور ماہر دستکار تھا۔ دونوں کے درمیان دوستی ہوگئی۔ دونوں نے باطنی مذہب کی تبلیغ کا فیصلہ کیا۔ عبداللہ بن میمون عراق وطبرستان کی طرف چلا گیا اور مبارک نے بصرہ وکوفہ کو مرکز بنالیا۔ عبداللہ کچھ عرصہ تک دعوتِ اسماعیلی میں مصروف رہا۔ اس نے قرآن مجید کے حروف مقطعات سے مشابہ عربی فقرے تحریر کیے اور ان کے ذریعے جادو اور سحر کا سلسلہ چلایا۔ جب ایک گروہ اس کے اردگرد منظم ہوگیا تو اس نے اپنی امامت کا اعلان کر دیا اور شریعت کے تمام احکام منسوخ کر کے ہر قسم کے لہولعب کی اجازت دے دی۔ عبداللہ بن میمون اہلِ سنت کے ہاتھوں قتل ہوگیا مگر قتل سے پہلے اپنے لڑکے کو قائم مقام اور غیاث نامی شخص کو نائب مامور کیا۔ موت کے بعد اس کے لڑکے احمد نے اس کی شریعت منسوخ کر کے نئے عقائد کا اعلان کر دیا۔

عبداللہ بن میمون نے "کتاب المیزان" لکھی جو دعوتِ اسماعیلیہ کے تمام اسرار و رموز پر حاوی ہے اور آج بھی اسماعیلی اسے مقدس سمجھتے ہیں۔ 2

---

1. دائرہ معارف اسلامیہ۔
2. اسلامی انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ۔

خطابیہ:

ایک فرقہ جس کا شمار انتہا پسند شیعوں میں ہوتا ہے۔ یہ فرقہ ابو خطاب محمد بن ابی زینب اجدع سے منسوب ہے ۳۰۰ھ کے قریب اس فرقے کے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ تھی اور سواد کوفہ اور یمن میں آباد تھے۔ ابو خطاب اپنے مخالفین سے قطعی بے رحمی کا برتاؤ کرنے کی تلقین کرتا تھا۔ مردوں عورتوں، بچوں سبھی کو اس کے خیال میں قتل کر دینا ضروری تھا، وہ اپنے مخالفین کے مقابلے میں جھوٹی گواہی دینا بھی جائز قرار دیتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو خطاب کی وفات کے بعد اس کے معتقدین نے محمد بن اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو امام تسلیم کر لیا تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خم غدیر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منصب نبوت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتقل کر دیا تھا۔ اس فرقے پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ تمام قوانین اخلاق اور شریعت اسلام سے منکر ہو گیا تھا اس کے پیرو تناسخ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ چونکہ بظاہر اس فرقے کی کوئی بھی کتاب دستیاب نہیں۔ اس لیے یہ اندازہ کرنا دشوار ہے کہ یہ بیانات کہاں تک صحیح ہیں۔ 1

نوربخشیہ/صوفیہ:

اس فرقے کا وجود شمالی علاقہ جات، کراچی کے علاقے محمود آباد وغیرہ میں ہے، اہل تشیع سے عقائد میں یہ مذہب ۹۰ فیصد ملتا جلتا ہے، البتہ طریقۂ عبادت اہل سنت اور اہل تشیع سے ہٹ کر مستقل ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلا فصل مانتے ہیں، فی زمانہ ان میں دو فرقے ہو گئے ہیں، ایک نوربخشیہ اور دوسرا صوفیہ، دونوں فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں، مذہب کے بانی کا نام نوربخش ہے۔ 2

---

1 غنیۃ الطالبین/عبدالقادر جیلانی، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ۔

2 المنجد فی الاعلام دیکھیے (نوربخش)

موضوع سے آگاہی کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں کارآمد ہیں:

☆...... الفصل فی الملل والاهواء والنحل/ابن حزم

☆...... الخطوط العريضة/محب الدين الخطيب

☆...... تاریخ الامامة واسلافهم الشيعة/عبداللہ فیاض

زیدیہ

شیعوں کی ایک شاخ ہے جسے زید بن زین العابدین علی کو امام تسلیم کرنے کی بنا پر اثنا عشریہ اور سبعیہ سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ زیدیہ کے نزدیک شرائط امامت یہ ہیں: بالغ، عاقل، مرد، زندہ، مسلمان، عادل، مجتہد، صاحب تقویٰ اور سخی ہو، سیاست دان، منتظم جو حقوق میں تبدیلی نہ کرے، رعایا کے معاملات خود انجام دے، صحیح الرائے ہو، بہادر اور جرأت مند ہو اور سامعہ و باصرہ سے درست ہو۔ 1

زیدیہ کے نزدیک امام کے لیے جہاد کرنا اور فقیہ ہونا لازمی ہے۔ وہ زید بن علی کو اصول و فروع کا سرچشمہ مانتے ہیں۔ توحید میں ان کے بیشتر عقائد شیعۂ اثنا عشریہ و معتزلہ کے مطابق ہیں۔ مثلاً ذات الٰہی کو منزہ عن الجسم والجسمات اور صفات کو عین ذات مانتے ہیں۔ رؤیت کی نفی کرتے ہیں۔ عدل کے قائل ہیں اور وعد میں شفاعت کو خلاف وعدہ کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں جس کی جو سزا ہے وہ اسے ضرور ملے گی۔ اصحاب کبائر کی شفاعت ماننے سے اللہ کا وعدہ و وعید باطل ہو جائے گا۔

امام برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہیں، پھر حضرت زید۔ بعض کے زین العابدین علی اور ان کے بعد زید بن علی ان کے بعد حسنی و حسینی سادات میں جو بھی صاحب سیف ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بیک وقت دو امام ہوں 2 ۔ چھٹی صدی میں زیدیوں کی اکثریت اور معتزلہ کے عقائد میں بال برابر بھی اختلاف نہیں تھا۔ زیدی فقہ میں عموماً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اور بعض مسائل میں امام شافعی رحمہ اللہ سے متعلق ہیں۔ 3

---

1 تفصیل کے لیے: ثورۃ زید بن علی / ناجی حسن

2 ملاحظہ ہو: کتاب المقالات والفرق / أشعری

3 الامام زید / ابوزہرہ

زیدیوں کے فلسفۂ دعوت پر عہد حاضر کے فاضل زیدی بزرگ ابراہیم بن علی بن وزیر نے "العرفان" میں قلم اٹھایا ہے جس کا ملخص یہ ہے: '' زید نے اپنی دعوت کے مرکزی نکتے یہ قرار دیئے ہیں۔ 1

(۱) مسلمانوں کے معاملے شوریٰ سے طے ہوں۔استبداد، بدعت اور شہنشاہیت کا مقابلہ کیا جائے۔

(۲) شوریٰ کا انکار اور استبداد۔اگر حکومت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو یکسر نظرانداز کردے تو امام کو حکومت سے ٹکر لینے کی اجازت ہوگی۔امام عادل قرآنی معاشرہ ونظام کا ذمہ دار ہوگا۔کتب تاریخ میں زیدیوں کے بہت سے فرقے بتائے گئے ہیں، جارودیہ، سلیمانیہ، بتریہ، یعقوبیہ، مطرفیہ، زیدیہ وامامیہ، ابرئیہ، عقبیہ، جریریہ، صالحہ، صباحیہ، مدیہ، طالقانیہ، عمریہ، رکبیہ، خشبیہ، حلسفیہ اور قاسمیہ (ثورۃ زید)۔

نعیمیہ:

یہ زیدی شیعوں کا ایک فرقہ ہے۔اس کا سرگروہ نعیم بن الیمان تھا۔یہ شخص خراسان کا باشندہ تھا اور یحییٰ بن زید کی امامت پر اس نے اختلاف کیا۔اس کا خیال ہے کہ زید شہید زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے وہ پھر دنیا میں آئیں گے۔ان کی غیبت میں کسی کو امام تسلیم کرلینا ان کی امامت کی نفی ہے اور جو شخص امام برحق کی نفی کا مرتکب ہو، اس ایمان مشکوک ہے۔

اس شخص نے خود کو نیابت زید کا مستحق ٹھہرایا اور ان کے نام پر دین کے احکامات میں تبدیلیاں کیں۔ اس فرقہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صریحاً کافر کہا، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آئے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری کی وجہ سے خلافت پر قبضہ کرلیا۔ جو امام معصوم کا مقابلہ کرے وہ کافر ہے۔زیدیوں میں یہ گروہ آج بھی یمن میں با اثر ہے۔ 2

---

1 تاریخ الفرق الزیدیۃ/فضیلۃ عبدالاثیر الشامی

2 تفصیل کے لیے: ثورۃ زید بن علی/ ناجی حسن

اس موضوع کے لیے: دائرہ معارف اسلامیہ، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، اردو انسائیکلوپیڈیا، الأدیان والفرق، الملل والنحل، الفرق بین الفرق، مذاہب عالم، تقابل ادیان اور

The Encyclopedia of religion and Etichs

The great religion of modren world

اسماعیلی (فاطمی)(**)

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ تشیع کے تین گروہ ہوگئے: (۱) امامیہ (۲) زیدیہ (۳) کیسانیہ۔ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ خلافت فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فاطمی اولاد ہی کے لیے مخصوص ہے، لیکن زیدیہ اور کیسانیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیر فاطمی اولاد بھی خلافت کی حق دار ہے۔ چھٹے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فرقۂ امامیہ کے دو گروہ ہوگئے۔ ایک اثنا عشری جو بارہ اماموں کو مانتا ہے اور دوسرا اسماعیلیہ یا سبعیّہ یعنی سات اماموں کو ماننے والا۔

اس گروہ بندی کی وجہ یہ ہوئی کہ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کسی وجہ سے اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کی نامزدگی کو منسوخ کردیا اور اپنے چھوٹے بیٹے امام موسیٰ کاظم کو اپنا جانشین مقرر کردیا، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد ۷۶۵ء میں ایک گروہ نے حضرت موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور امام اسماعیل کو ہی صحیح جانشین سمجھتے ہوئے ان کے بیٹے محمد کو اپنا امام بنالیا، اگرچہ اسماعیل باپ کی زندگی میں ہی انتقال کرگئے تھے لیکن ان کے ماننے والوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زندہ ہیں صرف چھپے ہوئے ہیں۔

اسماعیلی فرقے کا عقیدہ ہے کہ امامت کا منصب خدا کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے جو بڑے بیٹے کو خود بخود مل جاتا ہے، اب اسماعیلی فرقے میں امام تو نہیں آتے، البتہ ان کے نائب ہوتے ہیں۔ مصر میں فاطمی خلافت کے خاتمے (۱۱۳۰ء) پر اسماعیلیوں کے درمیان بھی اختلافات پیدا ہوگئے۔ حسن بن صباح کی سرپرستی میں اسماعیلیوں کو ایران میں کافی فروغ ہوا، مگر شمس الدین کی وفات کے بعد اسماعیلیوں کے دو گروہ

(**) اس مضمون کے لیے سب سے اچھی کتاب ڈاکٹر زاہد علی کی ''ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت'' ہے، نیز مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

ہو گئے، ان میں زیادہ مشہور وہ گروہ ہے جو آغا خان کا پیرو ہے، لیکن آغا خانی اسماعیلیوں کی تعداد بھی ڈھائی تین لاکھ سے زیادہ نہیں، یہ لوگ زیادہ تر تجارت پیشہ اور متمول ہیں، ان کی بڑی تعداد بمبئی، کراچی، گجرات، گلگت، چترال، ہنزہ، شام، مشرقی افریقہ اور دوسرے ملکوں میں پائی جاتی ہے۔ باطنیہ اور قرامطی بھی انہی میں سے نکلے ہیں۔

آغاخان:

آغا خان اسماعیلی فرقے کے اِماموں کا لقب ہے۔ اس فرقے کے ایک امام حسن علی شاہ کے والد ایران کے صوبہ کرمان کے گورنر تھے، اُن کے انتقال کے بعد شاہِ ایران فتح علی شاہ قاچار نے حسن علی شاہ کو اس منصب پر فائز کیا اور اپنی بیٹی ان کے عقد میں دے دی۔ نیز آغا خان کے لقب سے نوازا، ان کی اولاد میں جو شخص مسندِ امامت پر متمکن ہوا وہ آغا خان کہلایا، ان کے پیروکار آغا خانی کہلاتے ہیں۔ 1

فدائی:

اسماعیلیوں کے ایک خفیہ گروہ کا نام ہے جو حسن بن صباح (المتوفی ۱۱۲۴ء) اور اس کے جانشینوں کے اشارے پر اپنی جان قربان کر دیتے تھے۔ فدائیوں کے سربراہ فدائیوں کو عموماً مخالف فرقے کے بااثر لوگوں کو قتل کرنے کا کام سونپتے تھے۔ فدائی اپنی جان کی پروا نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ سیدھے جنت میں جائیں گے اور شہادت کا درجہ پائیں گے۔ 2

جدید آغا خانیت:

قادیانیت، بہائیت اور ذکری مذہب کی طرح اسماعیلی مذہب جو "آغا خانیت" کے نام سے معروف ہے، فرقہ نہیں بلکہ ایک مستقل مذہب ہے مگر لوگوں سے اس مذہب کی تعلیمات پردۂ خفا میں ہیں، نہ عام لوگوں کو اس مذہب کے اصول وعقائد معلوم ہیں نہ اہلِ علم کو۔ بلکہ خود آغا خانی حضرات کی بڑی اکثریت بھی اپنے

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/33-34۔

2 الأعلام/لزرکلی ج:2/194، میزان الاعتدال ج:1/232، اسلامی انسائیکلوپیڈیا/1145۔

مذہب کے اصول ومبادی اور آثار ونتائج سے یکسر بے خبر ہیں۔ بس چند رسوم ہیں جو باپ دادا کی تقلید میں بجالائی جارہی ہیں۔ اس کے سواوہ کچھ نہیں جانتے کہ مذہب کیا ہے؟ مذہب کی غرض وغایت کیا ہے؟ اسلام کے ساتھ اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ اور بانیان مذہب کون لوگ تھے؟ اور ان کے اغراض ومقاصد کیا تھے؟

اسی لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ آغاخانیوں کی مستند کتابوں کے حوالوں سے کچھ ان کے عقائد ونظریات بیان کردوں تاکہ اہلِ ایمان اس فتنہ کے نقصان سے محفوظ رہے۔

آغاخانیوں کا حقیقی کلمہ:

"اشهد ان لااله الا الله واشهدان محمد رسول الله واشهدان اميرالمؤمنين على ولي الله۔" [1]

آغاخانیوں کا سلام:

"یاعلی مدد" ہمارا سلام ہے۔ [2]

آغاخانیوں کے پیر (نبی اور علی):

پیرشاہ (نبی اور علی) ہمارے گناہ بخش دیتے ہیں۔ پیرشاہ ہم کو اچھی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔ پیرشاہ ہماری دعا قبول کرتے ہیں۔ دعا پڑھنے میں امام حاضر خوش ہوتے ہیں۔ کوئی چیز ہاتھ سے گرجائے تو اس وقت "پیرشاہ" بولنا چاہیے۔ بیماری کے وقت "پیرشاہ" بولتے رہنا۔ امام حاضر کو ہم "پیرشاہ" کہتے ہیں۔

امام حاضر پیرشاہ ہے۔ ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ ہیں، ہمارے پہلے امام حضرت علی ہیں ہمارا پچاسواں پیر حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی ہے۔ [3]

آپ جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور دنیا ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ ہر چیز بدلتی رہتی ہے۔ جس میں صحیح ہدایت امام حاضر ہی دے سکتا ہے۔ اسماعیلیوں کے پاس کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں، بلکہ زندہ امام ہے ہدایت کے لیے۔ [4]

---

1 گلشن مالا/6 (درسی کتاب برائے مذہبی نائٹ اسکول، مطبوعہ: اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی)

2 گلشن مالا/6 (درسی کتاب برائے مذہبی نائٹ اسکول، مطبوعہ: اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی)

3 گلشن مالا/6 (درسی کتاب برائے مذہبی نائٹ اسکول، مطبوعہ: اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی)

4 آغاخان کے فرامین کا مجموعہ، فرمان نمبر 530، مطبوعہ: اسماعیلیہ ایسوسی ایشن بمبئی

قرآن شریف کی صحیح سمجھ اور اس کے چھپے بھیدوں کے صحیح معنی اور صحیح علم "امام حاضر" کو ہی ہوتا ہے۔

"امام حاضر" قرآنِ ناطق (یعنی بولتا ہوا قرآن) ہے اس لیے اس کے فرمانوں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔اس کے فرمانوں پر عمل کرنے والے دنیا میں فلاح پاتے ہیں۔

امام کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کے برابر ہے۔امام کا چہرہ خدا کے چہرے کے برابر ہے۔عقیدت سے امام کا دیدار کرنے والا۔خدا کا دیدار کر رہا ہے۔ 1

حضرت مرتضیٰ علی نے لوگوں کو فرمایا کہ یہ کتاب مجھ کو رسول اللہ نے دی ہے اور آپ لوگوں تک پہنچانے کی وصیت کی ہے۔اس لیے آپ اس کو لیجیے۔

اس پر سب لوگوں نے کہا کہ ہمارے پاس عثمان کی کتاب ہے وہ کافی ہے۔آپ کی کتاب کی ہم کو ضرورت نہیں۔اس پر مرتضیٰ علی نے فرمایا کہ اس کتاب کی رتی برابر خبر آپ لوگوں کو تا قیامت نہیں ملے گی۔ یہ کہہ کر کتاب اپنے گھر واپس لے گئے۔ وہ کتاب بعینہٖ دس سپارے ہیں۔جس کے بارے میں پیر صدرالدین نے "گنان" میں سمجھایا ہے۔اس کے مطابق عمل کرو۔ 2

مقدس کتاب گنان:

آپ لوگوں کے لیے علم "گنان" ہے۔قرآن شریف کو تیرہ سو سال ہو چکے ہیں۔وہ ملک عرب کی آبادی کے لیے ہے۔گنان کو سات سو سال ہوئے ہیں۔تم لوگوں کے لیے گنان ہے اور اسی پر عمل کرنا۔ 3

باطنیہ:

یہ اسماعیلیہ فرقے کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید اور احادیث کے ظاہری الفاظ کے "باطنی" معنوں پر زور دیتے ہیں یعنی لفظی معنوں کو رد کرتے ہیں اور باطنی معنوں پر زور دیتے ہیں مثلاً ابو منصور العجلی کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ وہ "السموات" سے مراد امام اور "الارض" سے امام کے پیرو مراد ہیں۔

---

1 گلشن/8،مطبوعہ: اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا،بمبئی

2 آغا خان کے فرامین کا مجموعہ،فرمان نمبر 20۔

3 آغا خان کے فرامین کا مجموعہ،فرمان نمبر 31۔

باطنیوں کے چار بنیادی تصورات ہیں:(۱)باطن (۲)تاویل (۳)خاص وعام (۴)تقیہ۔

ان کے خیال کے مطابق ہر مقدس متن کے کچھ باطنی معنی بھی ہوتے ہیں جو ظاہری معنوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہر نبی جس کو کتاب دی جاتی ہے اس کے ساتھ ایک وصی ہونا بھی لازمی ہے اور اس وصی کا کام یہ ہے کہ وہ خفیہ طریقے سے اس کلام کی تاویل قابل لوگوں کے ایک خاص گروہ جو اسے وصی مانتا ہو کے سامنے کرے۔اسی وجہ سے ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متقابل تاویل ملی ہے۔ چنانچہ اس طرح وہ انسانوں کو دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ایک خواص جو باطن کو جاننے والے دوسرے عوام۔

ان کے نزدیک باطن محض اس لیے باطن نہیں کہ وہ ظاہر نہیں ہے بلکہ اس لیے بھی باطن ہے کہ وہ بھید ہے اور اس کا علم وحی کی ظاہری پیروی کرنے والوں کو نہیں ملتا۔باطنیوں میں یہ عقیدہ خاص طور پر بار بار ابھرتا رہا کہ جو لوگ امام کے صحیح منصب اور باطن کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں ان کے لیے شریعت اور اس کے ظواہر کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ [1]

قرامطہ:

یہ ایک باطنی فرقہ ہے، جس کا بانی حمدان قرمطہ تھا۔حمدان عراق کا ایک دیہاتی باشندہ تھا۔اسے جب یہ احساس ہوا کہ مسلمانوں کی مملکت ایرانیوں کے ہاتھوں تباہ ہوجائے گی تو اس نے ایک تحریک شروع کی۔۸۹۰ء میں حمدان نے کوفہ کے قریب ''دارالہجرۃ'' کے نام سے ایک قیام گاہ بنائی جو اس تحریک کا مرکز بنی۔ ملک کے عوام خصوصی طور پر دستکاروں اور صناعوں میں اس تحریک نے کافی فروغ پایا۔اصولاً یہ ایک خفیہ تحریک تھی۔قرامطہ،اپنے انقلابی رجحانات کی بدولت جلد ہی سیاسیات اسلام میں ایک اہم عنصر بن گیا۔ وہ اپنے مخالفین کو خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، قتل کرنا جائز سمجھتے تھے۔قرامطہ ۸۹۹ء میں خلیج فارس کے مغربی کنارے پر ابوسعد الحسن الجنابی کی زیر قیادت ایک خودمختار مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا/291،ضحی الاسلام/احمد امین ج:3/154، غنیۃ الطالبین/عبدالقادر جیلانی، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرۃ/61۔

انہوں نے الاحسا'' کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ یہ نوزائیدہ مملکت جلد ہی حکومت بغداد کے لیے خطرہ بن گئی۔ الجنابی کے لڑکے اور جانشین ابوطاہر سلیمان نے عراقِ زیریں کے اکثر علاقے کو پامال کیا اور حاجیوں کے راستے منقطع کر دیے۔ ۹۳۰ء میں ابوطاہر سلیمان نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر دیا اور بیت اللہ سے حجرِ اسود کو بھی لے گیا۔ حجرِ اسود کی واپسی ۹۵۱ء میں فاطمی سلطان المنصور کے حکم سے ہوئی۔ 1

بوہرہ/ بہرہ/ داؤدی:

بوہرہ گجراتی لفظ ووہروں کی بگڑی ہوئی شکل ہے، جس کے معنی تاجر کے ہیں۔ اسماعیلیہ فرقے کی بھارتی اور پاکستانی شاخ جو ہندوؤں سے مسلمان ہوئی، مغربی ہند میں ہندو بوہرے بھی ہیں اور سنی بوہرے بھی۔ بالعموم یہ بیوپاری ہیں اور شہروں میں رہتے ہیں، افریقہ اور الجزائر میں بھی تجارت کرتے ہیں اور عرب و مسقط میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔

ان کی ابتدائی تاریخ کے بارے میں بہت کم علم ہے۔ احمد، عبداللہ وغیرہ ان کے مشہور رہنما (داعی) تھے جن کے مزارات قدیم شہر کھمبات (بھارت) میں ہیں۔ ۱۵۱ھ تک ان کا ایک ہی داعی ہوتا تھا، اس کے بعد ہندوستانی فرقے نے داؤد بن قطب شاہ کی حمایت کی اور اس لحاظ سے داؤدی کہلانے لگے۔ یمن والوں نے سلیمان بن حسن کو اپنا داعی تسلیم کیا، وہ سلیمانی کہلائے، اس طرح ان کے دو فرقے ہو گئے، یمن میں سلیمانیوں کی اکثریت ہے اور پاکستان اور بھارت میں داؤدیوں کی۔ گجرات کی اسلامی سلطنت کے زمانے میں ان میں سے بعض سنی مسلمان ہو گئے اور صغیری کہلائے۔ ان لوگوں کے مذہبی رہنما ''ملاجی'' کہلاتے ہیں، بوہروں کا لباس عام طور پر عمامہ اور لمبی اچکن ہوتا ہے۔ آغا خان کے بجائے یہ سیدنا برہان الدین کو اپنا مقتدا مانتے ہیں۔ 2

---

1 مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/ 348-352، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ضحی الاسلام/ احمد امین ج: 1/ 186، تاریخ اسلام/ نجیب آبادی: 2/ 419، 437، 521، دائرہ معارف اسلامیہ۔

2 مزید تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

اردو انسائیکلو پیڈیا، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا، مذاہب عالم، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة، اختلاف امت اور صراط مستقیم، القرامطہ/ عبدالرحمن الجوزی، فضائح الباطنیة/ ابوحامد الغزالی، الفرق بین الفرق، المؤامرة علی الاسلام، کشف الاسرار الباطنیة، اخبار القرامطہ۔

خارجی/خوارج

یہ اسلام کے قدیم ترین فرقے کے پیروکار ہیں۔اسلام کی سیاسی تاریخ میں ان کا کردار یہ تھا کہ انہوں نے متواتر بغاوتیں کیں جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر پورے کے پورے صوبے عارضی طور پر ان کے قبضے میں آگئے۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعلق جو تجویز جنگ صفین میں پیش کی تھی، اس سے خوارج کا ایک علیحدہ فرقہ پیدا ہوا۔باغیوں کا پڑاؤ نہروان کی نہر کے کنارے تھا۔ان کے کوفے سے باہر نکلنے کی وجہ سے اس فرقے کا نام ''خوارج'' ہوگیا۔خوارج نے جلد ہی اپنے انتہائی تعصب اور تنگ نظری کا اظہار پے در پے انتہا پسند اعلانات اور دہشت ناک افعال کی صورت میں کیا۔انہوں نے اعلان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ خلافت باطل ہے۔ساتھ ہی انہوں نے حضرت عثمان کے مسلک کی بھی مذمت کی اور ان کی شہادت کا انتقام لینے کے ارادے سے بھی اپنی بریت کا اظہار کیا، جو شخص ان کے نظریے کو تسلیم نہ کرتا اسے کافر اور دین سے خارج قرار دینے لگے۔انہوں نے بہت سے لوگ قتل کیے۔رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی گئی۔ بہت سے غیر عرب بھی ان میں شامل ہوگئے۔جب خوارج سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ابتدائی گفت وشنید ناکام رہی تو مجبوراً اس بڑھتے ہوئے خطرے کو دور کرنے کے لیے کارروائی کرنی پڑی۔۹صفر ۳۸ھ/ ۱۷جولائی ۶۵۸ء کو جنگ نہروان لڑی گئی، خارجیوں کو بُری طرح شکست ہوئی۔آئندہ دو برسوں میں بھی مقامی بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا۔خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک خارجی عبدالرحمٰن ابن مُلجم المرادی کے خنجر سے شہید ہوئے۔ابن مُلجم کے سسرال میں بہت سے لوگ جنگ نہروان میں قتل ہو چکے تھے۔ایک روایت یہ ہے کہ خارجیوں کی سازش کا مقصد یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کو بیک وقت قتل کردیا جائے۔حملے کے لیے ایک ہی تاریخ کا ایک ہی وقت مقرر ہوا۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا وہ زخمی ہوگئے۔عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس رات بیمار تھے۔ان کی جگہ خارجہ بن

حذافہ رضی اللہ عنہ امامت کے لیے مسجد قاہرہ میں آئے اور شہید کر دیئے گئے۔

امیر معاویہ کے بیس سالہ دور میں کوفے اور بصرے میں خارجیوں نے کئی بغاوتیں کیں، لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حسن تدبیر اور سیاسی بصیرت کے باعث سازشوں کو پھیلنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن وہ بھی خوارج کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خارجیوں کی ہلاکت میں اضافہ ہوتا گیا جن کے قتل کا بدلہ لینا خارجی تحریک کی ایک نمایاں علامت قرار پائی۔ خوارج کے حملے اب گوریلا طرز جنگ اختیار کر رہے تھے۔ یزید اول کے مرنے کے بعد جو خانہ جنگی ہوئی اس کے خلفشار میں خارجی تحریک نے بہت زور پکڑا اور ملک کی صورتِ حال نازک ہوگئی۔ خارجیوں کی سب تحریکوں میں اسلامی سلطنت کے استحکام کے لیے جو تحریک سب سے زیادہ خطرناک اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے سب سے شدید اور غیر مصالحانہ تھی وہ نافع بن ازرق کی سرکردگی میں ابھری۔ جس کی وجہ سے خوارج کو کچھ عرصے کے لیے کرمان، فارس اور دوسرے مشرقی صوبوں پر تسلط ہو گیا۔ اس بغاوت پر پہلے مہلب بن ابی صفرہ اور پھر حجاج بن یوسف کی کئی سال کی جدوجہد کے بعد قابو پایا جا سکا۔ حجاج کی سرگرمی اور ہمت نے بظاہر خارجی تحریک کا قطعی طور پر خاتمہ کر دیا۔ جب اموی عہد کے اواخر میں مرکزی حکومت میں ناقابل تدارک انحطاط آیا تو خوارج نے پھر سر اٹھایا اور دوبارہ غارت گری شروع کر دی۔ اس دور کی دو بڑی بغاوتیں یعنی ضحاک بن قیس شیبانی کی بغاوت الجزیرہ اور عراق میں اور عبداللہ بن یحییٰ کی بغاوت عرب میں ناکام رہیں۔ ان بغاوتوں نے جو فتنہ وفساد برپا کیا اس سے اموی حکومت کی مشرقی فصیل برباد ہوگئی اور عباسیوں کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ آسانی سے سلطنت کے قلب تک پہنچ سکیں۔ عباسیوں کے عہد میں چند مقامی بغاوتیں ہوئیں لیکن انہیں فوراً ہی دبا دیا گیا۔ خارجی تحریک عملی طور پر ختم ہوگئی اور اس کی حیثیت محض ایک مذہبی فرقے سی رہ گئی۔

خوارج کے مذہبی عقائد میں کوئی یکسانی نہ تھی۔ ان کے متعدد اور مستقل فرقوں کے اپنے اپنے خاص عقائد تھے۔ ان فرقوں کی مجموعی تعداد بیس تھی۔ مسئلہ خلافت کے بارے میں خوارج کے تمام فرقوں میں اتفاق ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مؤمنوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے امام کے خلافِ شرع ہونے کا اعلان کریں جو صحیح راستے سے بھٹک گیا ہو اور اس کو اسی بنا پر معزول کر دیں۔ دوسری طرف وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر مردِ مؤمن جس کا کردار اخلاقی اور

مذہبی اعتبار سے نا قابل ملامت ہو، اس بات کی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ جماعت کی متفقہ رائے سے امامت کے بزرگ ترین عہدے کے لیے منتخب کرلیا جائے۔ اپنے خلفاء کے علاوہ وہ جن خلفاء کو برحق تسلیم کرتے ہیں۔ وہ صرف حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ ان کے عہد خلافت کے ابتدائی چھ سال تک خلیفہ مانتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ صفین تک۔

خوارج کا ایک بڑا عقیدہ یہ ہے کہ اعمال صالحہ کے بغیر صرف ایمان حصولِ نجات کے لیے کافی نہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوجائے تو اس کے مؤمن ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اسے مرتد تصور کرتے ہیں۔ خوارج کے ایک انتہا پسند فرقے ازارقہ کا کہنا ہے کہ جو کوئی اس طرح کافر ہوجائے وہ اسلام کے دائرے میں دوبارہ داخل نہیں ہوسکتا اور اسے ارتداد کے جرم میں بیوی بچوں سمیت قتل کردینا چاہیے۔ وہ ان مسلمانوں کو جو خارجی نہیں مرتد سمجھتے ہیں۔ خوارج کے بعض فرقے یہودیوں یا عیسائیوں کو ہر طرح کا امن دے کر ان کے گھروں تک بحفاظت تمام پہنچانے کا ذمہ لیتے ہیں۔ [1]

اباضیہ:

یہ خارجیوں کا ایک فرقہ ہے جس کا بانی عبداللہ بن اباض تھا۔ اس کا آغاز ۶۵ھ سے ہوا۔ آج کل اس فرقے کے لوگ مشرقی افریقہ لیبیا اور جنوبی الجزائر کے علاوہ کثرت کے ساتھ سلطنت عمان میں ملتے ہیں۔

عبداللہ بن اباض نے انتہا پسند خوارج کے فرقہ ازرقیہ سے علیحدہ ہونے کے بعد اس فرقے کی بناء ڈالی۔ اس کا دور اموی خلیفہ عبدالملک کا تھا۔ اس کا جانشین جابر بن زید الازدی ایک بہت بڑا عالم تھا۔ اسی نے غالبًا احادیث کا ایک قدیم ترین مجموعہ ترتیب دیا تھا۔

جابر کے بعد اباضیہ کی قیادت ابوعبیدہ مسلم کے سپرد ہوئی۔ یہ بھی محدث اور عالم تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بعد اس نے بصرے میں تبلیغی مرکز قائم کیا۔ اس کے بعد سے اباضیہ فرقہ کا زوال ہوگیا۔

اباضی عام طور پر باغیانہ رجحانات کے مالک رہے ہیں۔ ۱۲۸ھ میں انہوں نے جنوبی عرب میں

---

1 ضحی الاسلام/احمد امین ج: 237/3، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة / 80، تاریخ اسلام/ نجیب آبادی ج:1/ 426۔

بغاوت کرانے کی ناکام کوشش کی۔ جو ۱۳۰ھ میں وادی القریٰ میں ان کی شکست کے بعد ختم ہو گئی۔ ۱۳۲ھ میں ایک بغاوت عمان میں برپا ہوئی۔ اس کا بھی خاتمہ ہوا۔ بعدازاں کئی مقامات پر اباضیوں نے بغاوت برپا کی اور بالآخر ۱۵۵ھ میں عباسیوں سے اور پھر چوتھی صدی ہجری میں فاطمیوں سے شکست کھانے کے بعد جنوبی افریقہ میں اباضیوں کی کمر ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گئی۔

امامت کا وجود ان کے نزدیک لازمی نہیں۔ اس لیے عموماً کتمان (بغیر امام کے حکومت) قائم کرتے رہے۔ البتہ بعض اوقات امام کو منتخب کر لیا جاتا ہے۔ جو قرآن وسنت کا پیرو ہوتا ہے۔ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اکثر صحابہ کی فضیلت سے انکار کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ قرآن عہد نبوی میں خلق ہوا تھا ان کے اہم فرقے وہبیہ، نکاریہ، نفاثیہ اور خلفیہ ہیں۔ ان کے علاوہ مزید آٹھ فرقوں کے وجود کا پتہ چلا ہے۔ ان میں وہبیہ وہ قدیم فرقہ ہے جو اب تک چلا آ رہا ہے۔ [1]

ازارقہ:

یہ خوارج کا ایک فرقہ ہے جس کا بانی نافع بن ازرق (65ھ۔685م) تھا۔ اس نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے فسادات سے فائدہ اٹھایا۔ جب خوارج کو بصرہ سے باہر نکال دیا گیا تو نافع نے باہر ڈیرے ڈال دیئے اور مزید لشکر جمع کر کے عمر بن عبید اللہ کو شکست دی جو عبداللہ بن زبیر کا بھیجا ہوا والی تھا۔ اسی موقع پر بصرے میں خوارج کے درمیان تفرقہ پیدا ہوا اور وہ دو فرقوں ازارقہ اور اباضیہ میں منقسم ہو گئے۔ ازارقہ نے اپنے مخالفین کو قتل کرنا شروع کر دیا تو المہلب نے ان پر حملہ کیا اور انہیں دجلہ سے بے دخل کیا اور بعدازاں دجیل کے مشرق میں شکست فاش دی۔ اس کے بعد ازارقہ ایران کی طرف چلے گئے۔ کچھ عرصہ مختلف علاقوں میں سرگرم رہ کر اہواز پر قبضہ کر لیا۔ مہلب پھر ان کے مقابلے پر آیا اور حجاج بن یوسف کے زمانے میں اس فرقے کا خاتمہ ہوا۔ ازارقہ کے خاص خاص عقائد مندرجہ ذیل تھے:

---

1 الأعلام/لزركلي ج: 61/4، الملل والنحل/ 100، دائرہ معارف اسلامیہ، ابوالھول فالی لی/حافظ رمضان/حاشیہ/155، ضحی الاسلام/احمدامین ج: 301/1، ج:3: 242/3۔

۱۔وہ مسلمان کافر ہیں، جو ان کی طرف نہیں آئے۔

۲۔قتال (جہاد) سے پیچھے رہنے والے اسلام سے خارج ہیں۔

۳۔دشمن کی عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہے۔

۴۔مشرکین کے بچے بھی جہنمی ہوتے ہیں۔

۵۔رجم کا انکار۔

۶۔چور کا ہاتھ، بازو کی جڑ سے کاٹ دینا چاہیے۔ [1]

حازمیہ:

یہ خارجیوں کا ایک فرقہ ہے جو حازم بن عاصم کا متبع ہے۔ ان کا مذہب اہلِ تشیع کے موافق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ توقف کرتے ہیں اور اُنہیں بَری نہیں جانتے اور نہ اُن کے سوا کسی اور کو بری سمجھتے ہیں۔

معلومیہ:

یہ فرقہ خارجیہ کی ایک شاخ ہے، مگر اپنے عقائد میں انتہا پسند واقع ہوا ہے۔ دیگر خارجیوں جیسے ان کے عقائد ہیں۔ مگر اس فرقہ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کو جاننا، سمجھنا اور تسلیم کرنا ان کے نزدیک علم کی آخری حد ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام جانتا ہو اسے قرآن مجید، حدیث یا فقہ کے دیگر مسائل میں الجھنے کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں۔ باقی چیزیں ان کے ہاں قطعی غیر ضروری اور ثانوی نوعیت کی ہیں۔ اصل علم اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کو جاننا اور سمجھنا ہے۔

اس کے علاوہ اس فرقے کے لوگ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ انسانوں سے اعمال کی صورت میں کسی

---

[1] الأعلام/ لزركلي ج: 852/7، الكامل للمبرد / 181-182، رغبة الآمال ج:7/103-156، لسان الميزان ج:6/65-66۔

برائی یا بھلائی کا صدور ہوتا ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے۔یہ انسانی افعال مخلوق نہیں بلکہ خالق شمار کیے جاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں قتل، زنا، شراب، جھوٹ وغیرہ گناہ میں شمار نہیں کیے جاتے۔ 1

☆☆☆
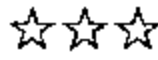
مرجیہ

یہ فرقہ خوارج، معتزلہ اور محدثین کے برعکس ترکیب ایمان کی بجائے بساطت ایمان کا قائل ہے۔ان کا کہنا ہے " الایمان تصدیق بلاعمل " ان کو مرجیہ اس لیے کہتے ہیں "لأنهم يرجئون العمل عن الايمان" أي يؤخرونه عنه۔یا اس وجہ سے کہ "لأنهم يبالغون في الرجاء" کہ وہ امید اور رجاء میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ ایمان کے ساتھ معصیت اور گناہ کوئی ضرر نہیں دیتی، یہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں مؤمن کے دخول جنت: "من قال: لااله الا الله دخل الجنة" کے متعلق آپ صلی اللہ نے یہ تک فرمایا کہ "وان زنى وانْ سرق"۔

اگرچہ اس کا جواب محدثین نے یہ دیا ہے کہ اس دخول سے دخول اوّلی مراد نہیں ہے، بلکہ سزا پانے کے بعد دخول ثانوی مراد ہے۔ 2

---

1 پورے مضمون کے لیے دیکھئے:

......الخوارج......تاريخهم وعقائدهم د/احمد عوض ابوالشباب

......تاريخ المذاهب الاسلامية/محمد ابوزهره

......دائرہ معارف اسلامیہ

...... اسلامی انسائیکلو پیڈیا

......الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة

2 ضحیٰ الاسلام/احمد امین ج:3/ 227، غنیۃ الطالبین/عبدالقادر جیلانی/ 170۔

مریسیہ:

یہ فرقہ یوں تو مرجیہ کی شاخ ہے مگر یونانی فلسفہ اور وید کی فلسفہ سے اس قدر متاثر ہے کہ غیر خدا کی عبادت بھی اس کے ہاں جائز ہے۔ اس کا سب سے بڑا عقیدہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کو نفع پہنچائے اسے سجدہ کرنا کوئی گناہ نہیں۔ اسی لیے انسان، انسان کے سامنے سجدہ کر سکتا ہے۔

اس فرقہ کے لوگ سورج، چاند کو بھی سجدہ کرتے ہیں، کیونکہ دونوں چیزیں انسان کو نفع پہنچاتی ہیں۔ اس فرقہ کے بانی کا نام مریسی تھا اور اسی نسبت سے مریسیہ مشہور ہے۔ اس گروہ کے لوگ خراسان، سمرقند، تاشقند اور ایرانی علاقوں میں موجود ہیں۔ ان کے خیال میں زبان سے ایمان کا اقرار انسان کے لیے کافی ہے۔ غریب کا دولت مند کے سامنے یا کمزور کا طاقتور کے سامنے سجدہ کرنا عین فطرت سمجھتے ہیں۔ [1]

☆☆☆
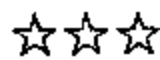
جہمیہ / جبریہ

یہ وہ فرقہ ہے جو انسان کو مجبور محض مانتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تقدیر الٰہی کے تحت ہوتا ہے، انسان خود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس فرقے کی بنیاد جہم بن صفوان (المتوفی ۱۲۸ھ) نے رکھی۔

بخاریہ، قلابیہ اور بکریہ بھی جبریہ شمار ہوتے ہیں، ان کے مقابلے میں قدریہ کا نقطۂ نظر بیان کیا جا چکا، یعنی معتزلہ انسان کو مختارِ مطلق مانتے ہیں، وہ جو چاہے کرے، اسے پورا اختیار ہے۔ اشعری کہتے ہیں کہ انسان کچھ مختار ہے اور کچھ مجبور۔ معتزلہ اشاعرہ کو بھی جبری کہتے ہیں۔

فلاسفۂ مغرب کا ایک گروہ بھی جبر کا قائل ہے۔ یونانی مفکر دیمقراطیس کا خیال تھا کہ کائنات کی ہر شئے

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔
مزید تفصیل کے لیے دیکھئے:
......شرح العقائد النسفية
......مهذب شرح العقيدة الطحاوية
...... معالم الهدى الى فهم الاسلام/مروان ابراهيم القيمي۔

قانون قدرت کے ماتحت ہے اور اس سے انحراف نہیں کر سکتی۔ برطانوی فلسفی ''ہابس'' کا نظریہ تھا کہ کائنات اور انسان کی ہر حرکت قانونِ اسباب کے تحت ہے۔ نفسیات کے علماء کا خیال ہے کہ انسان اپنی مرضی کا مختار نہیں ہے، بلکہ ذہنی اور جسمانی حالات اس کے ارادے اور عمل کو جس رُخ پر چاہتے ہیں موڑ دیتے ہیں۔

فرقۂ جہمیہ معتزلہ اور روافض کی طرح دنیا اور عقبیٰ دونوں میں رؤیت باری تعالیٰ کا منکر ہے، نیز یہ ایمان کو صرف معرفت قرار دیتے ہیں، اقرار باللسان اور تصدیق قلبی کے ضرورت کے قائل نہیں ہیں۔

معطلہ:

یہ قدیم زمانے کا ایک فرقہ ہے۔ جہم بن صفوان (128ھ۔845م) کو اس فرقے کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ دوسری صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی میں جب یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہو چکا تو بشر بن غیاث المریسی اور اس دور کے بعض دوسرے لوگوں نے فرقہ جہمیہ کے عقیدے کی اشاعت کی۔

بشر جو ابو یوسف کا شاگرد تھا، ابراہیم بن المھدی کے زمانے (۲۰۲ھ/۸۱۷ء) میں اس کے ان عجیب خیالات کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔

جہمیہ کے بارے میں ابتدائی حوالے اس کے مخالفوں کی تحریروں میں ملتے ہیں اور خاص طور پر امام احمد بن حنبل کی تصنیف "الرد علی الزنادقة والجهمية" اور ان کے ہم خیال لوگوں مثلاً قتیبہ کی تصنیف "الاختلاف في اللفظ والرد على الجهمية والمشبهة" اور الاشعری کی "الابانه" خشیش کی ''تنبیہ'' ابن خزیمہ کی کتاب ''کتاب التوحید'' اور ابن رجب البغدادی کی ''ذیل طبقات الحنابلہ'' میں موجود ہیں۔

جہمیوں کے نزدیک جو قرآن کے الفاظ کو مخلوق یا جو اللہ کی صفت علم کا انکار کرتا تھا، کافر تھا۔

نعیم بن حماد نے جو غالباً ۲۳۱ھ/۸۴۶ء میں قید خانے میں فوت ہوا اور اس نے قرآن کے مخلوق ہونے کا انکار کیا، بتایا گیا کہ وہ پہلے جہمی تھا۔

جہمیہ نے عقیدہ ''جبر'' کی انتہائی شکل کو اختیار کیا تھا۔ جس کی رو سے انسانوں کی طرف فعل کی نسبت محض مجازی ہے۔ جیسے کہ غروب ہونے میں سورج کا ''فعل'' مجازی ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق قرآن مخلوق تھا۔ نیز وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مستقل ازلی صفت علم ثابت

ہے۔ان کے عقیدے کے لحاظ سے حوادث دنیوی کا علم اللہ تعالیٰ کو ان کے ظہور کے بعد ہوتا ہے۔ بالعموم وہ تمام صفات الٰہیہ کے علیحدہ وجود کا انکار کرتے تھے اور اسی لیے ان پر تعطیل کا الزام عائد کیا گیا تھا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو محض ایک مجرد ہستی ٹھہراتے ہیں۔

قرآن میں جو صفات جیسے ید، وجہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جہمیہ ان کی عقلی تاویل کرتے تھے۔ایمان کے بارے میں ان کے عقائد مرجیہ کے عقائد سے مماثلت رکھتے تھے۔

نعیم بن حماد اور ابن عساکر نے اس فرقے کی نشو ونما کا باعث متبعین ابوحنیفہ کو اور بصرے میں عمرو بن عبید کو قرار دیا ہے۔جبکہ حنابلہ کے خیال میں یہ وہ لوگ تھے جو عام طور پر معتزلہ شمار ہوتے تھے۔حقیقت میں جہمیہ کے خیالات اور ابوالہذیل جیسے معتزلہ کے عقائد میں بہت کچھ مشابہت ہے۔ بعد میں معتزلہ نے اپنے حلقے سے ان لوگوں کو خارج کردیا جوان سے مسئلہ قدر یا اختیار کے باب میں اختلاف کرتے تھے۔اگرچہ وہ بہت سے دیگر مسائل میں ان سے متفق تھے۔متبعین امام ابوحنیفہ کی طرف سے جہمیہ پر شدید نکتہ چینی کی گئی تھی۔ [1]

☆☆☆
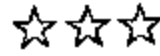
معتزلہ/قدریہ

قدریہ معتزلہ کا لقب ہے، یہ وہ فرقہ ہے جو انسان کو قادر مانتا ہے یعنی وہ جو چاہے کرے، مختار ہے۔تقدیر سے مجبور نہیں ہے۔معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے، خدا کی طرف سے مجبور نہیں ہے

بنی امیہ کے آخری دور میں علماء کے ایک گروہ نے باقاعدہ یہ خیال ظاہر کرنا شروع کردیا کہ انسان اپنے عمال کا خود ذمہ دار ہے اور جو لوگ جبر اور تقدیر کے قائل تھے ان کو قدری کہنے لگے، مگر بعد میں قدریہ وہ

---

1. الأعلام/الزرکلی ج: 2/141،میزان الاعتدال ج: 1/198،لسان المیزان ج: 2/142، المغرب/ المطرزی ج: 1/101، ضحی الاسلام ج: 5/128،غنیۃ الطالبین / عبدالقادر جیلانی / 177،ضحی الاسلام/احمدامین ج: 3/119۔

لوگ کہلائے جو انسان کی قدرت کے قائل تھے۔

معتزلہ نے قدریہ کے بجائے اپنے لیے عدلیہ کا لقب اختیار کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ اللہ کسی مجبور کو سزا دے۔

مشبّہ:

یہ فرقہ معتزلہ کی ایک شاخ ہے، اس کا بانی ہشام بن حکم (190ھ۔805م) تھا۔ یہ شخص اپنے دور کا بہت بڑا عالم تھا۔ اسنے خدا کے جسم کے ثبوت پر کئی کتابیں لکھیں۔ ہشام بن حکم نے اپنے موقف کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ اگر خدا موجود ہے تو اس کا وجود ماننا پڑے گا اور جب وجود مانا جائے گا تو اس وجود کے اعضاء اور ڈھانچہ کی بات بھی سامنے آئے گی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے۔ اس طرح ایک فرقہ مقاتلیہ جس کا بانی مقاتل بن سلیمان تھا، خدا کے جسم کا قائل ہے۔ مقاتل بن سلیمان کا موقف ہے کہ خدا کا وجود گو انسان کے وجود کی طرح ہے، لیکن خدا کے وجود یا خدا کے اعضاء کو کسی مخلوق کے اعضاء سے نسبت نہیں دی جاسکتی۔ [1]

نجاریہ:

یہ فرقہ معتزلہ کی ایک شاخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بانی کا نام حسین ابن محمد (220ھ۔835م) ابن عون اور ابو یوسف اس فرقہ کے بہت بڑے عالم اور محقق گزرے ہیں۔ ان دونوں نے اپنے فرقہ کے بنیادی عقائد کی تشریح و توضیح پر کئی کتابیں لکھیں۔ دوسرے فرقوں کے علماء سے خدا تعالیٰ کی صفات پر بڑے بڑے مناظرے کیے اور ان مناظروں میں کامیابی حاصل کی۔ عباسی خلفاء کو بھی ان لوگوں نے کافی حد تک متاثر کیا۔ ایک دور ایسا بھی آیا جبکہ اس فرقہ کے علماء نے حکومتِ وقت کو دوسرے فرقوں کے علماء کو قتل کرنے کے فعل پر اُکسایا اور قتل کرایا۔ یہ گروہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا قطعی منکر ہے اور دیگر فرقوں کے ہاں مروّجہ صفاتی علم غیر ضروری سمجھتا ہے۔ اس فرقہ کے عقائد یہ ہیں:

خدا قدیم ہے اور بولنے کی طاقت رکھتا ہے۔ محض یہی ایک صفت اس میں موجود ہے اور قرآن مجید مخلوق ہے۔ [2]

---

1. الأعلام/الزركلي ج: 85/8، منهج المقال/359، سفينة البحار 719/2، سمط اللآلی/855۔
2. الأعلام/خير الدين زركلی/253۔فہرست ابن النديم/المقالة الخامسة، اللباب 215/3، الامتاع والمؤانسة 56/1۔

ملاحیہ:

تیسری صدی ہجری میں ابن الراوندی معتزلہ کا مشہور امام اور صاحب تصنیف گزرا ہے۔ حکماء اسلام نے اسے ابو العلا المعری کا پیرو اور متبع لکھا ہے۔ ابن الراوندی نے جن عقائد و نظریات کا پرچار کیا ہے ان میں بعض ایسے ہیں جن کی وجہ سے ان دونوں کو زنادقہ میں شمار کیا جاتا ہے، کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے مقابلہ میں اپنی ایک کتاب مقدس لکھی، جس میں انبیاء کرام کے قصص کی تردید کی۔ ابن الراوندی نے اپنی کتاب ''الدافع'' میں لکھا کہ انبیاء لوگوں کو شعبدے دکھا کر دھوکہ دیا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ) اس کتاب میں یہاں تک لکھا گیا ہے کہ خدا کے پاس جب قتل و غارت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تو اسے رسول اور کتابیں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی، اس شخص نے جن نظریات کو پھیلایا وہ مختصراً یوں ہیں:

خدا عالم الغیب نہیں۔

انبیاء کے واقعات عقلی اعتبار سے غلط ہیں۔

قرآن الہامی کتاب نہیں۔

دنیا میں چاند ستارے وغیرہ جو کچھ نظر آتے ہیں، وہ سب قدیم ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا خدا نہیں بلکہ یہ خدا کے تصور سے بھی قدیم ہیں۔ جنت اور دوزخ محض مذاق ہے۔ [1]

☆☆☆
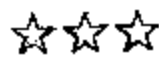
خرمیہ/خراسانیہ

یہ ایک فرقہ ہے جس نے ۱۳۶ھ میں ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد شہرت پائی۔ ان میں ایک شخص سنبذ نے ابو مسلم کے انتقام کا مطالبہ کرتے ہوئے خراسان میں بغاوت کا آغاز کیا۔ اس بغاوت کو تین ماہ کے اندر دبا دیا گیا۔ اس کے بعد ان کا ذکر المامون کے عہد میں آتا ہے جب اس فرقے کے ایک شخص بابک

1۔ فهرست ابن النديم/ 301، وفيات الاعيان 1/ 94-95، المنتظم فی تاريخ الملوك والامم 6/ 99، رسالة الغفران/ 32-33۔

خرمی نے اسلامی حکومت کے خلاف سرکشی اختیار کی۔ ۲۲۳ھ میں اسے ہلاک کردیا گیا۔ المسعودی کے زمانے (۳۳۲ھ/۹۴۳ء) میں اس فرقے کے لوگ رے، اصفہان، آذربائیجان، کرج، برج وغیرہ میں پائے جاتے تھے۔

خرمیہ کے عقائد کے بارے میں مطہر بن طاہر نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ مختلف فرقوں اور جماعتوں میں منقسم ہیں لیکن یہ سب کسی برگزیدہ ہستی کی دنیا میں واپسی کے عقیدے پر متفق ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ سب کے سب پیغمبر خواہ ان کی شریعت اور مذہبی طریقے ایک دوسرے سے مختلف ہوں، ایک ہی جذبے سے متاثر ہوتے ہیں۔ الہام اور وحی کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوتا۔ تمام مذاہب کے پیرو راستی پر ہیں جب تک کہ وہ دل میں جزاء کی امید اور سزا کا خوف رکھیں۔ وہ یہ پسند نہیں کرتے کہ کسی شخص کو بدنام کیا جائے یا اسے کوئی ضرر پہنچایا جائے، جب تک کہ وہ ان کی جماعت کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے یا ان کے دینی نظام پر حملہ کرنے کا خواہاں نہ ہو وہ ابومسلم کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ بعض انہیں پیغمبر مانتے ہیں۔

ان کے اپنے امام ہوتے ہیں جن سے وہ شرعی معاملات پر مشورہ لیتے ہیں اور ان میں سے ایسے مبلغین بھی ہیں جو ان کے درمیان دورہ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں وہ ''فرشتوں'' سے موسوم کرتے ہیں، ان کے نزدیک خمر اور دوسری شرابیں دیگر سب چیزوں سے بڑھ کر خوشی اور برکت کا موجب ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ اشتراک ازواج کو ممنوع تصور نہیں کرتے بشرطیکہ عورتیں اس پر راضی ہوں۔ [1]

☆☆☆

ناصبیہ/یزیدیہ

یہ فرقہ نہ صرف اہل بیت کے فضائل کا انکار کرتا ہے، بلکہ ان کی باتوں سے نفرت کی بو آتی ہے، گویا ناصبی فرقے والے دیگر فرقوں معتزلہ، جبریہ اور قدریہ وغیرہ کی طرح گمراہ ہیں، یہ حضرات کہتے ہیں کہ

---

1 کتاب بدأ الخلق والتاریخ/مطہر بن طاہر، فہرست ابن الندیم/528، ضحی الاسلام/احمد امین 53/1، تاریخ اسلام/نجیب آبادی 2/358، 372، 379۔

خلافت راشدہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ راشدہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، نیز حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے متعلق ان کا نظریہ ہے کہ ان حضرات کو صاحبزادے کا شرف حاصل ہونے کے علاوہ کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اسی لیے یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یزید کے مقابلے میں باغی تصور کرتے ہیں اور ان کو مستوجب قتل گردانتے ہیں۔ برصغیر میں بلکہ کراچی میں بھی کچھ لوگوں کا اب بھی یا اس کے قریب قریب اعتقاد ہے۔ [1]

ذکری/ داعی:

ذکری لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سید محمد جونپوری مہدی آخر الزماں ہے اور رسول بھی ہے اور ان کا کلمہ اہلِ اسلام کے کلمہ کے برعکس یہ ہے: "لا إله إلا الله نور پاك مهدي رسول الله" اور کبھی "امر الله" یا "مراد اللہ" بھی کہتے ہیں۔

ان کا ایک اور کلمہ ہے جسے وہ اپنی پنجگانہ تسبیحات میں پڑھتے ہیں: "لا إلـه إلا الله الـملك الـحق المبين، نور محمد مهدي رسول الله صادق الوعد الأمين۔"

یہ لوگ نماز کے منکر ہیں اور نماز کی بجائے پانچ وقت ذکر کرتے ہیں، زکوٰۃ اور رمضان کے روزہ کے منکر ہیں، رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں تین ماہ آٹھ دن روزہ کے قائل ہیں۔ اسی طرح یہ حجِ بیت اللہ کے منکر اور خانہ کعبہ کو قبلہ تصور نہیں کرتے، حجِ بیت اللہ کی بجائے وہ "کوہِ مراد" میں جا کر حج کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا فرقہ اپنے عقائد کی وجہ سے کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ذکریوں کا یہ فرقہ بلوچستان کے کچھ علاقوں تک محدود ہے، ان کا بڑا اصول یہ ہے کہ یہ کتمان (باطنیت) سے کام لیتے ہیں، اس وقت زیادہ تر بلوچستان کے شہر گچھک، رکشا، اورماڑا، پسنی، گوادر، ھوشاب، مشکے، اواراں، تربت، تمپ، کول با،

---

1. اسلامی انسائیکلو پیڈیا، مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/484-493۔

مزید تفصیل کے لیے:

......اليزيديون/هاشم البنا

......اليزيدية/صديق الدملوجي

......اليزيدية۔ احوالهم ومعتقداتهم/ ڈاکٹر سامي سعيد الأحمد۔

پنج گور، حب وغیرہ میں رہتے ہیں اور وہاں سے کچھ لوگ نقل مکانی کر کے لاڑکانہ، خیرپور، ناتن شاہ اور کراچی کے سنگولین، لیاری، ریکسر لائن، کالاکوٹ، سفاری پارک، گذانی، ریڑھی گوٹھ، ملیر، شرافی گوٹھ، حاجی پیرو وغیرہ میں آباد ہیں۔ 1

☆☆☆
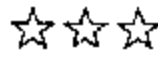
بہائی/بابی

بابی وہ مذہب ہے جس کا بانی سید علی محمد باب شیرازی تھا۔ اس مذہب کے ماننے والے بابی کہلاتے ہیں، مگر وہ خود اپنے آپ کو اہلِ بیان کہتے ہیں، یہ لوگ قرآن حکیم اور احادیث کی بعض بنیادی باتوں سے اختلاف رکھتے ہیں اور نظریۂ الہام کے منکر ہیں، اس مذہب کی اشاعت کی اہل تشیع نے سخت مخالفت کی اور بابیوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ایک سیاسی جماعت کی شکل اختیار کر لی، ان کا ایک داعی ملا حسین بشروئی بارفروش میں شیخ طبرسی کی درگاہ کو جائے پناہ بنا کر قلعہ بند ہو گیا، اس نے سرزنجان اور قلعے پر بھی قبضہ کر لیا لیکن دونوں جگہ شکست کھائی، ناصرالدین قاچار شاہِ ایران سے بھی ان لوگوں کا تصادم ہوا جس کے بعد ان پر بہت سختی ہوئی اور وہ ترکِ وطن کر کے عراق اور روس کے علاقے میں آباد ہو گئے، باب کے خلیفہ بہاء اللہ اور صبح ازل کے اختلاف نے ان میں دو فرقے پیدا کر دیئے ازلی اور بہائی۔ ازلی بہت کم تعداد میں ہیں لیکن بہاء اللہ کے ماننے والے جو اپنے آپ کو بہائی کہتے ہیں تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور انہوں نے یورپ اور امریکا میں تبلیغ کر کے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا ہے۔ 2

☆☆☆

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ نیز ذکری مذہب اسلام کے آئینے میں "عبدالغنی بلوچ"۔

2 الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/72-73، نیز اردو انسائیکلوپیڈیا، اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

مہدویہ

ہندوستان میں بابر کے عہد سے لے کر اورنگزیب کے زمانۂ حکومت تک احیائے دین کے نام سے اُٹھنے والی اس تحریک کا مسلمانوں کی حکومت وسیاست، دین وفلسفہ، تصوّف وکلام پر گہرا اثر قائم رہا۔ اس تحریک کے بانی سید محمد جونپوری تھے جنہوں نے مہدی موعود کا دعویٰ کیا۔

سید محمد جونپوری ۱۴۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ باطنی علوم کی منازل شیخ دانیال جونپوری کے پاس تھے طے کیں۔ اس وقت محمد مہدی کو اسد العلماء کا خطاب عطا کیا گیا۔ محمد مہدی نے ایک فوج بنائی جو ان کے دعوؤں کے مطابق کفار سے جنگ کیا کرتی تھی۔ اس فوج کی قوت اس قدر بڑھی کہ اس وقت کی حکومتیں خوف زدہ ہوگئیں اور مہدی کے متبعین کو سرکار ودربار میں سیاسی اعزاز ووقار حاصل ہوگیا۔ بہت سے نواب اور ریاستی حکمران ان کے مرید ہوئے۔ ان کی تحریک کا زیادہ اثر حیدرآباد اور میسور کے علاقوں میں قائم رہا۔ سید محمد مہدی نے اپنی تحریک کے دوران حجاز کا بھی دورہ کیا اور حج کے دنوں میں مکہ معظّمہ میں اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور واپس ہندوستان پہنچ کر مختلف نوابوں، حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ ۲۳ راپریل ۱۵۰۴ء کو خراسان جاتے ہوئے قندھار کے قریب ایک قصبہ ضرہ میں بیمار ہوئے اور اسی روز وفات پائی۔ اسی جگہ ان کا مزار ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ تپ دق کے مریض تھے۔

سید محمد جونپوری نے جس قسم کے دعوے کیے اور جو نئے اعتقادات مسلمانوں میں پھیلائے ان سے اہلِ سنت میں ایک مستقل نئے فرقہ کی تنظیم ظہور میں آئی اور ان کے شارحین نے بعض نئے الفاظ پیدا کیے جو ان کے ہاں اب بھی مروج ہیں۔ محمد مہدی نے جن نئے عقائد کی بنیاد رکھی ان کا ملخص یہ ہے:

فرائض وواجباتِ قرآنی کی دو اقسام ہیں: پہلی قسم کا تعلق نبوت اور شریعت سے ہے ان احکامات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مفصل بیان فرمایا ہے، البتہ واجبات اور فرائضِ قرآنی کی دوسری قسم کی شرح وتفصیل مہدی وقت کی تابع فرمان ہے۔

دوسری قسم کے احکامات ولایت محمدیہ کے لئے مخصوص ہیں۔

محمد مہدی جونپوری مشیتِ الٰہی کے مطابق اس دنیا میں آئے اور ان کا آنا حجت ہے۔

محمد مہدی جونپوری کا قائم کردہ فرقہ آج بھی موجود ہے۔ کہا گیا ہے کہ عصرِ حاضر کی مشہور سیاسی شخصیت نواب بہادر یار جنگ جو حیدرآباد کے تھے، جنہوں نے مسلم لیگ کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا اسی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ احادیث میں جس مہدی کا تذکرہ ملتا ہے وہ سید محمد جونپوری تھے۔ اب کوئی اور مہدی نہیں آئے گا۔

سید محمد جونپوری کے کچھ حالات:

سید محمد جونپوری، مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا تھا وہ بڈھ اویسی اور بی بی آقا ملک کے نام سے بھی مشہور تھا۔ جونپور میں پیدا ہوا۔ سید محمد بچپن ہی میں بہت زیادہ ذہین اور غیر معمولی قوت حافظہ کا مالک تھا۔ اس نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ بارہ سال کی عمر میں اس کے استاذ شیخ دانیال چشتی نے اسے اسد العلماء کے خطاب سے نوازا۔ چالیس سال کی عمر میں وہ جونپور سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوا۔ قیام مکہ معظمہ کے دوران میں طواف کرتے ہوئے اس نے اچانک اعلان کردیا کہ وہی مہدی موعود ہے۔ مکہ کے علماء نے اس دعویٰ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ اگلے سال وہ گجرات واپس آیا۔ احمد آباد میں اس کا ۹۰۳ھ/ ۱۴۹۷ء میں پہلی بار راسخ العقیدہ علماء کے ساتھ تصادم ہوا۔ جنہوں نے اس کے اس دعویٰ کو چیلنج کیا کہ خدا ان طبعی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ماحول کو اپنے خلاف پاکر وہ احمد آباد سے چلا گیا۔ لیکن ۹۰۵ھ/ ۱۴۹۹ء میں اس نے پٹن کے قریب ایک چھوٹی سی جگہ بڑھلی میں ایک بار پھر اپنے مہدی ہونے کے دعوے کو دہرایا اور بعض خود مختار حکمرانوں کو جن میں غیاث الدین خلجی (مالوہ) محمود بیگڑا (گجرات) احمد نظام شاہ (احمد نگر) شاہ بیگ (قندھار) اور میر ذوالنون (فراہ) کے حکمرانوں کو اس نے تبلیغی خط لکھے اور لکھا کہ یا تو اسے مہدی مان لیں یا اگر وہ جھوٹا ہو تو اسے مروادیں۔ چنانچہ ان حکمرانوں نے اس کے دعویٰ مہدیت کو تسلیم کرلیا، لیکن یہ بات بھی علماء کو متاثر نہ کرسکی۔ جب علماء نے دیکھا کہ عوام میں اس کا اثر بڑھتا جارہا ہے تو اس کی جلاوطنی کا مطالبہ کیا۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھٹکتا پھرا۔ جب یہاں اسے اپنے دعوے میں ناکامی ہوئی تو وہ خراسان میں فراہ کے مقام پر آیا جہاں اس کا انتقال ہوگیا۔

اس کے پیروز یادہ تر جنوبی ہند کے بعض علاقوں میں جو ابھی اس کے مقبرے کی زیارت کرنے کے لیے فراہ میں جاتے ہیں۔اس کے مرنے کے بعد اس کے پیروکاروں میں متعدد روحانی جانشین اور خلفاء ہوئے سب سے پہلا خلیفہ اس کا لڑکا سید محمود تھا۔اس عرصے میں اس کے پیروکاروں نے اپنے کئی ایک مرکز قائم کیے۔جنہیں وہ اپنی اصطلاح میں "دائرے" کہتے ہیں۔یہ دائرے زیادہ تر گجرات میں تھے۔جہاں وہ مل کر مشترک زندگی بسر کرتے تھے۔وہ صرف آپس میں ہی لین دین کرتے تھے۔ان کی روز افزوں ترقی اور مقبولیت کو حکومت نے اپنے لیے خطرہ سمجھا تو حکومت نے ان پر سختی کرنی شروع کی۔انہیں مرتد قرار دیا گیا اوران کے خلیفہ کو قید میں ڈال دیا گیا۔جہاں وہ قید کی مشقتوں کو برداشت نہ کرتے ہوئے ۹۱۸ھ/۱۵۱۲ء میں انتقال کر گیا۔نیز جب گجرات کے علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا تو انہیں اور زیادہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء میں سدراسن کے مقام پر گجرات کی فوج مہدویوں کے درمیان بڑے زور کا رن پڑا۔ جس میں ان کا خلیفہ خواند میر اپنے بہت سے پیروکاروں کے ساتھ مارا گیا۔علماء کی مخالفت اور حکومت کی مزاحمت کے باوجود یہ تحریک بالکل ختم نہ ہو سکی۔

سید محمد جونپوری بہت نیک سیرت انسان تھا۔عبدالقادر بدایونی جیسا انسان بھی جو اس کا سخت معترض تھا۔ اس کے تقویٰ، علم وفضل اور اخلاص کا قائل تھا اور اسے عظیم علماء میں شمار کرتا تھا۔دوسرے صوفیاء کی طرح سید محمد نے بھی اپنے پیروکاروں کو دنیا سے کنارہ کش رہنے اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہنے کا حکم دیا۔تاہم ان کی سرگرمیوں نے حکومت کو کارروائی کرنے پر مجبور کیا۔سید محمد سرمایہ پرستی، ذخیرہ اندوزی اور جمع مال کو بھی ایک غیر اسلامی اور لائق مذمت فعل قرار دیتا ہے۔اس کی تحریک کی ناکامی کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔اس کے پیروکاروں کی ملت کے سوادِ اعظم سے علیحدگی۔

۲۔بانیٔ تحریک سید محمد کو مہدی موعود تسلیم کرانے پر ان لوگوں کا اصرار۔

۳۔علماء اور حکومت کی مخالفت۔

۴۔شمالی ہند میں قابل قیادت کی کمی۔

۵۔دکن میں ان لوگوں کا سیاست میں الجھ کر رہ جانا۔

سید محمد کے پیروؤں کی چھوٹی چھوٹی آبادیاں موجودہ دور میں سابق ریاست حیدرآباد دکن، میسور، جے پور اور گجرات میں موجود ہیں۔ جو لوگ پاکستان ہجرت کر کے آ گئے ہیں انہوں نے شہداد پور کے مقام پر ایک ''دائرہ'' قائم کیا ہے۔ 1

☆☆☆
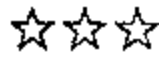
غلام پرویز/ پرویزیہ

عالمِ دین، مفکر، بٹالہ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوا۔ قرآن مجید اور ابتدائی دینی کتب اپنے دادا سے پڑھیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے یہاں چلا آیا اور سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ اسلام، قرآن، اقبالیات اور مذاہب و ادیان کا تقابلی مطالعہ بھی کرتے رہے اور اپنے افکار و خیالات شائع بھی کراتے رہے۔

۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت اسلامی قوانین کا جو کمیشن قائم کیا گیا تھا۔ چودھری صاحب اس کے رکن نامزد ہوئے تھے۔ قرآن و اقبال پر مبنی ان کی فکری تحریک کا ماہوار ترجمان ''طلوع اسلام'' کچھ حلقوں میں کافی مقبول ہے۔ ان کی زیادہ مشہور اور قابلِ ذکر تصانیف یہ ہیں: انسان نے کیا سوچا۔ آسمانی کتابیں، من و یزداں۔ ابلیس و آدم، معراج انسانیت، لغات قرآن، مفہوم القرآن، جہانِ فردا، کتاب التقدیر، شاہکار رسالت (یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) مطالب الفرقان، تبویب القرآن۔ شروع میں اہلِ حدیث تھا پھر منکرِ حدیث ہوئے۔ 2

---

1 دیکھئے: اسلامی انسائیکلوپیڈیا، اردو انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة، علمائے ہند کا شاندار ماضی 1/313-326۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

☆.....البهائية، تاريخها وعقيدتها/ عبدالرحمن الوكيل۔

☆.....البهائية، إضواء وحقائق/ احسان الهي ظهير۔

☆.....البابية والبهائية/ محمود الملاح۔

☆.....البهائية/ محب الدين الخطيب۔

2 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

جدیدیت/تجدد پسند/غامدیت:

یہ دورِ حاضر کا ایک تجدد پسند گروہ (Miderbusts) ہے جس نے مغرب سے مرعوب ومتاثر ہو کر دینِ اسلام کا جدید ایڈیشن تیار کرنے کے لیے قرآن وحدیث کے الفاظ کے معانی اور دینی اصطلاحات کے مفاہیم بدلنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔

ہمارے ہاں اس فتنے کی ابتداء سر سید احمد خان نے کی۔ پھر اُن کی پیروی میں دو فکری سلسلوں نے اس فتنے کو پروان چڑھایا۔ ان میں سے ایک سلسلہ عبداللہ چکڑالوی اور مولانا اسلم جیراج پوری سے ہوتا ہوا جناب غلام احمد پرویز تک پہنچتا ہے۔ دوسرا سلسلہ حمید الدین فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی سے گزرتا ہوا جناب جاوید احمد غامدی تک پھیلتا ہے۔ گویا یہ دونوں فکری سلسلے ''دبستانِ سرسید'' کی شاخیں اور برگ وبار ہیں اور ''نیچریت'' کے نمائندہ ہیں۔ اگرچہ پرویز صاحب اور غامدی صاحب کا طریقِ واردات الگ الگ ہیں، تاہم نتیجے کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں۔ دونوں تجدد، انکارِ حدیث، الحاد اور گمراہی کے علم بردار ہیں۔ دونوں اجماعِ امت کے مخالف اور معجزات کے منکر ہیں۔ دونوں فاسد تاویلوں کے ذریعے اسلامی شریعت میں تحریف وتبدل اور ترمیم وتنسیخ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسٹر غامدی اسی گروہ کے ایک نمائندہ فرد ہیں جس نے دورِ حاضر میں تجدد اور انکارِ حدیث کی نئی بنیاد ڈالی ہے اور اپنے چند خود ساختہ اُصولوں کو تحقیق کے نام سے پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ لہٰذا مسٹر غامدی احادیثِ صحیحہ کے انکار کے ساتھ ساتھ قرآن کی معنوی تحریف کرنے کے بھی عادی ہیں۔ چنانچہ قرآن فہمی کے حوالے سے وہ اپنے بعض اُصولوں کو یوں بیان کرتے ہیں:

''اس (قرآن) کے الفاظ کی دلالت اس کے مفہوم پر بالکل قطعی ہے۔ یہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے پوری قطعیت کے ساتھ کہتا ہے اور کسی معاملے میں بھی اپنا مدعا بیان کرنے سے ہرگز قاصر نہیں رہتا۔ اس کا مفہوم وہی ہے جو اس کے الفاظ قبول کر لیتے ہیں، وہ نہ اس سے مختلف ہے نہ متبائن۔ اس کے شہرستانِ معانی تک پہنچنے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اس کے الفاظ ہیں۔ وہ اپنا مفہوم پوری قطعیت کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔'' (میزان: صفحہ 24 طبع دوم، اپریل 2002ء)

پھر اپنی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن کا کوئی لفظ اور کوئی اسلوب بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے شاذ نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے مخاطبین کے لیے بالکل معروف اور جانے پہچانے الفاظ اور اسالیب پر نازل ہوا ہے۔ زبان کے لحاظ سے اس کی کوئی چیز اپنے اندر کسی نوعیت کی غرابت نہیں رکھتی، بلکہ ہر پہلو سے صاف اور واضح ہے۔ چنانچہ اس کے ترجمہ و تفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیش نظر رہنے چاہئیں، ان سے ہٹ کر ان کی کوئی تاویل کسی حال میں قبول نہیں کی جاسکتی۔'' (میزان: صفحہ 18، طبع دوم، اپریل 2002ء)

اگرچہ غامدی اپنے حلقہ میں خود بھی ''امامت'' کے درجہ کے قریب تر ہونے کے وہم میں مبتلا ہیں، اسی بنا پر اکثر تبصرے اور اختلافی مضامین خواہ وہ لکھیں یا لکھوائیں، ان کے حاشیہ نشینوں کے نام سے شائع ہوتے ہیں جس میں وہ غامدی صاحب کو ''استاذِ محترم'' ہی لکھتے ہیں۔ 1

☆☆☆

سرسید

سرسید احمد خان: یہ صاحب اپنے خاندان سمیت ملکہ وکٹوریہ، راجہ رنجیت سنگھ وغیرہ کے تنخواہ بردار رہے، سرسید عقائد میں منکر حدیث ہیں۔ تمام معجزات کی تاویل کرتے ہیں، باقی عام مفسرین کرام کی رائے کے خلاف تفسیر بیان کرتے ہیں۔ کچھ تاویلات ان کی انتہائی مضحکہ خیز ہیں۔

انہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور مجاہدین کو سزائیں دلوائی۔ 2

☆☆☆

1 ماہنامہ ''محدث'' اپریل، مئی، جون 2007ء۔

2 الفكر الاسلامي الحديث وصلته بالاستعمار الغربي ۔ د/بهي۔

چکڑالوی

یہ اہلِ قرآن کا بانی ہے۔ (عبداللہ) غلام نبی المعروف چکڑالوی، موضع چکڑالہ ضلع کمبلپور کے رہنے والے تھے۔ دہلی میں علم حدیث کی تکمیل کی اور فارغ ہوجانے کے بعد لاہور میں قیام پذیر ہوئے اس زمانے میں لاہور اعتقادی کش مکش کا مرکز بنا ہوا تھا۔ انگریز کے پھیلائے ہوئے فکری اور نظریاتی فرقے آزادی سے اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ عبداللہ چکڑالوی نے بھی اس شہر کی فضاء کو اپنے مشن کے موافق پاکر عوام الناس کو معمولی کوتاہیوں پر کافر قرار دینا شروع کردیا۔ جس سے ان کے خلاف مخالفت کی زبانیں واہونے لگیں۔ لاہور میں مسجد چینیاں میں جب مولوی رحیم بخش نے وفات پائی تو ان کے بعد اس کی امامت انہیں مل گئی۔ کچھ عرصہ درس حدیث دیتے رہے۔ لیکن تھوڑے عرصے بعد ہی اپنے درس میں صحیح بخاری کے لیے اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری کی دلیل دے کر بخاری شریف کے علاوہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کو مشکوک قرار دے دیا۔ ایک عرصے تک بخاری شریف کا درس جاری رکھا مگر طبعی اضطراب نے بخاری اور قرآن کا توازن شروع کردیا۔ بعض احادیث خلاف آیات اللہ قرار دے کر اعلان کردیا کہ جب قرآن ایک مکمل ہدایت ہے تو حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ چینیاں والی مسجد کے مقتدی کچھ عرصے تک تو برداشت کرتے رہے۔ پھر ایک روز مسجد سے نکال دیا۔ اسی عرصے میں ایک تفسیر بھی لکھی۔ جب مسجد سے نکال دیا گیا تو ان کا ایک متشدد مقتدی محمد بخش عرف چٹوپٹولی آپ کو سرمانوالے بازار اپنے مکان میں لے گئے جہاں ایک احاطے میں اپنی مسجد بناکر "اہلِ قرآن" کے مسائل کی تشہیر شروع کردی۔ کچھ عرصے بعد چٹوپٹولی بھی چکڑالوی کا ساتھ چھوڑ گیا۔ چنانچہ انہوں نے ملتان میں ایک نواب صاحب کے ہاں رہنا شروع کردیا۔ ایک موقع پر لوگوں نے کسی خاص واقعہ پر عبداللہ چکڑالوی کو سنگسار کردیا اور وہ نیم مردہ اپنے آبائی وطن چکڑالے چلے گئے۔ جہاں ایک طویل عرصے کے بعد انتقال کیا۔

"اہلِ قرآن" نے مختلف عنوانات سے صوبے بھر میں اپنے مراکز قائم کیے۔ گوجرنوالہ میں اچھی خاصی

تعداد اہلِ قرآن کی بن گئی۔ گجرات میں ''وتے شاہی'' فرقہ صرف تین نمازیں ادا کرتا اور دو نمازوں کو حدیثی نمازیں کہہ کر چھوڑ دیتا۔ امرتسر میں بھی ایک جماعت اہلِ قرآن کے مسلک اور عقائد کی اشاعت کرتی رہی۔ بعد میں غلام احمد پرویز اس مکتب فکر کے ترجمان رہے۔ 1

☆☆☆

مودودی

ان کے ہاں (سوائے ان کی اپنی ذات کے) تنقید سے بالاتر کوئی نہیں، اس لیے مودودی نے حضرات انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابۂ کرام اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کی ہے اور جماعت اسلامی والے ماڈرن اسلام چاہتے ہیں اور جماعت اسلامی والے دانستہ طور پر اپنے بچوں کو اسکول میں پڑھاتے ہیں مدرسے میں نہیں پڑھاتے، علماء کے سخت خلاف اور اپنے محفلوں میں کہتے ہیں کہ مولویوں کے ساتھ نہ بیٹھو، کیونکہ وہ بڑے متشدد ہوتے ہیں وغیرہ۔ کچھ افکار و نظریات میں شیعیت سے متاثر نظر آتے ہیں۔ 2

☆☆☆

فکری

یہ فرقہ جمعیت طلبہ اسلام کے افکار و نظریات سے برگشتہ کچھ سوءِ فہم کے شکار نوجوانوں پر مشتمل ہے، ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ نزول عیسیٰ علیہ السلام من السماء کے منکر ہیں، اسلامی سوشلزم کے داعی ہیں، اکابر علماء پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، اپنے افکار و نظریات باطنیوں کی طرح خفیہ رکھتے ہیں، بہرحال یہ بھی موجودہ زمانے کے گمراہ فرقوں میں سے ایک ہے۔ 3

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

2 دیکھئے: امیر معاویہ اور تاریخی حقائق/مفتی تقی عثمانی، الأعلام/الزرکلی، مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف/منظور نعمانی۔

3 فکر ولی اللّٰہی، عقائد و افکار و نظریات/مولانا عمر فاروق۔

اُشعریہ مالیزیہ

ملائیشیا میں پچھلے سالوں میں اشعری محمد نامی ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، جس کو وہاں کے وزیراعظم جناب محاضر محمد نے ملک بدر کردیا تھا، بعد میں یہ شخص تھائی لینڈ کے مسلم علاقوں میں کہیں بسنے لگا تھا۔ 1

☆☆☆

جدیدیت/ وسطانیہ

یہ لوگ قرآن وسنت کی جدید تشریح کرنا چاہتے ہیں جس میں مادّی ترقی، ارتقاء اور فلاح و بہبود کو بھی اسلامیات میں ایک مستقل حیثیت دینا چاہتے ہیں، معتدل اور مبنی برانصاف بات شاید یہ ہوگی کہ جدیدیت اور ماڈریشن/ لبرلزم کی مختلف شکلیں ہیں، بعض ان میں صحیح بھی ہیں، لیکن بعض تجدد پسندی میں الحاد و زندقے کی حدود چھو جاتے ہیں۔ 2

☆☆☆

صفاتیہ

ایک مکتب فکر، راسخ العقیدہ مسلمان اپنے آپ کو صفاتی کہتے ہیں۔ بعض جگہ "صفاتیہ" کو مسلمانوں کے ایک فرقے کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے، لیکن دراصل یہ کوئی علیحدہ فرقہ نہیں ہے، بلکہ ایک طبقہ فکر اس سے متعلق ہے۔ صفاتیہ صفت سے آیا ہے۔ 3

☆☆☆

1 دیکھیے: مجلہ "الرابطہ" اور "المجتمع" کی مختلف جلدیں۔

2 دیکھیے: ماہنامہ "ساحل" کراچی کے خاص خاص شمارے۔

3 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

باب ثالث:

أفکار و نظریات

اس باب میں سیاسی، غیر سیاسی، مختلف نظریوں، فلسفوں اور خیالات کا کچھ کچھ تذکرہ ہوگا۔ (مرتب)

جمہوریت / افلاطون "PLATO"

یہ قدیم یونان کا عظیم فلسفی ہے۔ اصل نام ارستوقلیس۔ ایتھنز کے ایک رئیس گھرانے میں پیدا ہوا۔ بیس سال کی عمر سے پہلے چند ڈرامائی نظمیں لکھیں۔ ۴۰۷ ق م میں سقراط کا شاگرد ہوا اور آخر وقت تک اس کے ہمراہ رہا۔ سقراط کی وفات (۳۹۹ ق م) کے بعد میگارا چلا گیا۔ جہاں اپنے دوست اقلیدس کے ساتھ ریاضیاتی فلسفہ پڑھا۔ بعد ازاں مصر، افریقہ، اٹلی اور سسلی کا سفر کیا۔ افریقہ میں ریاضی دان تھیوڈورس اور اٹلی میں فلسفی فیثا غورث سے ملاقات کی۔ سسلی کے حکمران وائنوشس نے خفا ہو کر ملک بدر کر دیا۔ ایتھنز واپس آ کر ۳۸۷ ق م میں اپنی مشہور عالم اکیڈمی (یونیورسٹی) قائم کی اور مرنے کے بعد اسی کے قریب دفن کیا گیا۔ اس اکیڈمی نے بڑے نامور آدمی پیدا کیے جس میں سب سے مشہور ارسطو تھا۔ سب سے پہلے افلاطون ہی نے اپنی تصنیف "الجمھوریۃ" میں ایک مثالی ریاست کا خاکہ پیش کیا وہ کہتا تھا کہ تصور حقیقت ہے اور کائنات کی ہر شئے اس حقیقت کا عکس ہے جس کا تصور ہمارے ذہن میں ہے جو اس مادّی دنیا کے علم کا ذریعہ ہیں۔ مادّی دنیا حقیقت نہیں، حقیقت کا عکس ہے۔ اس لیے حواس کے ذریعے حقیقت کو نہیں پہچانا جا سکتا۔ حقیقت کا علم ایک چھٹی حس کے ذریعے ہوتا ہے جس کو وہ عقل یا ادراک کے نام سے موسوم کرتا ہے اس نے اپنی تصنیفات مکالمات کی شکل میں پیش کیں اور سقراط کی زبان سے اپنے خیالات بیان کیے۔

اکثریت کی حکومت / جمہوریت:

اکثریت کی حکومت کا مطلب رائے دہندگان کی اکثریت کا اقتدار ہے۔ کسی ملک کی تمام آبادی کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہیں، اس لیے جدید جمہوریت نمائندگی کے اصول پر قائم کی جاتی ہے۔ یعنی ہر شخص کے مجلس قانون ساز میں حاضر ہونے کے بجائے قوم رائے دہی کے ذریعے اپنے نمائندے منتخب کرتی ہے اور

یہ نمایندے ان لوگوں کو جو حکمرانی کے سب سے بڑھ کر اہل ہوں، ملک کے حکمران مقرر کرتے ہیں۔

دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ادارہ افلاطون کی جائے پیدائش ایتھنز کی حکومت تھی جہاں تقریباً تمام معاملات مجلسِ عوام کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ مجلسِ عوام کا اجلاس ہفتے میں ایک دفعہ ہوتا تھا۔ اس مجلس میں اہل ایتھنز اپنے آپ کو سلطنت کا حاکم سمجھتے تھے اور ہر شخص کو تقریر کرنے کا حق حاصل تھا۔

موجودہ نیابتی (ایم این اے شپ) جمہوریت کی ابتدا انقلاب فرانس سے ہوئی۔ ۱۸۱۵ء میں اہل یورپ نے اسلامی اخوت ومساوات کی بنیادوں پر جمہوری طرزِ حکومت کو اپنانا شروع کیا۔ اکثریت کی حکومت میں نظامِ حکومت عوام کے نمایندوں کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے، اس لیے عوام حکومت سے غیریت نہیں برتتے بلکہ اس کی شکست کو اپنی شکست اور اس کی فتح کو اپنی فتح سمجھتے ہیں۔

اکثریتِ محض:

اس اصطلاح سے مراد کسی ادارے میں کل رائے دہندگان کی نصف سے زائد تعداد ہوا کرتی ہے اور اس قسم کی اکثریت خاص قوانین یا ضابطوں کی منظوری کے لیے درکار ہوتی ہے۔ خواہ جملہ اراکین نے اپنی رائے دی ہو یا نہ دی ہو۔ بعض امور ایسے بھی ہیں جن کی منظوری کے لیے اکثریت محض کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ ان کے لیے دوتہائی یا تین تہائی اکثریت درکار ہوتی ہے۔

ڈیکٹا توریت/ آمریت/ استبدادیت:

جمہوریت کے بالکل متضاد کسی ملک کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی زندگی پر کسی فرد یا گروہ کا کلی اختیار۔ اس آمریت میں کسی قسم کی مخالفت یا تنقید برداشت نہیں کی جاتی۔ آزادی تحریر وتقریر ختم کردی جاتی ہے اور عوام کو حق اجتماع سے محروم کردیا جاتا ہے۔ ایسی حکومت کو اپنی سیادت قائم رکھنے کے لیے خفیہ پولیس کا ایک وسیع جال پھیلانا پڑتا ہے اور طلبہ میں ایک خاص قسم کا رجحان پیدا کرنے کے لیے حکومت ذریعۂ تعلیم کو بھی اپنے ہاتھ لے لیتی ہے تاکہ بچے بڑے ہوکر اسی پست اور مخصوص ذہنیت کے تابع رہیں جو اس تعلیم کے

ذریعے ان میں پیدا کردی گئی ہے۔ معمولی سیاسی اختلاف بھی کسی کی جلاوطنی سزائے قید یا سزائے موت کا موجب ہوسکتا ہے۔ 1

☆☆☆

کمیونزم

کمیونزم (COMMUNISM) سوشلسٹ نظامِ معاشرہ کی سب سے ترقی یافتہ شکل ہے جس میں دولت کی پیداوار اتنی بڑھ جائے گی کہ معاشرہ لوگوں کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے پر قادر ہوگا۔ ریاست کا کام لوگوں پر حکومت کرنا نہ ہوگا، بلکہ پیداوار کی تنظیم کرنا ہوگا، اگرچہ کمیونزم کا سراغ افلاطون کی ''ری پبلک'' اور انجیل مقدس میں بھی ملتا ہے اور اسلام کے قانون مساوات سے بھی یہ قریب تر ہے، لیکن اس کا اصل بانی ''کارل مارکس'' ہے۔ کمیونزم کے فلسفے کی بہترین تشریح مارکس کی تصنیف ''سرمایہ'' اور ''کمیونسٹ منشور'' میں ملتی ہے۔ کمیونزم کے بنیادی اصول یہ ہیں:

ا.....انسانیت کی ترقی کا دارومدار معاشی قوتوں پر ہے۔

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ۔

مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

☆..... Encyclopedia Britanica(1972)

☆.....مارکسیة القرن العشرین/لروجیة عارودي

☆.....نظاما البشرية الديمقراطية والشيوعية/ت وديع سعيد

☆.....الديمقراطية ابداً/خالد محمد خالد

نیز اس پوری بحث کے لیے خوبصورت اور جامع کلام دیکھیے: تاریخ اسلام/ نجیب آبادی: 1 / 34-43۔

☆.....العلمانية/سفر بن عبدالرحمن الحوالي

☆.....جمهورية افلاطون/ت حنا خباز

۲..... تاریخ کے اس دستور کو ختم کر دینا چاہیے کہ حکمران ہمیشہ دولت مند طبقہ ہو اور محکوم ہمیشہ غریب اور محنت کش طبقہ۔ طبقاتی کشمکش کو ختم کر کے مزدوروں کو حاکمیت کا اختیار دلوانا چاہیے۔

۳..... ہر قدر کی تخلیق محنت کرتی ہے، اس لیے محنت کو سرمائے پر فوقیت حاصل ہے۔

۴..... سرمایہ داری تمام برائیوں کی جڑ اور مجموعۂ اضداد ہے۔ کچھ تو یہ اپنی کمزوریوں کی وجہ سے آپ مر جائے گی، کچھ انقلابی تدابیر اختیار کر کے اسے جلد از جلد ختم کر دینا چاہیے۔

۵..... جب سرمایہ داری مر جائے گی تو ریاست بھی خود بخود ختم ہو جائے گی، جو چند سرمایہ داروں کی پشت پناہی کرتی ہے۔ پھر ایک مثال ابھرے گا جس میں انسانی آرزوؤں اور احتیاجات کی تسکین آزاد اور رضا کارانہ ادارے کریں گے، ہر شخص معاشرے کے لیے کام کرے گا اور معاشرہ اس کے حقوق و مفادات کی نگرانی کرے گا، یہ کمیونسٹ معاشرہ ہوگا جس کی بنیاد اس اصول پر ہوگی۔

''ہر شخص سے اس کی صلاحیت اور استطاعت کے مطابق کام لیا جائے اور ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق معاوضہ دیا جائے گا۔'' اسلام میں بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ [1]

لینن کے بقول کمیونزم اس وقت تک کہیں نہیں نافذ ہو سکتا جب تک دنیا میں ایک بھی سرمایہ دار ریاست موجود ہے۔

اجتماعیت:

اشتراکیت کے اصول کے مطابق زمین، سرمایہ اور پیدائشِ دولت کے دیگر ذرائع کو قومی ملکیت بنانے کا نظریہ۔ یہ ملکیت ریاستی، صوبائی یا بلدیاتی سطح پر ہو سکتی ہے۔ اس اصطلاح کو پہلی بار روسی انقلابی یونین نے استعمال کیا۔ ۱۸۸۰ء میں ہاورے (فرانس) کے مقام پر ایک کانگریس میں اجتماعیت کا پروگرام بنایا گیا

---

[1] العلمانية/سفر بن عبدالرحمن الحوالي، اسلامی بینکاری کی بنیادیں/مفتی تقی عثمانی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت/مفتی تقی عثمانی، ماركسية القرن العشرين/لروجيه غارودي، الشيوعية والانسانية/ عباس محمود العقاد، نظاما البشرية الديمقراطية والشيوعية/ت وديع سعيد۔

اور مطالبہ کیا گیا کہ پیدائشِ دولت کے تمام وسائل ریاست کی ملکیت قرار دیے جائیں تاکہ لوگوں کو اپنی اجتماعی محنت کا مناسب پھل ملے۔ اجتماعیت کو اشتراکیت کا ہم معنی بھی کہا جاتا ہے۔

اجتماعی زراعت:

یہ طریق زراعت روس اور دیگر سوشلسٹ ملکوں میں رائج ہے۔ کسانوں کا ایک گروہ مل کر اپنی زمین میں مشترکہ طور پر کاشت کاری کرتا ہے۔ آلاتِ زراعت اور مال مویشی بھی مشترک ہوتے ہیں۔ صرف رہنے کے لیے مکان اور گھریلو جانوران کی ذاتی ملکیت ہو سکتے ہیں۔ زراعت کے منافع سب ارکان میں ان کے کام، محنت کی نوعیت اور تناسب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بحصۂ رسد تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ۱۹۲۹ء میں سٹالن نے اس کو روس میں رائج کیا اور ۱۹۵۵ء سے اجتماعی زراعت کو رواج دیا گیا۔

اجتماعی سودے بازی:

مالکان اور ملازمین کے درمیان گفت وشنید کا ایک طریقہ جس میں مالکان اور مزدور جماعتوں کے نمائندے مل کر مزدوروں کے مسائل اور کام کی شرائط کا تصفیہ کرتے ہیں۔ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ مزدور جماعتوں کے قیام میں اجتماعی سودے بازی کے اصولوں پر عمل لابدی ہے۔ افہام وتفہیم مالک اور ملازمین کے درمیان عمل میں آسکتی ہے۔

آج کل ہر ملک میں یہ عام رجحان پایا جاتا ہے کہ مالکان اور ملازمین کے مجموعی مفاد کے لیے جماعتی حیثیت (ورکرز یونین کی سطح) سے افہام وتفہیم کی جائے اور مسائل کا حل نکالا جائے۔ مجموعی مفاد کی بات چیت مالکان یا ملازمین پر کسی قسم کی قانونی پابندی عائد نہیں کرتی، بلکہ اس کے تحت صرف وہ بنیادی شرائط طے کی جاتی ہیں جن سے مالکان اور ملازمین دونوں اتفاق رکھتے ہیں۔ یہ سسٹم مہتممین اور مدرسین کے درمیان اگر ہو، تو شاید دونوں فریق مستفید ہوں۔

اجتماعی ملکیت:

بحیثیت مجموعی کل قوم یا افراد کا گروہ کسی شئے کا مالک ہو اور اس میں افراد کا حصہ متعین نہ ہو تو وہ اجتماعی ملکیت کہلاتی ہے۔ مثال کے طور پر پارک، سڑکیں اور سرکاری عمارتیں کل قوم کی ملکیت ہیں۔ 1

بالشویزم/منشویک:

یہ کیمونزم کا روسی نام ہے۔ اس اصطلاح کا استعمال پہلی بار ۱۹۰۳ء میں لندن میں منعقدہ روسی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کے اجلاس میں ہوا۔ اس میں کارل مارکس کے پیروؤں کو اکثریت حاصل ہوئی تھی۔ اس لیے ان کو بالشویک (اکثریت والے) کہا گیا۔ ان کے مقابلے میں اقلیت کو منشویک کہا گیا۔ بالشویکوں کا لیڈر لینن تھا۔ بالشویک پارٹی کا مقصد کارل مارکس کی تعلیمات کی روشنی میں روس کے محنت کشوں کو انقلاب کے لیے منظم کرنا اور زارِ روس کی حکومت کا تختہ الٹ کر محنت کشوں کی حکومت قائم کرنا تھا تاکہ ملک میں سرمایہ داری نظام کو ختم کر کے اشتراکی نظام رائج کیا جائے۔ ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے بعد بالشویک پارٹی کا نام کمیونسٹ پارٹی ہو گیا۔ 2

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا دائرہ معارف اسلامیہ۔

مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں:

☆ ... Encyclopedia Britanica(1972)

☆......ماركسية القرن العشرين/الروجيه غارودي

☆......نظاما البشرية الديمقراطية والشيوعية/ت وديع سعيد

☆......الديمقراطية ابدا/خالد محمد خالد

نیز اس پوری بحث کے لیے خوبصورت اور جامع کلام دیکھئے: تاریخ اسلام/نجیب آبادی: 1/ 34-43۔

☆......العلمانية/سفر بن عبدالرحمن الحوالي

☆......جمهورية افلاطون/ت حنا خباز

2 اردو انسائیکلو پیڈیا۔

کامن فارم:

یہ کمیونسٹ انفارمیشن بیورو کا مخفف ہے۔ اس کا وجود ۱۹۴۷ء میں عمل میں آیا۔ روس، بلغاریہ، چیکو سلاویکیا، فرانس، ہنگری، اٹلی، پولینڈ، رومانیہ اور یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ جماعتیں اس کی ممبر تھیں۔ اس کا مقصد ان جماعتوں کے تجربات ایک دوسرے تک منتقل کرنا تھا۔ ۱۹۴۸ء میں یوگوسلاویہ کو تنظیم سے خارج کر دیا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں یہ تنظیم توڑ دی گئی۔ [1]

دہریہ (ATHEIST):

اس نظریے کو زیادہ تقویت کمیونزم کے دور میں ملی، ویسے یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو خدا کی ہستی کے قائل ہوں اور نہ اس کے صفات کے قائل۔ یہ لوگ عموماً مادّے کو غیر فانی اور متشکل تسلیم کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ زمانہ ازلی اور ابدی ہے اور اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں۔ وہ معقولات کو نہیں مانتے صرف محسوسات کے قائل ہیں، ان کا خیال ہے کہ قانونِ قدرت کا عمل دنیا کے ہر کام کا ذمّے دار ہے اسی سے دنیا کی تکوین ہوئی ہے اور اسی کے مطابق ان میں تغیر و تبدّل ہوتا ہے، وہ ہر امر میں علل و اسباب تلاش کرتے ہیں، لیکن ان سب کے باوجود وہ ایک اعلیٰ و ارفع طاقت کے قائل ہیں جس کو نیچر یا قدرت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

نیز دہریّت وہ فلسفیانہ نقطۂ نظر ہے جو خدا کے وجود یا تصور سے انکار کرتا ہے، اس کا اطلاق ان تمام فلسفیوں اور مفکروں پر ہوتا ہے جو کائنات کے تجرباتی شعور پر اپنے نقطۂ نظر اور استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں اور کسی لامحدود، لامکان اور ماوراذات پر یقین نہیں رکھتے۔ جدید دور میں مارکسیت، منطقی اثباتیت، پراگمیتیت اور منطقی جوہریت کے علمبردار خاص طور سے دہری فلاسفہ کہلاتے ہیں۔

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا۔

یہاں ہم اس نظریے کی مشہور شخصیات کا تعارف پیش کرنا چاہتے ہیں: [1]

کارل مارکس:

یہ جدید کمیونزم کا بانی ہے۔ جرمنی میں پیدا ہوا۔ بون اور برلن یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی اور فلسفے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ابتداء میں ایک آزاد خیال اخبار کی ادارت کی، اس اخبار میں اس کے انقلابی مضامین شائع ہوتے رہے جن کی وجہ سے ۱۸۴۳ء میں اخبار بند کر دیا گیا۔ مارکس پیرس چلا گیا جہاں اس کی ملاقات چند سوشلسٹ ادیبوں اور لیڈروں سے ہوئی جن میں اینگلس بھی شامل تھا جو خود بھی اشتراکیت کا سربرآوردہ نقیب تھا۔ ۱۸۴۵ء میں مارکس کو پیرس سے بھی نکال دیا گیا تو وہ بیلجیم چلا گیا۔ پہلی ہی ملاقات میں اینگلس سے اس کی دوستی کا رشتہ استوار ہو گیا۔ دونوں نے مل جل کر برسلز میں کام کیا اور اشتمالی منشور (کمیونسٹ مینی فیسٹو) شائع کیا۔ یہ منشور ۱۸۴۸ء میں لندن میں منعقدہ کمیونسٹوں کے سالانہ اجلاس میں منظور ہوا۔ اس منشور میں دعویٰ کیا گیا کہ سرمایہ دار طبقہ محنت پیشہ لوگوں کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ لہٰذا اہلِ محنت کو سماجی انقلاب برپا کرنا چاہیے تاکہ دولت پیدا کرنے کے تمام ذرائع فیکٹریاں، کارخانے، بینک اور زمین وغیرہ قومی ملکیت بن جائیں اور ریاست کا نظم ونسق محنت کشوں کے چنے ہوئے نمائندوں کے ہاتھ آجائے۔ بعد ازاں مارکس جرمنی چلا گیا اور وہاں کی انقلابی تحریکوں میں حصہ لیا۔ مارکس نے اپنی

---

1. اردو انسائیکلوپیڈیا۔

☆......Encyclopadia Britanica(1972)

☆ . دائرة المعارف الاسلامية

☆......المنجد فى اللغة والأعلام

☆... العلمانية/سفر بن عبدالرحمن الحوالي

☆......نظاما البشرية الديمقراطية والشيوعية/ت وديع سعيد

☆... ماركسية القرن العشرين/لروجية عارودي

☆... ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين/ الندوي

☆......الشيوعية والانسانية/ عباس محمود العقاد

بقیہ زندگی لندن میں کمیونزم کا پرچار کرنے میں صرف کردی۔۱۸۸۴ء میں اس نے مزدوروں کی پہلی کمیونسٹ انٹرنیشنل (بین الاقوامی انجمن) قائم کی اور متعدد کتابیں لکھیں۔پانچ سال بعد اس نے جرمنی میں سوشل ڈیموکریٹک لیبر پارٹی بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔آخری چند برس اپنی مشہور کتاب سرمایہ (داس کپتال) کی تصنیف میں بسر کیے۔ساری عمر نہایت تنگدستی وافلاس میں گزاری۔لندن میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

لینن:

روسی انقلابی، کمیونسٹ پارٹی کا بانی اور سوویت یونین کا پہلا حکمران۔سم برسک (موجودہ اُلیانوفسک) میں پیدا ہوا۔کازان یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم مکمل نہ کرسکا کیونکہ اس کے بھائی الیکسا ندر کو، زار روس الیکسا ندر (الیگزنڈر) سوم کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کی پاداش میں پھانسی دے دی گئی۔لینن جلد ہی انقلابی سوشلسٹ تحریک کا رکن بن گیا جس کی بناء پر اسے دودفعہ سائبیریا جلاوطن کیا گیا۔

۱۹۰۰ء میں اس نے روس کو خیرباد کہا اور سوئٹزرلینڈ میں رہائش اختیار کرلی۔۱۹۰۳ء میں رشین سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کی لندن کانفرنس کے موقع پر اسے بالشویک دھڑے کا لیڈر چنا گیا۔روس جاپان جنگ (۱۹۰۵ء) کے خاتمے پر، مختصر عرصے کے لیے، روس واپس آیا، لیکن اپنے منصوبے کی حمایت حاصل کرنے میں ناکام رہا۔آیندہ چند برسوں کے دوران اس نے انقلابی جریدہ اسکرا (چنگاری) کی ادارت کی، متعدد نظریاتی کتب تحریکیں اور انقلابی مہمات کو منظم کیا۔

اپریل ۱۹۱۷ء میں روسی انقلاب کے پہلے مرحلے کے فوری بعد، جرمن فوجی حکام کی مدد سے روس واپس آیا۔جرمنوں کا خیال تھا کہ روس میں اس کی موجودگی سے روس کی جنگی کوششوں میں خلل پڑے گا۔اس نے روس کی عبوری حکومت (جس کا سربراہ کیرنسکی تھا) کی مخالفت کی اور اکتوبر ۱۹۱۷ء میں اس کا تختہ اُلٹ کر سوویت حکومت کی تشکیل کی جس کا وہ چیئرمین بنا۔اس کے فوراً بعد اس نے جرمنی سے صلح کرلی۔

اس وقت پورے روس میں انارکی پھیلی ہوئی تھی۔انقلاب دشمنوں نے ہڑبونگ مچا رکھی تھی اور مغربی طاقتوں نے روس کی ناکہ بندی کردی تھی۔آخرکار لینن ان مشکلات پر قابو پانے میں کامیاب ہوگیا اور اس

کی فوج نے مخالفین کا سر کچل دیا۔ ۱۹۱۹ء میں اس نے کامنٹرن کی تشکیل کی اور آئندہ چند برسوں میں نئی سوویت جمہوریہ کو مستحکم کیا۔ مسلسل کام کرنے سے اس کی صحت جواب دے گئی تھی۔ اس کا مقبرہ ماسکو کے سرخ چوک میں ہے جہاں ہر سال لاکھوں لوگ اس کی حنوط شدہ لاش کے دیدار کے لیے آتے ہیں۔

سٹالن:

روسی سیاسی لیڈر۔ اصل نام جوزف وِیساریونووِچ ژگاش وِلی۔ سٹالن یا اسٹالن (مردِ آہن) لقب۔ موچی کا بیٹا۔ سوویت جمہوریہ جارجیا کے ایک گاؤں گوری میں پیدا ہوا طفلس (جارجیا) کے دینی مدرسے میں داخلہ لیا، لیکن مارکسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی پاداش میں نکال دیا گیا۔ ۱۸۹۶ء میں سوشل ڈیموکریٹک دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تو بالشویک پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ کئی بار سائبیریا جلاوطن کیا گیا۔ ۱۹۱۳ء میں قید کردیا گیا۔ فروری ۱۹۱۷ء میں رہا ہوا اور لینن کا قریبی معاون بن گیا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں سرگرم حصہ لیا اور انقلاب کے بعد اقلیتوں کا وزیر مقرر ہوا۔ ۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۳ء انقلابی کونسل کا رکن رہا۔ ۱۹۲۲ء میں کمیونسٹ پارٹی کا سیکریٹری جنرل منتخب ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں لینن کی وفات کے بعد ٹراٹسکی اور زینوویف کے ساتھ حکومت میں شریک رہا۔ ۱۹۴۱ء میں سوویت یونین کا وزیراعظم بن گیا۔ اس کے عہد میں پانچ سالہ منصوبوں کے تحت سوویت یونین نے زراعت وصنعت وحرفت میں بے پناہ ترقی کی۔ فوجی طاقت میں بھی بیشتر یورپی ملکوں کا ہم پلہ ہوگیا۔ ۱۹۴۱ء میں نازی جرمنی نے سوویت یونین پر حملہ کیا تو اس نے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے روسی افواج کی کمان کی۔

کاسترو:

کیوبا کے انقلابی رہنما۔ ابتدائی تعلیم سانتیاگو میں حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں ہوانا گئے اور ۱۹۵۰ء میں ہوانا یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی۔ اسی اثناء میں کیوبا کے دو سو انقلاب پسند طالب علموں کا ایک گوریلا جتھا منظم کیا اور ۲۶ر جولائی ۱۹۵۳ء کو سانتیاگو کی فوجی بیرکوں پر حملہ کرکے بہت سے فوجی ہلاک کردیئے۔ شدید جنگ کے بعد انہیں گرفتار کرلیا گیا اور کیوبا کے آمر مطلق باتستا کے حکم پر ۱۵ر سال قید کی

سزا دی گئی۔۱۹۵۶ء میں کیوبا کی پارلیمنٹ نے سیاسی قیدیوں کی معافی کا قانون منظور کیا تو کاسترو اور ان کے ساتھی بھی رہا کر دیئے گئے۔ رہائی کے بعد اس نے میکسیکو اور باتستا حکومت کے خلاف چھاپا مار جنگ کے لیے کیوبا کے نوجوانوں کی ایک مختصر سی فوج بنائی۔ ۲ ردسمبر ۱۹۵۶ء کو یہ فوج، کاسترو کی زیر کمان، کیوبا کے صوبہ اورئینٹ کے ساحل پر اُتری۔ کیوبا کے ہزاروں نوجوان اس فوج میں شامل ہو گئے اور ۱۹۵۸ء کے اواخر تک گوریلا جنگ نے باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کر لی۔ جنوری ۱۹۵۹ء میں باتستا فرار ہو گیا اور کیوبا پر کمیونسٹوں کا قبضہ ہو گیا۔

ڈاکٹر کاسترو نے کمال ہوشیاری سے اپنے سیاسی نظریات پوشیدہ رکھے۔ امریکی سی۔آئی۔اے آخر دم تک انہیں کمیونسٹ انقلابی کی بجائے قوم پرست انقلابی سمجھتی رہی، اس لیے امریکا یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اس خانہ جنگی میں کس کا ساتھ دے۔ فروری ۱۹۵۹ء میں کاسترو جمہوریہ کیوبا کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۳ء میں کمیونسٹ پارٹی کے چیئرمین منتخب کیے گئے۔ ۱۹۶۱ء میں لینن امن انعام، ۱۹۶۳ء میں ہیرو آف دی سوویت یونین اور ۱۹۷۲ء میں آرڈر آف لینن کا اعزاز حاصل کیا۔ [1]

☆☆☆
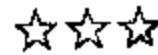
1 ان مختلف عناوین کے لیے: اردو انسائیکلو پیڈیا۔

☆ Encyclopedia Britanica(1972)......

☆......دائرۃ المعارف الاسلامیۃ

☆......المنجد فی اللغۃ والأعلام

☆......العلمانیۃ/سفر بن عبدالرحمن الحوالي

☆......نظاما البشریۃ الدیمقراطیۃ والشیوعیۃ/ت ودیع سعید

☆......مارکسیۃ القرن العشرین/لروجیۃ عارودي

☆......ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین/ الندوي

☆......الشیوعیۃ والانسانیۃ/ عباس محمود العقاد

سوشلزم (SOCIALISM)

سوشلزم (SOCIALISM) عہد حاضر کا معاشی اور سیاسی نظریہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اپنی افادیت ختم کر چکا ہے اور اس کی وجہ سے دولت کی پیداوار اور مناسب تقسیم رکاوٹ ہوتی ہے، کیونکہ دولت پیدا کرنے کے بنیادی ذرائع: زمین، جنگلات، بینک، معدنیات، بڑے بڑے کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ چند لوگوں کی ذاتی ملکیت ہیں اور وہ ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے کی خاطر کام میں لاتے ہیں نہ کہ معاشرے کی فلاح و بہبود کی خاطر، حالانکہ دولت پیدا کرنے والے محنت کش عوام ہی ہوتے ہیں جن کو ان کی محنت کا صلہ نہیں ملتا۔ ان خرابیوں کو دور کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ دولت پیدا کرنے کے تمام بنیادی ذرائع کو قوم کی مشترکہ ملکیت بنایا جائے تاکہ دولت کی پیداوار اور تقسیم قومی مفاد کے تحت ہو سوشلزم بنیادی طور پر کمیونزم کا مترادف ہے۔ بعض لوگوں نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ بھی لگایا ہے۔

یہ کام سماجی انقلاب کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو محنت کش عوام کی رہنمائی میں برپا ہوگا اور وہی اشتراکی ریاست کی تنظیم کریں گے، سوشلزم کے نظریات کو کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس نے اپنی تصنیفات میں پیش کیا۔ چنانچہ انہی نظریات کے مطابق روس میں پھر چین اور مشرقی یورپ میں سوشلزم کا نظام قائم ہوا۔

موجودہ اشتراکی فلسفہ چار گروہوں میں منقسم ہے، یہ چاروں گروہ اس بات پر متفق ہیں کہ چونکہ تمام معاشرتی امراض و مسائل کی جڑ شخصی حق ملکیت ہے، اس لیے وسائل پیدائش کی شخصی ملکیت کو ختم کر دینا چاہیے۔ اختلاف اس بات پر پیدا ہوتا ہے کہ ایسا معاشرہ اور ایسی ریاست کیونکر معرض وجود میں لانی چاہیے۔

(۱)...... پہلا گروہ: مارکسی سوشلزم کا ہے جس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

(۲)...... کسبی اشتراکیت (SYNDICALISM) انقلابی اور ضرورت پڑنے تو تشدد آمیز تدابیر اختیار کرنے کو روا جانتی ہے، اس کا اصول یہ ہے کہ صنعت و حرفت اور دیگر ذرائع پیدائش ٹریڈ یونینوں کے ہاتھ

میں ہوں تاکہ سرمایہ داروں کا وجود نہ رہے، کسی اشتراکیت کے مطابق دولت پیدا کرنے والے یعنی مزدور دولت کے مالک ہیں، اس تحریک کو فرانس میں ۱۸۹۹ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصے میں بڑا عروج حاصل ہوا تھا۔

(۳)......اشتراکیت کی انگلستانی شاخ اور مکتب فکر کو فیبین (FABIAN) کہا جاتا ہے، فیبین سوسائٹی کی بنیاد ۱۸۸۴ء میں رکھی گئی، سوسائٹی کا نام رومی جرنیل FABIUS کے نام پر رکھا گیا جس نے دشمن کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے تیز رفتار اور انقلابی طریقے اختیار کیے تھے، سوسائٹی میں جارج برنارڈ شاہ، سڈنی اور بیٹرائس ویب اور اس وقت کے دوسرے ممتاز مفکرین شریک تھے، فیبین اشتراکیت پارلیمانی حکمت عملی کے حق میں ہے۔

(۴)......گلڈ اشتراکیت (GUILD SOCIALISM): یہ بھی انگلستان کی پیداوار ہے اور بیسویں صدی کے شروع میں نمودار ہوئی، یہ مارکسی اشتراکیت اور کسبی اشتراکیت کا درمیانی راستہ ہے، یہ کسبی اشتراکیت سے اس بات پر اتفاق نہیں رکھتی کہ انقلابی اور تشدد آمیز طریقہ سے مطلوبہ معاشرتی تبدیلی پیدا کی جاسکتی ہے، دوسری طرف مارکسی اشتراکیت سے اس کا اختلاف یہ ہے کہ صرف بتدریج سیاسی تدابیر اختیار کرنا کافی نہیں ہے، اس کے نزدیک معاشی تدابیر اختیار کرنا بھی ضروری ہے جس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو سرمایہ داروں کی پالیسی میں مداخلت کرنا اور دوسرے مزدوروں کو ان کے حقوق دلوانا۔ صنعت وحرفت پر سرمایہ داروں، مزدوروں اور بالآخر صارفین کو یکساں قابو اور اختیار حاصل ہونا چاہیے۔ [1]

☆☆☆

---
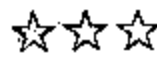
1 دیدہ ور بھٹو/ کوثر نیازی

☆......اسلام اور جدید معیشت وتجارت/ مفتی تقی عثمانی

☆......اسلامی بینکاری کی بنیادیں/ مفتی تقی عثمانی

☆......العلمانية/ سفر بن عبدالرحمن الحوالي/ 289-305

☆......دائرة المعارف الاسلامية

☆......المنجد في اللغة والأعلام

☆......اشتراکیتهم واسلامنا/ بشير العواف

کیپٹل ازم/سرمایہ داری/شخصیتی ملکیت

سرمایہ داری نظام میں تمام پیداوار سرمایہ داروں کی ذاتی منفعت کے لیے عمل میں لائی جاتی ہے۔ سرمایہ دار طبقہ محنت کش عوام سے محنت کرواتا ہے اور اس کے عوض انہیں اجرت ادا کرتا ہے اور تمام پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ اس نظام میں اگر حکومت ذاتی ملکیت یا ذاتی منفعت یا پرائیویٹ معاہدوں پر پابندیاں عائد کرتی ہے تو وہ عوام کے تحفظ کی خاطر ہوتی ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں حکومت لوگوں کی اقتصادی زندگی میں کم سے کم دخل دیتی ہے۔ حکومت صرف ایسے فرائض انجام دیتی ہے جس سے سماج میں نظم قائم رہے۔ جو کاروبار ذاتی ملکیت کی بنیاد پر منافع بخش طریقہ پر نہیں چلائے جاسکتے وہ حکومت چلاتی ہے۔ اس کی بڑی بڑی خصوصیات یہ ہیں:

(۱) سرمایہ داری اور زمین پر افراد یا شرکتی اداروں کی ذاتی ملکیت۔

(۲) ذاتی منافع کے لیے مقابلہ بازی۔

(۳) تنظیم کا بہت زیادہ مستعد ہونا۔

(۴) ایجادات میں اضافہ۔

(۵) تکنیکی ترقی۔

(۶) سرمایہ کاری کی بہت زیادہ تخصیص۔

(۷) پیدائش میں تیز رفتار وسعت پذیری۔

(۸) بڑی تنظیموں کا وجود میں آنا۔

(۹) تجارت میں اضافہ۔

(۱۰) حکومت کی بھی قدرے دخل اندازی۔

(۱۱) گاہے گاہے کساد بازاری اور اقتصادی بحران۔

(۱۲) مزدور انجمنوں کا قیام۔

اب سوشلسٹ ادب میں یہ لفظ تحقیر آمیز معانی اختیار کر گیا ہے۔ اشتراکی مصنفین کے خیال میں سرمایہ داری کے نظام میں معاشرتی ترقی ممکن نہیں، کیونکہ انسان منافع کے لالچ کے بغیر بھی کام پر آمادہ ہو سکتا ہے۔ اگر انسان کو بحیثیت مجموعی روٹی کمانے کی فکر سے آزاد کر دیا جائے تو وہ تسخیر قدرت کا اپنا اوّلین فرض بجا لا سکتا ہے۔ سرمایہ داری میں بے روزگاری کے مسئلے کا بھی کوئی حل نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی عدم مساوات کو ''ناگزیر برائی'' سمجھا جاتا ہے، حالانکہ جمہوریت کی روح مساوات ہے، سرمایہ داری کا سب سے بڑا مرکز ومظہر امریکا ہے۔ [1]

☆☆☆

1. اردو انسائیکلوپیڈیا

☆...... اسلام اور جدید معیشت وتجارت/مفتی تقی عثمانی

☆...... اسلامی بینکاری کی بنیادیں/مفتی تقی عثمانی

☆ العلمانية/سفر بن عبدالرحمن الحوالي

☆......الاسلام بين المادية والاسلام/محمد قطب

☆......اسلام کے اقتصادی نظام کا ایک تقابلی جائزہ/حفیظ الرحمن سیوہاروی

نیشنلزم/النازیۃ/نازی اِزم(NAZISM)

یہ جرمنی کی ایک سیاسی تحریک ہے جس کے پیروؤں کو نازی کہتے ہیں۔ نازیوں نے ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۵ء تک جرمنی پر حکومت کی۔ اس تحریک کی بنیاد اس احساس پر تھی کہ جرمن قوم دیگر اقوام عالم کی نسبت نسلی برتری کی حامل ہے۔ اس کے علاوہ جرمنی میں بڑھتے ہوئے جذبۂ عسکریت نے بھی اس تحریک پر نمایاں اثر ڈالا۔ اس جماعت کا نصب العین یہی تھا کہ جرمنی کو دنیا کی مضبوط ترین طاقت بنادیا جائے۔ ۱۹۳۳ء میں اس پارٹی نے ہٹلر کی زیر قیادت جرمنی پر اپنی حکومت قائم کرلی اور ۱۹۳۸ء میں ہٹلر نے اپنے مندرجہ بالا مقصد کے حصول کے لیے دوسری عالمگیر جنگ شروع کردی جس کے نتیجے کے طور پر چند ابتدائی فتوحات کے بعد ۱۹۴۵ء میں جرمنی کو شکست فاش ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ ہٹلر نے خودکشی کرلی اور نازی تحریک ختم ہوگئی۔

ہٹلر:

یہ جرمن نازی لیڈر رہے۔ بالائی آسٹریا کے ایک رومن کیتھولک گھرانے میں پیدا ہوا۔ زندگی کا ابتدائی زمانہ انتہائی غربت میں گزارا۔ کچھ عرصہ مصوری کی تعلیم بھی حاصل کی مگر ویانا آرٹس اسکول کے امتحان میں فیل ہوگیا۔ پہلی جنگ عظیم چھڑنے پر فوج میں معمولی سپاہی بھرتی ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں نازی تحریک کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۲۲ء میں حکومتِ وقت کے خلاف ناکام بغاوت کی۔ ۱۹۲۳ء میں جرمن چانسلر کے عہدے کے لیے انتخاب لڑا۔ مگر ناکام ہوا۔ ۱۹۳۳ء وزیراعظم (چانسلر) مقرر ہوا۔ ہٹلر نے برسراقتدار آنے کے بعد جرمن پارلیمنٹ توڑدی، تمام سیاسی پارٹیوں کو سوائے نازی پارٹی کے خلاف قانون قرار دیا، کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور جمہوریت پسندوں کو قید کردیا یا گولی مار کر ہلاک کردیا۔ یہودیوں پر خاص طور سے بہت مظالم ڈھائے۔ ۱۹۳۶ء میں رہائن لینڈ پر قبضہ کرلیا۔ ۱۹۳۸ء میں آسٹریا پر فوجی دھاوا کرکے ملک کو جرمنی میں شامل کرلیا۔ ۱۹۳۹ء میں چیکوسلواکیہ پر قبضہ کیا اور یکم ستمبر کو پولینڈ میں فوجیں داخل کردیں جس سے دوسری جنگ عظیم کے

شعلے بھڑک اٹھے۔ دورانِ جنگ میں ہٹلر نے ڈنمارک، ناروے، ہالینڈ، بلجیم، فرانس اور بلقانی ریاستوں کو تسخیر کیا اور بالآخر ۲۲؍جون ۱۹۴۱ء کو روس پر حملہ آور ہوا اور آدھے ملک پر قبضہ کرلیا مگر ۱۹۴۳ء میں جنگ کا رُخ اس کے خلاف پھر گیا اور روسی محاذ پر اسے پے در پے شکستیں ہونے لگیں اور نازی فوجوں کو پسپا ہونا پڑا۔ شمالی افریقہ میں بھی اسے شکست ہوئی۔ ۲۰؍جولائی ۱۹۴۴ء کو اس کے قتل کی ناکام سازش کی گئی۔ ۳۰؍اپریل ۱۹۴۵ء کو روسی فوجوں نے برلن کا محاصرہ شروع کیا اور جب بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو کہا جاتا ہے کہ ہٹلر نے خودکشی کرلی۔ ویسے جرمنوں کے بجائے جاپان کے لوگوں میں خودکشی کا رواج ورسم عام ہے۔ 1

☆☆☆

فسطائیت/ فاشزم/ الوطنیۃ

فسطائیت (FASCISM) ایک غیر جمہوری آمرانہ تحریک جو پہلی جنگ عظیم کے بعد اٹلی میں شروع ہوئی ہے۔ اس کا سرغنہ اٹلی کا آمرِ مطلق مسولینی تھا۔ فسطائی تحریک (یا نظامِ حیات) کا مقصد اطالوی نوجوانوں میں رومی ارضیاتی برتری (یعنی ارض روم کی تقدیس) کا احساس پیدا کرنا، سلطنتِ روما کی عظمت رفتہ کو بحال کرنا اور (بالخصوص) اٹلی کو بالشوزم (کمیونزم) سے محفوظ رکھنا تھا، فسطائی یا فاشسٹ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۴۳ء تک اٹلی میں برسرِ اقتدار رہے، انہوں نے شہری آزادیوں کو کچلا، عوام کے بنیادی حقوق غصب کیے اور مخالفین کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کیا۔ فسطائی جماعت کے ہر رکن کے لیے فوجی تربیت حاصل کرنا لازمی تھا اور وہ قدیم رومیوں کے انداز میں سلام کرتے تھے، اٹلی پر اتحادیوں کے حملے ۱۹۴۳ء کے بعد مسولینی ملک سے فرار ہوگیا تو یہ تحریک دم توڑ گئی۔ بعد ازاں ہر اس جماعت اور ڈکٹیٹر کو فسطائی کہا جانے لگا جس کا طرزِ عمل فسطائی ہوا۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

☆ ... Encyclopedia Britanica(1972)

☆ المنجد فی اللغۃ والأعلام

☆ ... تیسری رائشتاغ/ ترجمہ غلام رسول مہر

☆..... المفسدون فی الارض/ س۔ باجی

2 المنجد فی اللغۃ والأعلام، تاریخ الشریعۃ/ ت عثمان نوریۃ، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

شیطنزم/عَبَدَۃ الشیطان (MS-13)

یورپ، امریکا اور مصر میں نوجوانوں نے ایک مذہب اختیار کیا ہے، وہ ہے شیطان کی عبادت یہ لوگ مردم خوری بھی کرتے ہیں، ان کا معبد سیاہ رنگ کا ہوتا ہے، یہ لوگ عجیب وغریب اور خطرناک وخوفناک طریقوں سے شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کی نشانی شیطان کے سینگ ہیں، اس گروہ میں شامل لڑکیاں صبح سویرے ہی بھیک مانگنے کے لیے نکل جاتی ہیں، تاکہ تنظیم کے دیگر اراکین کے کھانے کا بندوبست کرسکے، ان میں بارہ برس سے بھی کم عمر کی لڑکیاں شامل ہوتی ہیں، جو زیادہ تر محلوں میں بھیک مانگتی ہیں، گروہ میں کئی نوجوان لڑکیاں گھروں سے بھاگی ہوئی ہوتی ہیں، تنظیم کا کنٹرول لڑکوں کے پاس ہوتا ہے، میٹنگ صرف لڑکوں کی ہوتی ہے، جس میں لڑکیوں کی شرکت نہیں ہوتی، ویک اینڈ پر ان کے ساتھ تنظیم کے وہ ممبر بھی شامل ہوتے ہیں جو والدین کے ساتھ رہتے ہیں، ان میٹنگوں میں مجرمانہ سرگرمیوں کے متعلق مشاورت ہوتی ہے، لڑکیوں کو لڑکوں کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں ہوتی۔ [1]

☆☆☆

سیکولرازم/سیکولر اسٹیٹ/عَلمانیت (**)

ایسی ریاست یا مملکت جہاں مذہب سیاست (ریاست) سے جُدا ہو اور ریاست کی پالیسیوں پر مذہب کا براہِ راست دخل انداز ہونا خارج از مکان ہو۔ سیکولر ریاست کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہوتا۔ اس کے آئین کی رُو سے تمام مذاہب کو مساوی درجہ حاصل ہوتا ہے اور کسی خاص مذہب کے ماننے والوں سے

1 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

(**) مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا/323-328، العلمانیۃ/سفر بن عبدالرحمن الحوالی تہافت العلمانیۃ/عمادالدین خلیل

ترجیحی یا امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا۔ سیکولر اسٹیٹ کا مقصد ملک میں مختلف مذاہب کے درمیان چپقلش کو ختم کرنا اور ان کے پیروؤں میں قومی یکجہتی پیدا کرنا ہے۔ سیکولر اسٹیٹ کے لیے اردو میں ''لادینی ریاست'' کی ترکیب مستعمل ہے، لیکن یہ اس کا صحیح مترادف نہیں ہے۔

مذہبی آزادی:

اپنے ضمیر اور ایمان کے مطابق عمل کرنے کا حق۔ اس حق سے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے شہری اسی وقت صحیح معنوں میں مستفید ہو سکتے ہیں جبکہ ملکی حکومت نہ صرف مذہبی رواداری کے اصول پر گامزن ہو بلکہ ملک میں ایسی فضا قائم کردے جس میں مختلف مذاہب کے پیرو ایک دوسرے سے گہری مذہبی رواداری کا برتاؤ کریں۔ مذہبی رواداری کی عدم موجودگی کی بناء پر زمانہ ماضی میں دنیا کے مختلف ممالک میں بڑے پیمانے پر کشت وخون اور قتل وغارت کو روا رکھا جاتا رہا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب بطور خود مذہبی رواداری کے علمبردار رہے ہیں۔ مگر ان کے بعض پیروکار بعض نظریات کی بناء پر پیدا شدہ تعصب کی زد میں بہ گئے اور عدم رواداری کا مظاہرہ کرتے رہے۔

چنانچہ انیسویں صدی تک اکثر یورپی ممالک میں جن میں برطانیہ بھی شامل ہیں، اسی مذہبی تعصب کی بناء پر اکثریتی فرقے اقلیتی فرقوں کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔ اسلام نے واضح طور پر اقلیتی فرقوں کی مذہبی آزادی کی ضمانت دی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سیکولرازم نے بجائے خود ایک مذہب کی شکل اختیار کرلی ہے، اور بعض ممالک مثلاً ترکی اور انڈیا میں اس کے پیروکاروں نے مذاہب بالخصوص اسلام کے ساتھ متعصبانہ اور جارحانہ رویہ اختیار کیے رکھا ہے۔ [1]

☆☆☆

---

[1] العلمانية: د/سفر بن عبدالرحمن الحوالي۔

کنفیڈریشن

خود مختار حکومتوں، ریاستوں، (ممالک) کا اتحاد جو ایک خاص مقصد کو پیش نظر رکھ کر تشکیل دیا جائے۔ کنفیڈریشن ایک عارضی یا مستقل سمجھوتا ہوتا ہے جس میں کلی طور پر خود مختار ریاستیں شامل ہوتی ہیں تاکہ وہ ان مقاصد کی تکمیل کر سکیں، جن کے پورا کرنے سے وہ انفرادی طور پر معذور رہوں۔

حکومت کی اس قسم کی تشکیل فیڈریشن سے بالکل جدا ہوتی ہے۔ فیڈریشن ان حکومتوں کی انجمن ہوتی ہے جو مستقل طور پر ایک مرکزی حکومت کے ماتحت ہوں۔ گو وہ داخلی امور میں کم وبیش آزاد ہوں۔ 1

☆☆☆
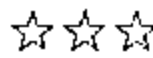
مارشل لاء/ الحکم العسکری

جب کسی ملک، صوبہ، ضلع یا علاقے میں ابتری، جنگی حالات یا بغاوت کے سبب، بدامنی کا ظہور ہو جس کا سدِّ باب کرنے سے پولیس اور سول حکومت عاجز ہو تو ایسے ہنگامی حالات میں مارشل لاء یعنی فوجی قانون نافذ کر دیا جاتا ہے۔ یہ قانون عارضی طور پر ہنگامی حالات ہی میں نافذ کیا جا سکتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ تمام ملک میں یہ صورت پیدا کی جائے۔ مارشل لا کی عملی صورت میں فوج کے ہر حکم کی بلا چوں وچرا تعمیل ہوتی ہے جس کی نافرمانی کی سزا موت تک ہو سکتی ہے۔ ان حالات میں فوج تمام اختیارات کی مالک ہوتی ہے اور دیگر تمام قوانین عارضی طور پر منسوخ ہو جاتے ہیں۔

لاطینی امریکا کے اکثر ملکوں میں سال بھر مارشل لاء لگا رہتا ہے فلپین میں ۱۹۷۲ء سے مارشل لاء نافذ تھا۔ جنوبی کوریا کے صدر آنجہانی پارک چنگ ہی نے اپنے مخالفین کو کچلنے کے لیے دو بار مارشل لاء کا سہارا لیا۔ ترکی میں بھی کئی بار

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا، القاموس السیاسی/73 دیکھئے لفظ: Confaderation

مارشل لاء لگ چکا ہے۔ بنگلہ دیش کی مختصری تاریخ میں دو بار (۱۹۷۵ء اور ۱۹۸۲ء) مارشل لا نافذ ہوا۔ پاکستان میں پہلا مارشل لاء ۱۹۵۳ء میں لاہور کے ضلع میں لگا۔ اس کے بعد پورے ملک میں تین بار (اکتوبر ۱۹۵۸ء، مارچ ۱۹۶۹ء، جولائی ۱۹۷۷ء) مارشل لگ چکا ہے۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء سے پرویز مشرف کا دور بھی مارشل لاء کے زمرے میں آتا ہے۔ 1

☆☆☆
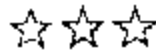
وحدانی حکومت

جمہوری حکومت کی ایک قسم جو عموماً ایسے ممالک میں رائج ہے جہاں لسانی، مذہبی اور نسلی اختلافات کم ہوں۔ مثلاً انگلستان، فرانس، ایران، افغانستان وغیرہ۔ اس طرز حکومت میں سارے اختیارات مرکزی حکومت کو حاصل ہوتے ہیں اور وہ چند اختیارات الگ الگ صوبوں یا علاقوں کو بانٹ دیتی ہے جنہیں وہ اپنے اپنے حلقوں میں مقامی طور پر استعمال کر سکتے ہیں، لیکن ہر امر میں مرکز کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ مرکز کا حکم صوبائی اور مقامی حکومتوں کو ماننا پڑتا ہے اور ان کا کام سوائے ان کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ مرکز کے حکم کے مطابق اپنے علاقوں کا نظم ونسق چلائیں۔ مرکز جس وقت چاہے ان سے اختیارات واپس لے سکتا ہے۔ 2

☆☆☆

وزارتی حکومت

ایسا نظام حکومت جو وزیروں کے مشورے اور کابینہ کے ذریعے چلتا ہو۔ شاہی حکومت میں بھی وزیر ہوتے ہیں اور جمہوری حکومت میں بھی۔ برطانیہ میں کابینہ کی ابتداء شاہ جارج اوّل کے عہد میں ہوئی۔

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا، فوجی حکومتیں۔

سیاست، فوجوں، حکومتوں کے اتار چڑھاؤ کا اندازہ لگانے کے لیے (شہاب نامہ/ قدرت اللہ شہاب) کا مطالعہ فرمائیں!

2 اردو انسائیکلو پیڈیا، شہریت/ محمد سرور

وزارتی حکومت میں گوکئی ایک وزیر ہوتے ہیں لیکن انفرادی اقوال وافعال کے لیے کابینہ کی ذمے داری اجتماعی ہوتی ہے۔ کابینہ دارالامراء (سینیٹ) اور دارالعوام (نیشنل اسمبلی) کے سب سے زیادہ بااقتدار ارکان پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں بادشاہ اور صدر وزیراعظم کی سفارش پر نامزد کرتا ہے جسے اکثریتی پارٹی کے لیڈر ہونے کی حیثیت سے وزارت بنانے کی دعوت دی جاتی ہے۔ 1

☆☆☆
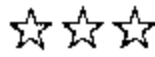
وسطی جماعتیں

پارلیمانی جماعتیں بالعموم تین سیاسی مسلکوں کی پیرو ہوتی ہیں اور انہیں بایاں بازو، دایاں بازو اور وسطی جماعت کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں الفاظ ۱۷۸۹ء کی فرانسیسی نیشنل اسمبلی میں اختراع کیے گئے تھے۔ شروع شروع میں نظریاتی تقسیم کی رو سے فرانسیسی پارلیمان میں صرف دو جماعتیں تشکیل کی جاتی تھیں: دائیں بازو کی جماعتیں جنہیں قدامت پسند کہا جاتا تھا اور بائیں بازو کی جماعتیں جن سے مراد ایسی جماعتیں تھیں جو غرباء کی ہمدردی کا دم بھرتی تھیں۔ مگر جب اشتراکی نظریات کا چرچا ہونے لگا تو پارلیمانی پارٹیوں کی از سر نو تشکیل کرنے کی ضرورت پیش آئی، کیونکہ کئی ایک ایسے سیاست دان تھے جو قدامت پسند نہیں تھے اور وہ غریبوں کی حمایت کرتے تھے مگر اشتراکی نظریات کے قائل نہ تھے۔ گویا وہ میانہ روی کے قائل تھے۔ لہٰذا انہیں وسطی جماعت یا اعتدال پسند جماعت میں شمار کیا جانے لگا اور طبقاتی کشمکش اور اشتراکی نظریات کے حامیوں کو بائیں بازو کی جماعت سمجھا جانے لگا۔ بسا اوقات ایک جماعت کے اندر بھی نظریاتی تفریقیں ہوتی ہیں اور انہیں بھی دائیں، بائیں اور وسطی گروہ کہا جاتا ہے۔ 2

☆☆☆

1 اردو انسائیکلوپیڈیا، شہریت/محمد سرور

2 اردو انسائیکلوپیڈیا، شہریت/محمد سرور

فیدرالیہ/ وِفاق/ فیڈریشن

جب دو یا دو سے زیادہ مملکتیں اپنی مستقل جداگانہ حیثیت کو ختم کر کے ایک مرکزی حکومت قائم کر لیں تو یہ وفاق کہلاتا ہے وفاق میں ہر مملکت ان شعبوں کو چھوڑ کر جو مرکز کے اختیارات میں چلے جاتے ہیں، باقی سب امور میں خود مختار ہوتی ہے اور بجائے خود وفاق کی وحدت (UNIT) کہلاتی ہے۔ اس کی ایک مثال رشین فیڈریشن ہے۔ [1]

☆☆☆

وفاقی حکومت

دستور اساسی کی رو سے مرکز اور صوبوں کے درمیان اختیارات کی علیحدہ علیحدہ تقسیم کردی جاتی ہے اور امور مملکت کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے:

(۱) دفاع، مواصلات، کرنسی اور امور خارجہ وغیرہ جیسے اہم اُمور جن کا پوری مملکت سے تعلق ہو، مرکز کے تحت کر دیے جاتے ہیں۔

(۲) تعلیم، صحت وصفائی، زراعت وغیرہ جیسے اُمور صوبوں کے ماتحت کر دیے جاتے ہیں تا کہ صوبائی حکومتیں اپنے اپنے صوبوں کے حالات اور ماحول کے مطابق ان سے عہدہ برآ ہوں۔

(۳) جن اُمور کے متعلق کوئی تخصیص نہ کی جا سکتی ہو اس کے لیے مرکز اور صوبوں کو یکساں اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ رہے بنیے یا اتفاقیہ معرض وجود میں آ جانے والے اُمور کہیں مرکزی اور کہیں صوبائی حکومتوں کو سونپ دیے جاتے ہیں۔ دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے معاملات

---

1 القاموس السياسي ومصطلحات المؤتمرات الدولية دیکھئے لفظ Faderal

میں دخل نہیں دیتیں لیکن متنازعہ فیہ امور کا فیصلہ وفاقی عدالت (سپریم کورٹ) کے ذریعے ہوتا ہے، جسے دونوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

قومی اہمیت کے مسائل مرکزی حکومت حل کرتی ہے اور مقامی مسائل کو مقامی یا صوبائی حکومتیں خود سلجھاتی ہیں اور ان کی مقامی آزادی برقرار رہتی ہے۔ نسلی، انسانی اور تہذیبی اختلافات رکھنے والے ممالک میں ایسی حکومت کامیاب رہتی ہے۔ امریکا، پاکستان، کینیڈا، بھارت اور سوئٹزرلینڈ میں ایسی حکومتیں قائم ہیں اور یہ جمہوری نظامِ حکومت ہی کی مختلف قسمیں ہیں۔

☆☆☆
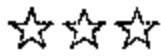
سامراج/استعمار

سرمایہ داری نظام کا نقطۂ عروج جس میں سرمایہ دار اپنے سرمایے کو زیادہ نفع بخش طریقے پر لگاتے، خام مال کی منڈیوں پر قبضہ کرتے اور اپنی مصنوعات کی برآمد کے لیے دوسرے ملکوں پر براہِ راست قبضہ کرتے یا انہیں سیاسی یا معاشی طور پر اپنا محکوم بناتے ہیں۔ یہ اصطلاح سب سے پہلے انیسویں صدی کے آخر میں استعمال ہوئی۔ اس کا مقصد قرونِ وسطیٰ کی وسیع سلطنتوں اور دورِ جدید کی سلطنتوں میں فرق کو واضح کرنا تھا۔ انیسویں صدی میں مغربی سامراج کی سب سے واضح مثال برطانیہ، روس، فرانس اور ہالینڈ کا نظام تھا، جو اب بتدریج امریکی استعمار کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ [1]

☆☆☆

1. اردو انسائیکلوپیڈیا، تفصیل کے لیے محمد سرور کی ایف اے صوبہ سرحد بورڈ میں شامل کتاب "شہریت" کا مطالعہ فرمائیں۔

فرعونیت/ رامیس/ اُلوہیت/ انسان پرستی

مصر قدیم کے انیسویں حکمران خاندان کا تیسرا فرعون جس نے خدائی کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس نے ایتھوپیا اور شام کو فتح کیا۔ شام کی تسخیر کے سلسلے میں اُسے حتّیوں سے ہولناک جنگیں لڑنا پڑیں۔ اس نے اپنے دورِ حکومت میں کئی شاندار عمارتیں بنوائیں جن میں ابوسمبل کے مقام پر ایک عالی شان مندر قابلِ ذکر ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا تعاقب اسی فرعون نے کیا تھا۔ دوسرے فراعنہ کی طرح اس کی حنوط شدہ لاش (ممی) بھی ابوسمبل کے ہرم میں رکھ دی گئی، جسے ۱۸۸۱ء میں ماہرینِ آثار قدیمہ نے دریافت کیا۔ ۱۹۱۲ء میں یہ ممی قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھ دی گئی۔ ۱۹۷۴ء میں معاینے کے دوران معلوم ہوا کہ ممی میں پھپھوندی لگ گئی ہے، چنانچہ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں اسے پیرس لے جایا گیا جہاں اس کا سربراہِ مملکت کی طرح استقبال ہوا۔ پیرس کے ''ممی گھر'' کے بیس سائنس دانوں نے ممی کو پھپھوندی سے نجات دلائی اور پھر اسے اسی تزک واحتشام کے ساتھ قاہرہ بھیج دیا گیا۔ فرعونیت اور نمرودیت انسان پرستی کی قسمیں ہیں۔

☆☆☆

نمرود/ نمرودیت

نمرود ۲۰۰۰ ق۔م بابل کا بادشاہ تھا (بابل کلدانیوں کا دارالحکومت تھا۔ یہ علاقہ بغداد کے اردگرد پھیلا ہوا تھا) نمرود کے باپ کا نام کوش بن حام تھا۔ مذہبی روایات کے مطابق خدائی کا دعویدار تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر تبلیغ وارشاد شروع کی تو مشتعل ہو کر آپ کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کو جلتے الاؤ میں ڈال دیا گیا مگر آپ کرشمۂ خداوندی سے بچ گئے اور پھر ملک چھوڑ کر فلسطین میں جا آباد ہوئے۔ [1]

☆☆☆

---
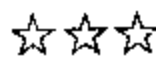
1 فرعون اور نمرود کے بارے میں مفصل معلومات ہارون یحییٰ کی انگریزی تصنیف Perishes Notions کا ترجمہ ''تباہ شدہ اقوام'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

آزاد خیالی

اُس سیاسی فلسفے کا نام ہے، جو شخصی آزادی، جمہوری نظامِ حکومت اور آزادیٔ تجارت کا پرچار کرے۔ آزاد خیالی کی تحریک اٹھارھویں اور انیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ جبکہ درمیانے طبقے کے لوگوں نے جاگیرداری اور مطلق العنانی کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ امریکا اور فرانس کے انقلابات اسی تحریک کا نتیجہ ہیں۔ سب سے پہلے آزاد خیالی کا لفظ اہلِ اسپین نے استعمال کیا اور سب سے پہلے آزاد خیال جماعت وہیں منظم ہوئی۔ معاشی اعتبار سے آزاد خیالی کا مطلب آزاد تجارت، ذاتی ملکیت اور بلا روک ٹوک درآمد برآمد ہے۔ 1

☆☆☆
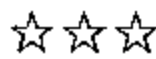
اشرافیہ/ارستقراطیۃ

حکومتِ امراء۔ اس میں چند مخصوص اور بااثر لوگ ہی اقتدارِ اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ طبقہ مخصوصہ کی حکومت کہلاتی ہے۔ یہ لفظ یونانی زبان کے دو الفاظ Oligo یعنی چند اور Arch بمعنی حکومت کا مرکب ہے۔ Oligarchy ایسی حکومت میں جاگیرداروں، مذہبی رہنماؤں، ماہرین فن حرب، بڑے بڑے تاجروں اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں کو وسیع اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ بادشاہ ضرورت کے وقت ان سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ عام طور پر یہ لوگ ہمیشہ بادشاہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کی تلاش میں رہتے تھے اور اسی میں اپنے اقتدار کی خیر سمجھتے تھے۔ جدید دور میں یہ لفظ مختلف طبقات کے امراء اور حکومت تک پہنچے ہوئے لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ 2

☆☆☆

---
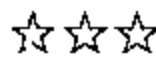
1 اردو انسائیکلوپیڈیا، العلمانیۃ/سفر بن عبدالرحمن الحوالی، الانسان فی المجتمع المعاصر/ت مصطفی کامل فودہ، الصراع الفکری فی البلاد المستعمرۃ/مالک بن نبی، الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ/الندوی۔

2 تاریخ الادب العربی/لاحمد حسن زیات، شہریت/محمد سرور۔

مصنوعی کثرتِ زر/افراطِ زر/تفریطِ زر/تقلیلِ زر

زر کی رسد میں اس حد تک اضافہ کہ وہ اشیاء کی قیمتوں کی حد سے زیادہ بیشی کا سبب بن جائے۔ اسے مصنوعی کثرتِ زر بھی کہا جاتا ہے۔ کسی ملک میں اشیائے صرف کم ہوں اور سکّے (کرنسی) کی گردش بڑھ جائے تو اس سے ان چیزوں کے بھاؤ بڑھ جاتے ہیں اور عوام اپنی ضروریات زندگی آسانی سے نہیں خرید سکتے۔ وہ اپنے آجروں پر (خواہ کارخانہ دار ہوں یا خود حکومت) تنخواہوں اور روزینوں (دھاڑیوں) میں اضافہ کرنے کے لیے زور ڈالتے ہیں مگر ہوتا یہ ہے کہ اِدھر اُن کی تنخواہوں میں اضافہ ہوا، اُدھر چیزوں کے بھاؤ اور چڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح سکّے کا پھیلاؤ بڑھتا جاتا ہے اور ساتھ ہی چیزوں کی قیمتیں بھی بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اسے ''کھلا پھیلاؤ'' یعنی Open Inflation بھی کہتے ہیں۔ پاکستان میں بھی یہی ہو رہا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک دفعہ بھاؤ چڑھ جانے کے بعد حکومت اپنے ملازموں کی تنخواہیں بڑھا دیتیں ہیں مگر ساتھ ہی اشیائے خرید کی قیمت فروخت بھی مقرر کر دیتی ہے۔ اس قسم کے پھیلاؤ کو ''محدود پھیلاؤ'' Controlled Inflation کہتے ہیں، مگر اس سے بھی حالات نہیں سدھرتے۔ کیونکہ چور بازاری شروع ہو جاتی ہے۔ چور بازاری کا امکان نہ بھی ہو تو اشیائے صرف بازار میں لوگوں کی ضرورت سے کم ہونے کی بناء پر جلد ختم ہو جاتی ہیں اور قیمتوں کے چڑھنے کا چکر پھر سے شروع ہو جاتا ہے۔ جب قیمتیں حد سے زیادہ گر جائیں تو حکومت زر کی رسد میں اضافہ کرتی ہے اور معاشی حالت کو استقرار زر (Reflation) کہتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں تقریباً ہر یورپی ملک مصنوعی کثرتِ زر کے مرض میں مبتلا تھا۔

افراطِ زر کے خطرات کی روک تھام کے لیے تقلیلِ زر (Deflation) کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ حکومت پہلے کی نسبت گردشی زر کی تعداد کم کر دے تو اسے تقلیلِ زز کہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چیزوں کے نرخ گر جائیں گے۔ مصنوعی کثرتِ زر ختم ہو جائے گی اور زر کی گردش میں توازن پیدا ہو جائے گا۔ اکثر اوقات تقلیلِ زر خود بخود بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تجارت کے چکر میں روپیہ سرکاری خزانے میں زیادہ مقدار میں پہنچ جاتا ہے اور گردش میں کم رہ جاتا ہے۔ [1]

☆☆☆

1. اسلام اور جدید معیشت وتجارت/ مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب، نیز اردو انسائیکلوپیڈیا۔

انتداب/تولیت

کسی بین الاقوامی جماعت کی طرف سے کسی ملک کو کسی دوسرے ملک پر عارضی طور پر حکومت کرنے کا اختیار دینا۔ اسے ''تولیت'' بھی کہتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے خاتمے پر جمعیۃ الاقوام (لیگ آف نیشنز) کے احکام کے مطابق ایسے علاقوں کو جو پسماندگی کی بناء پر آزادانہ حیثیت برقرار رکھنے کے ناقابل یعنی ناکام ریاستیں سمجھی گئیں۔ دوسری بڑی حکومتوں کی حفاظت میں دے دیا گیا۔ ان علاقوں میں جرمنی اور ترکی کے مقبوضات شامل تھے، ان کو مختلف درجوں میں تقسیم کیا گیا تھا تاکہ اسی ترتیب سے آزادی دینے کے مواقع فراہم کیے جائیں، دوسری جنگ عظیم کے بعد اب ایسے علاقوں کا انتظام اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ کونسل کے سپرد ہے انتداب فلسطین اس کی ایک مثال ہے۔ [1]

☆☆☆

انفرادیت

انفرادیت کے مسئلہ میں اس امر کا تیقن ہوتا ہے کہ لوگ اپنے مفادات کو خود ہی بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ان کو فکر و عمل کی آزادی ہونی چاہیے۔ اس نظریے کے ارتقاء میں ایک طرف تو یہ یقین کہ فرد انتہائی قدر و قیمت کا حامل ہے اور دوسری طرف ایک ایسے اقتصادی نظام کا اجراء، جس کی بنیاد جائیداد کے حق ملکیت اور آزادانہ تبادلے پر قائم تھی بہت مدد اور معاون ثابت ہوئے۔ انفرادیت کے جدید نظریے کے سرگرم مبلغ اٹھارویں اور انیسویں صدی کے درمیان فرانس، انگلستان اور امریکا میں سرگرم عمل رہے۔ ان میں چند ایک

1. اردو انسائیکلوپیڈیا، القاموس السیاسی ومصطلحات المؤتمرات الدولیۃ/س۔م۔لخام، المنجد فی اللغۃ والأعلام۔

یہ ہیں، جان لاک، ایڈم سمتھ، جرمی بینتھم، جان سٹورٹ مل، فرنکلن، تھامس، جفرسن۔

یہ لوگ اس نظریے کے قائل تھے کہ حکومت کو اپنی رعایا پر کوئی یکساں ضابطہ اخلاق مسلط نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان کے انفرادی حقوق اور آزادیوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔ اقتصادی دائرۂ عمل میں نظریۂ انفرادیت اس امر کا متقاضی ہے کہ آزادانہ تجارت، رضا کارانہ تقسیم کار اور آزادانہ تبادلۂ اشیاء کی بدولت ہر شخص خوشحال ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات انفرادیت کی انتہاء لاقانونیت اور طوائف الملوکی کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور انفرادی حقوق اور فرد کے شخصی وقار سے چشم پوشی ظلم اور استبداد پر منتج ہوتی ہے۔ [1]

اسلام نے بھی انفرادیت پر زور دیا ہے اور شاعر مشرق علامہ اقبال نے انفرادیت کی اخلاقی اقدار پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ ان کا نظریۂ خودی فرد کی شخصیت کو انتہائی بلندیوں پر لے جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کے تمام خیالات کی بہترین تفسیر اس شعر میں مضمر ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

[علامہ اقبال] [2]

☆☆☆

نوکرشاہی/ بیوروکریسی/ دفتری حکومت

بیوروکریسی دراصل فرانسیسی نژاد لفظ ہے اور اس طنز آمیز لفظ کا اطلاق ایسی عاملہ یا انتظامیہ پر ہوتا ہے جس کا کام ضابطہ پرستی کے باعث طوالت آمیز ہو۔ اس اصطلاح کو اٹھارھویں صدی میں فرانس میں وضع کیا

---

1. اردو انسائیکلوپیڈیا، العلمانية/ سفر بن عبدالرحمن الحوالي، قصة الحضارة/ت محمد بدران، المؤتمرات الدولية، افکار ورجال (قصة الفكر الغربي)/محمود۔

2. کلیات اقبال۔

گیا جبکہ بعض افراد کو نوابی خطابات دے کر انہیں سرکاری عہدوں پر فائز کر دیا گیا تھا۔ نپولین کے دور حکومت میں سرکاری عہدوں پر فائز اور سرکاری عہدے داروں کو بیوروکریٹ کہا جاتا تھا۔
اس قسم کے نظام حکومت کے ناقدین کی رائے ہے کہ اس نظام سے کام میں طوالت، تنگ نظری اور عدم توجہ پیدا ہوتی ہے اور عوام سے رعونت برتی جاتی ہے۔ مگر اس طریق کار کے حمایتی کہتے ہیں کہ اس سے فرض، باضابطہ پن، تسلسل کار اور اخلاق ٹپکتا ہے۔ ان میں جہاں آئے دن حکومتیں پیچیدہ منصوبے تیار کرتی رہتی ہیں، وہاں ضابطہ پرست عاملہ کا قوت حاصل کر جانا ناگزیر ہے۔ اُردو میں اسے نوکر شاہی بھی کہتے ہیں۔ 1

☆☆☆
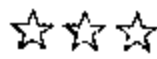
امبراطوریہ/مملکۃ/بادشاہت

وہ نظام حکومت جس میں تمام اختیارات فردِ واحد کو حاصل ہوں۔ یہ فرد یا حاکم بادشاہ، شہنشاہ، سلطان، راجا یا امیر کہلاتا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ دنیا کی پہلی بادشاہت کہاں قائم ہوئی۔ بہر حال روم، بابل، مصر، یونان، ایران اور ہندوستان قدیم میں بڑے بڑے جابر و قاہر بادشاہ گزرے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنی رعایا کے مذہبی پیشوا بھی تھے۔ بادشاہت عموماً موروثی ہوتی ہے۔
ایسی بادشاہت جس میں بادشاہ کے اختیارات لامحدود ہوں، اس کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھے اور وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو، مطلق العنان (ABSOLUTE) بادشاہت کہلاتی ہے۔ اس قسم کی بادشاہتیں شرقِ اوسط کے بعض ملکوں اور خلیج فارس کی ریاستوں میں ابھی تک قائم ہیں۔
جس بادشاہت میں بادشاہ کے اختیارات محدود ہوں اور حکومت کا کاروبار عوام کے منتخب نمائندے چلاتے ہوں، وہ آئینی بادشاہت ہوتی ہے۔ ایسی بادشاہتیں سترھویں اور اٹھارویں صدی میں یورپ میں قائم ہوئیں۔ اسپین، برطانیہ، نیدرلینڈ (ہالینڈ)، سویڈن، ناروے، ڈنمارک اور لکسمبرگ میں بادشاہوں کی حیثیت آئینی ہے۔ انہیں حکومت کے کاموں میں دخل دینے کا حق حاصل نہیں۔ انگریز فطرتاً شاہ پرست ہیں، لیکن ان کا بادشاہ اتنا بے بس ہے کہ اگر دار العوام اسے پھانسی دینے کا بل پاس کر دے تو اسے بے چوں وچرا اس پر دستخط کرنے پڑیں گے۔ 2

☆☆☆

1 اردو انسائیکلوپیڈیا، القاموس السیاسی ومصطلحات المؤتمرات الدولیۃ/ 48، شہریت/ محمد سرور۔
2 اردو انسائیکلوپیڈیا، اضمحلال الامبراطوریۃ الرومانیۃ/ت محمد علی الودرۃ، شہریت/ محمد سرور، القاموس السیاسی/ اس۔م۔لحام/ 186۔

حکومۃ مؤقتۃ/نگران حکومت

وہ عُبوری وزارت جو کسی پارلیمنٹ یا اسمبلی کے ختم ہو جانے یا اسے معطل کر دیے جانے کے بعد حکومت کے کام کو انجام دے۔ یہ حکومت اس وقت تک کام کرتی ہے، جب تک جدید انتخابات ہو کر نئی وزارت قائم نہ ہو۔ 1

☆☆☆
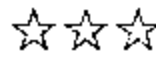
تطہیر عنصری/نسل کشی/نسل پرستی

کسی پوری قوم یا نسل کا بڑے پیمانے پر قتل کیا جانا۔ عام طور پر لوگوں کے بہت بڑے بڑے مجمعوں اور گروہوں کے قتل کیے جانے کے موقع پر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ اصطلاح اس وقت استعمال میں آئی جب جرمن نازیوں نے غیر جرمن لوگوں بالخصوص یہودیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ نازی جرمنی کے ان مظالم کے خلاف پولینڈ کے ایک پروفیسر لیمکن نے ۱۹۳۳ء میں یہ اصطلاح وضع کی۔ پروفیسر لیمکن کو ۱۹۳۹ء میں پولینڈ چھوڑ کر امریکا بھاگنا پڑا۔ مگر انہوں نے اس مہم کو وہاں بھی جاری رکھا، جس کی بناء پر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ نے نسل کشی کو جرم قرار دے دیا۔ اقوام متحدہ کے اس فیصلے کی صرف جنوبی افریقہ کی حکومت نے مخالفت کی۔ بوسنیا اور کوسوو میں مسلمانوں کی نسل کشی موجودہ تاریخ کا خطرناک ترین واقعہ ہے۔ 2

☆☆☆

---

1 شہریت/محمد سرور، اردو انسائیکلو پیڈیا۔

2 شہریت/محمد سرور، اردو انسائیکلو پیڈیا، تیسری دانشنامہ ترجمہ غلام رسول مہر، المفسدون فی الارض/ص ۔ ناجی۔

مستعمرات/نوآبادیات

غیر ملکیوں کی کسی بیرونی اور نسبتاً غیر آباد ملک میں آباد کاری جہاں وہ اپنے خورد و نوش اور رہائش کا معقول بندوبست کرلیں اور اپنے اصلی ملک سے تعلقات منقطع نہ کریں۔ تاریخ میں سب سے پہلے فونیشیا اور یونان کے باشندوں نے بحیرۂ روم کے اردگرد اپنی نوآبادیات قائم کیں۔ موجودہ اقوام نے سترھویں صدی میں نوآبادیات کا سلسلہ شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں انگلستان، فرانس، ہالینڈ بیلجیم، ہسپانیہ اور پرتگال کی نوآبادیات کا ایک جال دنیا کے مختلف مقامات پر بچھ گیا۔ [1]

☆☆☆

لامرکزیّت

مرکزی حکومت کو کمزور کرنے کی خاطر چھوٹی چھوٹی مقامی ضلعی و صوبائی حکومتوں کا اقتدار بڑھانا لامرکزیّت کا مقصد ہے۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد قومیّت کا تصور ابھرا، جس سے موجودہ ریاستوں میں مضبوط مرکز کا رجحان بڑھ گیا ہے، لیکن مقامی گروہ اس رجحان کے خلاف لڑتے رہے ہیں۔ انگلستان میں انیسویں صدی کے نصف ثانی میں عدم مداخلت کی پالیسی لامرکزیت کے حق میں تھی۔ اس کے برعکس جرمنی میں بسمارک کی وحدت جرمنی کی کامیاب کوششیں مضبوط مرکز کی طرف ایک ٹھوس اقدام کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دو عالمی جنگوں کے بحرانی اور سنگین نتائج سامنے آئے تو مرکزیت دنیا بھر میں ایک غالب سیاسی تنظیم کے طور پر اُبھری۔ امریکا میں ریاستیں اگرچہ مرکز کے اختیارات کو ناپسند کرتی رہی ہیں۔ لیکن موجودہ زمانوں کے تقاضوں کے تحت مضبوط دلیلیں دی جاتی ہیں کہ اس سے دفتر شاہی کے خطرات کم ہوجاتے ہیں، قومی مقننہ پر اخراجات کا دباؤ نہیں بڑھنے پاتا، حکومت کے امور و معاملات سے عام شہریوں کی دلچسپی بڑھ جاتی ہے اور ایک خاص علاقے کی ضروریات بہتر طور پر پوری ہوسکتی ہیں۔ [2]

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا، الغرب والشرق الأوسط/ات نبیل صبحی، الصراع الفکري في البلاد المستعمرة

2 شہریت/محمد سرور، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

متوسط طبقہ

درمیانے درجے کا گروہ، جماعت یا فریق۔ موجودہ سوسائٹی میں اقتصادی اور معاشی نقطۂ نگاہ سے تین طبقات ہیں، اوّلاً متمول لوگ یا امیر طبقہ ثانیاً متوسط طبقہ یا درمیانہ درجہ کے لوگ، ثالثاً نچلے یا غریب طبقے کے لوگ۔ یہ طبقے نہ آمدنی کی بنیاد پر مقرر کیے جاسکتے ہیں اور نہ ضروریاتِ زندگی کی فراہمی پر۔ ایک مقررہ آمدنی کے لوگ اگر ایک ملک میں امراء کی صف میں شامل کیے جاتے ہیں، اسی آمدنی کے لوگ دوسرے ملک میں متوسط طبقہ میں ہوسکتے ہیں اور تیسرے ملک میں غریب طبقہ میں۔ یہ طبقات کل قوم کی دولت کے تناسب سے متعین کیے جاتے ہیں۔ اگر قوم دولت مند ہے تو ہر طبقے کی آمدنی کی بالائی حدود اونچی ہوں گی۔ اگر قوم کم ترقی یافتہ اور مفلس ہے تو یہ حدود نیچی ہوں گی۔ جاگیرداری عہد میں متوسط طبقہ تعداد میں بہت کم ہوتا ہے۔ صنعتی دور میں متوسط طبقہ تعداد میں نسبتاً زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ متوسط طبقہ چونکہ امراء اور غرباء کے درمیان ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے زیادہ حساس ہوتا ہے اور یہی عام طور پر مسائل ملکی سے متعلق ایک متوازن سوچ رکھتا ہے۔ لیکن عام طور پر یہ ایک غیر مطمئن طبقہ ہوتا ہے اور اکثر حکومت کے خلاف تحریکوں کا بانی بھی یہی طبقہ ہوتا ہے۔ [1]

☆☆☆

استفتاء شعبی / استصواب رائے عامہ (ریفرنڈم)

کسی ملکی یا غیر ملکی ایجنسی کی نگرانی میں کسی علاقے کے عوام کی رائے معلوم کرنا کہ وہ اپنے مستقبل کے لیے کیا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ کشمیر کے بارے میں پاکستان کا مطالبہ ہے کہ وہاں استصواب رائے عامہ کرا کے

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا، تاریخ النظریۃ السیاسۃ/ عبدالکریم احمد۔

معلوم کیا جائے کہ وہاں کے لوگ پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔ اس صورت میں رائے دہندگی کے لیے ووٹر ہونا ضروری نہیں۔ ریفرنڈم استصواب رائے کی جدید صورت ہے۔ 1

☆☆☆
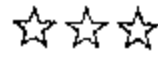
انقلاب/ثورہ

لغوی معنی تغیر، الٹ پلٹ۔ اصطلاحی معنی حکومت کی فوری تبدیلی جو طاقت کے زور سے عمل میں لائی گئی ہو۔ انقلاب کو انگریزی میں ریوولیوشن (Revolution) کہتے ہیں۔ کو دِتا اور ریوولیوشن میں یہ فرق ہے کہ ریوولیوشن عام لوگ برپا کرتے ہیں اور کو دِتا حکومت کے ارکان یا فوج کی طرف سے ہوتا ہے۔

کبھی کسی ریاست کا حکمران سیاسی تبدیلی لانے کی غرض سے خود بھی انقلاب کا سہارا لیتا ہے۔ مثال کے طور پر اٹلی کے بادشاہ وکٹر نے ۱۹۴۳ء میں مسولینی کو ہٹانے کے لیے ایسی ہی چال چلی تھی۔

پہلے زمانہ میں دارالسلطنت پر قبضہ یا حکومت کی عمارتوں کو اپنی تحویل میں لے لینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج کل کامیاب "کو" انقلاب کے لیے ریڈیو اسٹیشنوں اور صنعتی مرکزوں کو تصرف میں لے لینا ضروری ہے۔ 2

☆☆☆

عدوان/جارحیت

بین الاقوامی مواعید اور مواثیق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی حکومت کا مسلح طاقت کے استعمال پر اُتر آنا۔ ماضی میں اس کی تعریف مختلف شکلوں میں کی جاتی رہی ہے۔ مثلاً اعلانِ جنگ، حملہ، بمباری،

---

1 شہریت/محمد سرور، القاموس السياسي ومصطلحات المؤتمرات الدولية۔

2 ایضاً۔

ناکابندی اور فوج کی نقل وحرکت، باہمی جھگڑوں کے پرامن تصفیے سے انکار یا بین الاقوامی اداروں (مثلاً اقوام متحدہ) کے کہنے کے باوجود جنگ بند کرنے سے گریز۔ یہ تمام کوائف جارحیت کے مترادف ہیں۔ متعدد ذرائع سے جارحیت کا سدِ باب کرنے کی کوشش کی گئی ہیں۔ مثلاً میثاق انجمن اقوام، معاہدہ باہمی استمداد، جینوا کنونشن، معاہدۂ پیرس اور اقوام متحدہ کا منشور جس کی رُو سے جنگ کے خلاف قانون بنایا گیا۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد نورنبرگ میں جنگی جرائم کی سماعت کرنے والے ٹریبونل کا خیال تھا کہ جرمنی نے واضح طور پر ایک جارحانہ حکمتِ عملی وضع کر کے اس پر عمل درآمد کیا تھا اور اس نظریے کے تحت مختلف نازی رہنماؤں کو جن کے متعلق خیال تھا کہ انھوں نے متذکرہ حکمتِ عملی وضع کرنے اور اس پر عملدرآمد کرنے میں حصہ لیا تھا، قابل مواخذہ سمجھا گیا۔ زمانہ حاضر میں عراقی حکومت کی کویت پر جارحیت نے بہت شہرت پائی۔ 1

☆☆☆

سول نافرمانی/ترک موالات/راست اقدام

سیاسی اصطلاح میں راست اقدام کسی جماعتی جدوجہد میں اس منزل یا مرحلے کا نام ہے جب حصول مقصد کے لیے تمام آئینی ذرائع بیکار ثابت ہوں اور کسی جماعت کو ایسے وسائل اختیار کرنا پڑیں جن سے قانون شکنی کا پہلو نکلتا ہو۔ راست اقدام میں عموماً پرامن ذرائع سے اپنی ناراضی یا بے اطمینانی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً حکومت کی عائد کردہ بعض پابندیوں کو توڑتے ہوئے جیل جانا۔ حکومت کے عطا کردہ خطابات واپس کرنا اور بعض صورتوں میں سرکاری ملازمتوں، عدالتوں اور حکومت کے دیگر اداروں سے عدم تعاون کرنا۔ بعض حالتوں میں حکومت کی سختی سے راست اقدام میں عدم تشدد کی بجائے تشدد بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ حکومت اور جماعت دونوں کے لیے یہ بڑی خطرناک صورت ہوتی ہے۔ راست اقدام کی اصطلاح مسلم لیگ کی تحریک پاکستان کے سلسلے میں بھی ۱۹۴۶ء میں استعمال کی گئی۔ ۱۹۱۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس اور خلافت کی تحریک میں راست اقدام کو ستیہ گرہ اور ترکِ موالات کا نام دیا گیا تھا اس عمل کو سول نافرمانی بھی کہا جاتا ہے۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا، القاموس السیاسی۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا۔
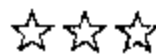
سبوتاژ

قانونی اور معاشرتی اصطلاح میں ملک کی پیداوار خصوصاً صنعتی پیدوار میں دیدہ ودانستہ رکاوٹیں ڈالنا۔ مثلاً مشینری کو خراب کر دینا، آگ وغیرہ لگا دینا، ذرائع آمدورفت میں رکاوٹیں ڈالنا، ریلوے وغیرہ کے پل اڑا دینا، لائن اکھاڑ دینا وغیرہ۔ عام طور پر اس قسم کی کارروائیاں دشمن کے ایجنٹ اور تخریب پسند عناصر کیا کرتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ فرانسیسی لفظ SABOTERS سے بنا ہے جس کے معنی ہیں۔ مشین میں لکڑی کا جوتا ڈال دینا۔ [1]

☆☆☆
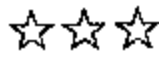
اخوان المسلمین

یہ جماعت ۱۹۲۹ء میں مصر میں قائم ہوئی۔ اس کے بانی شیخ حسن البنا تھے جو اسماعیلیہ کے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اس تحریک کا آغاز ۱۹۲۳ء میں کیا تھا مگر ۱۹۲۹ء میں اسے باقاعدہ شکل دی گئی۔ اس کا منشاء اسلام کے بنیادی عقائد کا احیا اور ان کا سخت ترین نفاذ تھا۔ مگر بعد میں یہ جماعت سیاسی شکل اختیار کر گئی۔ مصر میں یہ تحریک کافی مقبول ہوئی اور اس کی شاخیں دوسرے عرب ممالک میں بھی قائم ہو گئیں۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمے پر اس کے اراکین کی تعداد بیس لاکھ کے لگ بھگ تھی اور مصر کے علاوہ دوسرے عرب ملکوں کی حکومتوں پر بھی اس کا بڑا اثر تھا۔

اخوان المسلمین ۱۹۵۲ء میں مصر کے فوجی انقلاب کی حامی تھی مگر اس کی طرف سے جنرل نجیب اور جنرل ناصر کی خارجہ پالیسی کی بھی مخالفت ہوتی رہی۔ ۱۹۵۴ء میں اس کے اراکین نے جنرل ناصر کو قتل

1. اردو انسائیکلو پیڈیا، القاموس السیاسی ومصطلحات المؤتمرات الدولیۃ/س۔م۔لحام۔

کرنے کی ناکام کوشش کی جس کے بعد یہ جماعت خلاف قانون قرار دے دی گئی اور اس کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ اس کے بعد اس جماعت کے رہنما شیخ حسن الھضیبی نے اپنا صدر مقام قاہرہ سے دمشق تبدیل کر لیا، مگر مصر اور شام کے الحاق کے بعد اس جماعت کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں۔ 1

☆☆☆
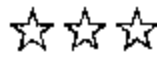
سوفسطائی (SOPHIST)

سوفسطائی اصل میں یونان کے اُن قدیم اساتذہ کو اعزازی طور پر کہا جاتا تھا جو دولت مند لوگوں کے بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے، بعد میں یونان کے ان حکما کو کہا جانے لگا جن کے عقائد کی بنیاد وہم پر تھی۔ یہ لوگ حقائق اشیا کے منکر تھے۔ اب اس شخص کو سوفسطائی کہا جاتا ہے جو ہر بات میں خواہ مخواہ الجھاؤ ڈالے۔ 2

☆☆☆

سنوسی تحریک

یہ القاعدہ ٹائپ کی تحریک ہے، سنوسی تحریک کے بانی سید محمد بن علی تھے جو اٹھارویں صدی کے آخر میں الجزائر کے ایک قصبے ''سنوس'' میں پیدا ہوئے۔ جب الجزائر پر فرانس کی گرفت مضبوط ہوگئی تو وہاں سے نکل آئے اور دنیائے اسلام کی سیاحت کے بعد طرابلس کو اپنے قیام کے لیے منتخب کیا اور یہیں اپنی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس کا آغاز ۱۸۳۰ء کے لگ بھگ ہوا۔ سنوسی تحریک کے عقائد بڑے سیدھے سادھے اور اصلاحی تھے، قرآن وسنت کی روشنی میں ظاہر وباطن میں یکسانیت پیدا کرنا اور ہر انسان کو بلاامتیاز مذہب وعقیدہ اپنا

---

1 الجماعات الاسلامية/ سليم الهلالي/ 99-108، المنجد في اللغة والأعلام/ 30 مطبوعه دار المشرق بيروت، الأعلام/ لزركلي، روح وريحان، مصادر الدراسة 2/209-212۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

بھائی سمجھنا، اس تحریک کے بنیادی اصول تھے۔ سنوسی شیخ کے کام کا طریقہ تربیت گاہ پر مبنی تھا جو صوفیوں کی خانقاہ، پروفیسروں کی یونیورسٹی اور انقلاب پسندوں کی جمعیت کے بین بین ایک ادارہ تھا۔ یہ تربیت گاہ شہر سے ذرا باہر ہوتی تھی اور اس میں عبادت، مذہبی تعلیم اور فن حرب سکھائے جاتے تھے۔ سنوسی تحریک کی یہ تربیت گاہیں قوم میں اتنی مقبول ہوئیں کہ ہر قریہ میں ایسی تربیت گاہیں بن گئیں۔ سنوسی تحریک کے پیرو اسلامی ممالک میں یورپ کے اقتدار کے سخت مخالف تھے۔ ۱۸۶۰ء میں سنوسی تحریک کا کام جاری رہا۔ ۱۹۰۲ء میں دوسرے جانشین نے وفات پائی تو تیسرا منتخب کیا گیا۔ انیسویں صدی کے نصف آخر سے لے کر تا حال مراکش سے لے کر مصر اور سوڈان تک جتنی تحریکیں اٹھیں وہ یا تو براہِ راست سنوسی تحریک کی رہنمائی میں اٹھیں یا اُن پر سنوسی تحریک کے گہرے اثرات پڑے۔ جنگِ طرابلس ۱۲۔۱۹۱۱ء میں سنوسیوں نے ترکوں سے مل کر اطالوی افواج کا سخت مقابلہ کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں سنوسیوں نے پورے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۲۳ء میں نوزان کانفرنس نے طرابلس پر اطالیہ کا حق تسلیم کر لیا تو مسولینی نے ایک لشکرِ جرار تیار کر کے سنوسی تحریک کو کچل ڈالنے کی مہم شروع کر دی، مگر سنوسی عربوں نے چار برس تک اطالوی افواج کا سخت مقابلہ کیا۔ اطالیہ نے یورپ میں سنوسیوں کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کیا اور یہ ظاہر کیا کہ سنوسی تحریک دراصل دنیائے عیسائیت کو ختم کر دینا چاہتی ہے اور یہ لوگ جاہل، غیر مہذب، جنونی، وحشی اور سفاک ہیں۔ برطانیہ اور فرانس نے اطالیہ کی مدد کی اور اپنے حلیفوں کے سامان جنگ اور اسلحہ کی مدد سے بالآخر ۱۹۲۷ء میں اطالیہ سنوسی تحریک کو عارضی طور پر کچلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ۱۳ رجنوری ۱۹۳۱ء کو سنوسی تحریک کے مرکز کفرہ میں اطالوی فوج اتری اور شہر پر قبضہ کر کے ظلم و بربریت کا طوفان برپا کر دیا۔ تین دن تک قتل عام جاری رہا۔ دوسری جنگ عظیم میں سنوسیوں نے صحرائی لڑائیوں میں اتحادیوں کا ساتھ دیا اور جنگ کے خاتمے پر طرابلس میں سنوسی شیخ کے ماتحت ایک خود مختار حکومت قائم کر دی گئی۔ [1]

☆☆☆

---

[1] اتمام الأعلام/392، الموسوعة العربية العالمية 13/161، اردو انسائیکلوپیڈیا، دائرۃ المعارف الاسلامیہ۔
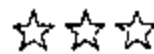
فری میسن

یہ یہودیوں کی ایک پراسرار بین الاقوامی انجمن ہے۔ بیس برس سے زیادہ عمر کے لوگ اس کے ممبر بن سکتے ہیں۔ اخلاق ومعتقدات کا اتحاد اور چند راز دارانہ روایات کا پاس اس انجمن کے ممبروں کی خصوصیت ہے۔ باہم سلام کرتے ہیں اور چند مخصوص کلمات دہراتے ہیں۔ بظاہر فری میسن کا مقصد اپنے ممبروں کے درمیان سوشل رابطہ پیدا کرنا ہے۔ مختلف ممالک میں فری میسن کی عمارات کی موجودگی اس انجمن کے ممبروں کو ہر ملک میں دوستانہ ماحول اور امداد فراہم کرتی ہے۔ فرانس اور دیگر یورپی ممالک میں فری میسن سیاسیات میں حصہ لینے لگے۔ رومن کیتھولک نے خفیہ سوسائٹی کی حیثیت سے اس کی مخالفت کی اور اکثر حکومتوں نے اس کو دبایا۔ انجمن کا سربراہ ہمیشہ کسی شاہی خاندان کا رکن ہوتا ہے۔

برطانیہ اور امریکا کی انجمنیں اپنے بیمار اور معمر اراکین کے لیے ہسپتال اور خیراتی ادارے بناتی اور ان کے یتیموں کی تعلیم وتربیت کے لیے مدرسے کھولتی ہیں۔ امریکا میں فری میسن کے ممبروں کی تعداد ۳۵ لاکھ ہے۔ پاکستان میں اس انجمن کے ادارے جنہیں اصطلاح میں ''لاج'' (LAUGE) کہتے ہیں۔ کراچی، لاہور، پشاور، راولپنڈی، حیدرآباد میں تھے۔ اب انہیں قانوناً بند کر دیا گیا ہے۔ ان کلبوں کا آغاز برطانیہ میں ۱۷۱۷ء میں ہوا جس کے بعد یہ دنیا کے اکثر ممالک میں قائم ہو گئے۔

فری میسنز کو بعض اوقات ایک خفیہ صہیونی تحریک بھی سمجھا جاتا ہے، صہیونی تحریک سمجھے جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ رومن کیتھولک کلیسا نے اس کی مذمت کی اور اس پر طرح طرح کے الزامات لگا کر لوگوں کو اس میں شامل ہونے سے روکنے کی سرتوڑ کوشش کی۔ ان کلبوں کے لیے لفظ فری میسن یا ''میسانک لاجز'' استعمال کرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہیں کہ شروع شروع میں جن ایوانوں میں یہ کلبیں قائم کی گئی تھیں۔ وہ دراصل پیشہ ور معماروں نے ازمنۂ وسطیٰ میں تعمیر کی تھیں۔ لہٰذا ان معماروں کے نام اور ان کی بعض رسومات کو برقرار رہنے دیا گیا۔ [1]

☆☆☆

1. دیکھئے: النشاط الصهيوني الماسوني في الوطن العربي / موسى بيهاني، اردو انسائیکلوپیڈیا، بروتوكولات حكماء صهيون / ت محمد خليفه التونسي، یہودی پروٹوکولز، یہودیت اور فری میسنری / ہارون یحییٰ، فری میسنری اور سرمایہ داری / ہارون یحییٰ۔

لاادریّت

یہ ایک فلسفیانہ نظریہ ہے۔نظریۂ تعلیل کی ضد۔علم العلم کے حوالے سے لاادریت سے مراد یہ نظریہ ہے کہ انسان خارجی اور داخلی دنیا کے چند پہلوؤں سے ہمیشہ بے خبر رہتا ہے۔علم دینیات میں اس اصطلاح سے مراد یہ نظریہ ہے کہ انسان کسی صورت میں بھی خدا کا ادراک نہیں کرسکتا۔لہٰذا وہ خدا کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ برطانوی مفکر ہیوم اس نقطۂ نظر کا سب سے بڑا علمبردار تھا۔جدید فلسفیوں میں رسل بھی بڑی حد تک اسی نظریے کا حامی تھا۔ 1

☆☆☆

لاقدریّت

یہ نظریہ کہ کوئی بھی شے (مخصوص یا عام) موجود نہیں، یا ناقابلِ ادراک ہے، یا پھر ناقابلِ قدر ہے، گورجیا کا نظریہ تھا کہ (۱) کوئی شے موجود نہیں۔(۲) اگر موجود ہے تو اسے جانا نہیں جاسکتا۔(۳) اور اگر جان بھی لیا تو دوسروں تک اس علم کا ابلاغ نہیں ہوسکتا۔شوپنہار کی قنوطیت اور اختیار کی نفی دراصل دنیا کی نام نہاد قدروں کے سلسلے میں لاقدریّت کا انداز ظاہر کرتی ہے۔ایک معاشرتی نظریے کے طور پر لاقدریّت وہ عقیدہ ہے کہ ترقی ایسی صورت میں ممکن ہے کہ تمام معاشرتی اور سیاسی رشتوں اور تنظیموں کو توڑ دیا جائے۔ 2

☆☆☆

---

1 اسلامی انسائیکلو پیڈیا،شرح العقائد النسفی، بیان الفوائد/ مجیب اللہ گونڈوی/46-48۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا۔

نوفلاطونیت

ایک فلسفیانہ مکتب فکر جو اخلاقیات طبیعیات اور ریاضیات سے صرف نظر کر کے مابعد الطبیعیات پر زور دیتا ہے۔اس کے نزدیک اسی طریقے سے خدا تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ نوفلاطونی کا فرض ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر گیان دھیان میں غرق رہے۔نوفلاطونیت کو افلاطون کے فلسفے کا احیاء نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس میں افلاطون کے فلسفے کے صرف اُس پہلو پر زور دیا گیا ہے جو اِشراق، تصوف اور معجزات سے متعلق ہے۔

اس فلسفے کی داغ بیل تیسری صدی عیسوی کے اوائل میں جب شہر اسکندریہ (جو اس زمانے میں مصر کا دارالحکومت تھا) جس میں یونان، روم، شام اور ہندو ایران کے علماء وفضلاء فلسفیانہ موضوعات پر تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔یہیں ایک رومن نژاد فلسفی فلاطینوس نے، جو مانی کا ہم عصر تھا، فیثاغورث کے فلسفے پر عیسائیت، ہندومت، بدھ مت اور جین مت کا رنگ چڑھا کر نوفلاطونیت کی بنیاد رکھی۔ بعد میں فلاطینوس کے ایک شاگرد فرفریوس نے اس میں ارسطو کے افکار داخل کیے۔اس کا آخری مبلغ پروقلس بازنطینی تھا۔

اخوان الصفا:

یہ دسویں صدی عیسویں میں مسلمان فلاسفہ کی ایک جماعت ہے۔جن کے افکار ونظریات کی بنیاد نوفلاطونی تعلیمات ہیں۔ان کا عقیدہ تھا کہ کائنات کا مبدا ذات باری تعالیٰ ہے، بعینہٖ جیسے تجلی (روشنی) کا مبدا سورج ہے۔ذات باری تعالیٰ کے بعد عقل، پھر روح اور روح کے بعد مادّہ وجود میں آیا، جس سے کائنات، معدنیات، حیوانات اور انسان نے جنم لیا اور اس طرح یہ عالم کون ومکان ارتقائی عمل سے گزرا۔ [1]

☆☆☆

1. المنجد فی الأعلام، اردو انسائیکلو پیڈیا، دائرۃ المعارف الاسلامیۃ، Encyclopedia britanica۔

آریہ بھٹ

قدیم ہندوستان کا ایک ماہر علوم ہیئت و نجوم وریاضی۔ پاٹلی پُتر (پٹنہ) میں ۴۷۶ء میں پیدا ہوا۔ زمین کی محوری گردش کا قائل تھا اور اس نے وہی تصور پیش کیا جو ۱۶۳۲ء میں گلیلیو نے کیا۔ اُس نے سورج اور چاند گرہن کے اسباب کی سائنسی توضیح کی۔ علمِ نجوم میں مشہور تصنیف "آریا سدھانت" اس کی یادگار ہے۔ [1]

☆☆☆
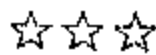
لیوسیفوس

عیونائی فلاسفہ ایمپو ڈوکلس اور انکساغورث کا ہم عصر تھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ خاصیتی تفرقات دراصل مقداری تفرقات ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز ایک ہی طرح کے جوہروں سے مرکب ہوتی ہے۔ یہ جوہر مسلسل حرکت میں رہتے ہیں۔ جب چند جوہر آپس میں مل کر ایک انداز میں گردش کرنے لگتے ہیں تو ایک چیز وجود میں آتی ہے۔ لاوجود وہ خلا ہے جو ایک جوہر اور دوسرے جوہر کے درمیان ہوتا ہے۔ [2]

☆☆☆
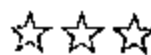
1. اردو انسائیکلوپیڈیا، تاریخ ہند/ میڈوز ٹیلر۔
2. المنجد فی الأعلام، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

مانویت/مانی

یہ مشہور ایرانی فلسفی اور مذہبی پیشوا ہے۔ ہمدان کا رہنے والا تھا، مگر بابل میں سکونت اختیار کی۔
باپ کا نام پاتکا اور ماں کا نام آتاخیم تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں ہی بشارت ہونے لگی مگر اپنے مذہبی عقائد کا اعلان (۲۰ مارچ ۲۴۲ء کو) شاپور کی تاج پوشی کے موقع پر کیا۔ بادشاہ نے پہلے اس کا دین قبول کر لیا، لیکن زرتشی موبدوں نے سخت مخالفت کی اور مانی کو جلاوطن کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ہندوستان، تبت اور چین کا بھی سفر کیا تھا۔ ۲۷۲ء میں شاپور کی موت پر فارس واپس آیا اور بادشاہ ہرمز نے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے تبلیغِ مذہب کی اجازت دے دی۔ ایک سال بعد جب بہرام اوّل تخت پر بیٹھا تو اس نے مانی کو قتل کروا دیا۔ سات کتابوں کا مصنف تھا ان میں شاپورگاں مشہور ہے۔ مانی کے عقیدے کے مطابق یہ کائنات نور وظلمت کا مرکب ہے اور اس مرکب کی تخلیق کی ذمے داری ظلمت پر ہے۔ البتہ ایک دن نور ظلمت سے الگ ہو جائے گا البتہ مانی کی تعلیم پر عمل کرنے والے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ انسان دولت، عورت اور دنیاوی علائق اور خواہشات سے احتراز کرے، روزہ رکھے اور اپنی دولت خیرات کر دے۔ مانی کے پیرو ہارون رشید کے زمانے تک بڑی تعداد میں موجود تھے۔ کہتے ہیں کہ اس نے اپنا ایک رسم الخط بھی ایجاد کیا تھا اسی بناء پر مانی کو مصور بھی کہا جاتا ہے اور ارژنگِ مانی اسی سے منسوب ہے۔ تورفان خوچو کی کھدائی بتاتی ہے کہ مانی کے پیرو فنِ مصوری سے خاصا شغف رکھتے تھے۔ پہلے وہ اپنی مذہبی کتابوں کے لیے فن نقاشی کو استعمال کرتے تھے۔ پھر ان کی نقاشی سے دلچسپی ہوگئی اور مصوری کا مانوی دبستان ترکستان میں پھیلا۔ جب چنگیز خان نے ایران کو فتح کیا تو مانوی نقاشی کے نمونے اور اس فن کی روایت دوبارہ ایران پہنچی۔ اس نقاشی میں سنہرے کام کو زیادہ اہمیت حاصل تھی مغلوں کی تصویروں میں جو سنہرا کام دکھائی دیتا ہے وہ اسی کا اثر ہے۔ [1]

☆☆☆

1. اردو انسائیکلوپیڈیا، المنجد فی الأعلام۔
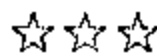
مجازیّت

یہ فلسفیانہ نظریہ کہ یہ خارجی دنیا جو زمانی و مکانی نظر آتی ہے دراصل ایک سراب ہے (مایا کا کھیل ہے) نہ صرف دنیا کی ہر چیز فریب ہے بلکہ خود ہستی سراب ہے۔ مشہور جرمن فلسفی شوپنہار مجازیّت کا قائل تھا۔ 1

☆☆☆

مزدکیت/مزدک

ایرانی فلسفی جس کا کہنا تھا کہ اہورمزدا نے تمام انسانوں کو مساوی پیدا کیا ہے اور عدم مساوات، لالچ اور حرص وغیرہ اہرمن کی تخلیق کردہ ہے۔ وہ زرتشتی موبدوں اور کاہنوں کے بھی سخت خلاف تھا۔ املاک کی مساوی تقسیم کے حق میں اور اس کے دین میں فقط تندرست اور خوش جمال عورتوں اور مردوں کی شادی کرنے اور بچے پیدا کرنے کی اجازت تھی۔ مزدک جانور کو مارنے کے خلاف بھی تھا۔ بادشاہ قباد نے اس کا مذہب اختیار کرلیا۔ لہٰذا موبدوں اور امرائے دربار نے سازش کر کے اسے تخت سے اتار دیا۔ اس کے بیٹے خسرو نوشیرواں نے مزدک اور اس کے کئی لاکھ پیروؤں کو بڑی بے دردی سے قتل کردیا۔ 2

☆☆☆

---

1. اردو انسائیکلو پیڈیا۔
2. اردو انسائیکلو پیڈیا۔

مسرّت پسند

یونانی حکیم اپی کیورس (۳۰۰ق۔م) کے پیرو جو رواقیوں کی ضد تھے۔ مسرت پسندوں کا یہ خیال تھا کہ انسان کی زندگی کا مقصد ہی مسرّت ہے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ فلسفے کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ انسان کی راہبری مسرت کی طرف کرے اور یہ بتائے کہ کون سی راہ مسرت کی طرف جاتی ہے اور کون سی نہیں۔ وہ اس خیال کے بھی قائل تھے کہ تجربہ بذاتِ خود ہر فرد کے لیے ایک معلم ہے اور یہ کہ بتدریج ہر شخص کو اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ کس طرح اسے روحانی مسرت نصیب ہو سکتی ہے اور کس طرح نہیں۔ یہ لوگ آخرت یا وہاں کے عذاب وثواب کو بھی نہیں مانتے۔ ان کی نظر میں عقل وضمیر دونوں ہی بے معنی چیزیں ہیں کیونکہ عقل انسانی فکر کو پابہ زنجیر کرتی ہے۔ انسانی اعمال کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے جس سے اس کی مادّی مسرتوں کی زندگی تلخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

☆☆☆
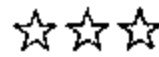
نظر بندی/مسمریزم

ذی روح مخلوق پر مقناطیسی اثر۔ یہ نام فرائز مسمر کی طرف سے سب سے پہلے اس عمل کو دیا گیا جو اَب ہپناٹزم کے نام سے موسوم ہے۔ مسمریزم مصنوعی خواب لانے کے لیے ایک عمل ہے جس سے بعض امراض کا علاج مقصود ہوتا ہے۔ ایک اسرائیلی جس کا نام ''یوری گیلری'' ہے اپنی نظر سے اسٹیل کے چمچ توڑتا ہے یا موڑتا ہے، اپنی اس دماغی اور نظری قوت کا مظاہرہ اس نے اسرائیلی ٹی وی پر دو مرتبہ کیا ہے۔ دراصل یہ بھی ہپناٹزم ہی کی ایک قسم ہے، اسے نظر بندی بھی کہتے ہیں، ویسے یہ ایک مستقل وطویل الذیل علم ہے۔

☆☆☆

مظہریّت

وہ نقطۂ نظر کہ مظاہر ہی کلی صداقت ہیں۔اس میں جہاں موجوداتی مظاہر آتے ہیں (یعنی وہ جو ادراک کا مفعول ہوتے ہیں) وہاں ذہنی مظاہر بھی شامل ہیں (یعنی وہ دروں بینی کا مفعول ہوتے ہیں) ''مظہریت'' کے نزدیک مظاہر کے علاوہ صداقت کا کوئی وجود نہیں (رینوار، شاڈورتھ، ہوگسن) ''مظہریت'' اشیاء درخور کی حقیقت کو تسلیم کرتی ہے مگر اس بات پر زور دیتی ہے کہ ہم کسی صورت میں اس حقیقت کا ادراک یا علم نہیں حاصل کر سکتے ہیں۔

☆☆☆
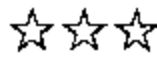
موقعیّت

علم العلم کا وہ نظریہ کہ ذہن اور مادّہ کے درمیان کوئی تقابلی تعلق نہیں ہوتا، مگر جب ایک دائرے میں (ذہنی یا مادّی) چند واقعات ہوتے ہیں تو دوسرے دائرے میں بھی وصفی قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک طرف مادّی دنیا میں شور ہوتا ہے تو اس موقع پر ذہن کی دنیا میں شور کا خیال واقع ہوتا ہے اور جب ذہن میں ایک خواہش واقع ہوتی ہے تو اسی کے باوصف خارجی دنیا میں ایک واقعہ پیش آتا ہے۔

☆☆☆

امام مہدی (**)

(۱) وہ شخص جس کو خدا کی طرف سے ہدایت دی گئی ہو یا جو لوگوں کو ہدایت کرے۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے قریب امام مہدی تشریف لائیں گے اور دجال کو قتل کر کے مسلمانوں کو دوبارہ اسلامی شریعت سے روشناس کرائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی زمانے میں آئیں گے اور امام مہدی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ اس عقیدے کی آڑ لے کر مختلف زمانوں میں مختلف لوگ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ 1

(۲) اہلِ تشیع کے بارہویں امام، محمد مہدی، جنہیں امام غائب بھی کہا جاتا ہے۔ آپ بچپن میں (۸۷۳ء) سامرّہ کے قریب ایک غار میں غائب ہو گئے تھے۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ آپ زندہ ہیں اور جب دنیا میں فسق وفجور اور ظلم وناانصافی کی زیادتی ہو جائے گی تو آپ ظاہر ہوں گے اور عدل وانصاف اور امن وآشتی کا بول بالا کریں گے۔ 2

☆☆☆
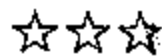
نطشے / نٹشے / فوق البشریت

یہ جرمنی فلسفی ہے۔ لائپزیگ میں تعلیم پائی۔ ۲۵ برس کی عمر میں باسل یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوا۔ دس سال بعد صحت کی خرابی کے باعث اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔ ۱۸۹۰ء میں جنون کے

(**) موسوعة مصطلحات جامع العلوم/913۔

1 حضرت مفتی نظام الدین شامزئی کی "ظہور مہدی"۔ نیز "لا مهدي ينتظر"۔

2 حيلة الامام علی بن موسی الرضا/قرشي، المهدي والمهدوية / ڈاکٹر احمد امین بک، منشورات المهدي، سعادة المهدي بسيرة الامام المهدی / اسماعيل عبدالقادر۔

آثار پیدا ہونے لگے اور بالآخر خرابیٔ دماغ کے باعث فوت ہوا۔ تمام عمر شادی نہیں کی۔ عیسائیت کا سخت مخالف تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی بجائے وہ عیسائیت کے پیروکار عیسائیوں سے بیزار تھا۔ وہ بے اصول زندگی اور بے راہروی کا سخت مخالف تھا۔ فلسفۂ فوق البشر کی حمایت میں متعدد کتابیں لکھیں...... سب سے پہلے مشہور تصنیف "بقول زرتشت" ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہر انسان اپنی داخلی صلاحیتوں کو ترقی دے کر "فوق البشر" بن سکتا ہے اور تاریخ کے تمام کارنامے افراد کے کارنامے ہیں، جماعت کے نہیں ہیں۔ ہٹلر نے اسی فلسفے پر اپنی سیاسی پارٹی کی بنیاد رکھی تھی۔ 1

☆☆☆

نراج

یہ سیاسی نظریہ ہے جو اس بات کی حمایت کرتا ہے کہ معاشرے میں کسی قسم کا سیاسی نظم وضبط نہیں ہونا چاہیے۔ اس نظریے کے مطابق ریاست فرد کی سب سے بڑی دشمن ہوتی ہے۔ اگر ریاست کو ترک کر دیا جائے تو انسانی زندگی کی تمام تر برائیاں دور ہو جائیں گی۔ مثبت انداز میں نراج کے معنی ہے سیدھی سادھی گھریلو زندگی جس سے انسان کو مسرّت حاصل ہو۔ ایک لحاظ سے یہ نظریہ مغربی ثقافت کی قدیم روایت سے ماخوذ ہے اور اس امر پر یقین رکھتا ہے کہ انسان فطری طور پر نیک ہوتا ہے۔ نراج کا جدید نظریہ روسو کی "انفرادیت پسندی" سے ملتا جلتا ہے، روسو کا قول ہے کہ انسان آزاد پیدا ہوا تھا جسے معاشرے کے بندھنوں میں جکڑ دیا گیا۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

ہرقلیط

یونانی فلسفی۔ افیسس کے ایک رئیس گھرانے میں پیدا ہوا۔ مختلف ممالک اور خاص طور پر افریقہ کی سیاحت کی۔ سیاحت سے واپس آنے کے بعد اسے منصفِ اعلیٰ (چیف جسٹس) کے عہدے کی پیشکش کی گئی، لیکن اس نے قبول نہ کی۔ اس کا خیال تھا:

''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'' کے سوا کائنات میں کوئی مستقل اور ابدی حقیقت نہیں ہے۔ ثبات ہمارے حواس کا دھوکا ہے جو کچھ ہے وہ تغیر ہے اور نیستی کے ساتھ ہستی۔ پس اصل حقیقت تبدیلی تغیر اور لمحۂ گزراں ہے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ کائنات کا اصل مادّہ آگ ہے اور باقی تمام عناصر آگ کی تبدیل شدہ حالتیں ہیں۔ زندگی بھی آگ ہے اور عقل بھی۔ کوئی شخص بھی اپنی ذاتی رُوح کا مالک نہیں ہے بلکہ کائناتی روحانی آگ کا محض حصہ دار ہے۔ 1

☆☆☆
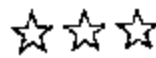
ایپکوری

مشہور یونانی مفکر ایپکورس کے ہم نظر فلاسفہ جن کا نقطۂ نظر تھا کہ اعلیٰ اور ارفع قسم کی مسرت کا حصول ہی انسانی زندگی کا نصب العین ہونا چاہیے۔ یہ ارفع مسرت جسمانی خواہشات کی تسکین سے زیادہ ذہن اور مزاج کی تہذیب سے حاصل ہوتی ہے۔ ایپکوری فلاسفہ نے مابعد الطبیعیات اور مذہب کی مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ افراد کو مذہب کے اصولوں کے مطابق فرائض انجام دینے کے بجائے ایثار کے جذبے سے کام لینا چاہیے۔ وہ شخص جس کا کردار بلند اور ذوق اعلیٰ ہو، دنیا میں زیادہ سے زیادہ ذہنی مسرت حاصل کرتا ہے۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا، المنجد فی الأعلام، دائرہ معارف اسلامیہ۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ۔

منطق/ارسطویت

یہ ارسطو کی منطق کا نام ہے۔ ارسطو کا خیال تھا کہ علم منطق (جسے اس نے ''علم تجزیہ'' تھنک ٹینکس کا نام دیا تھا) تمام سائنسی علوم سے پہلے آتی ہے کیونکہ اس علم کا مقصد ان تمام فکری کارروائیوں کے لیے اصول اور ضابطے متعین کرنا ہے جو صداقت کو نصب العین بناتی ہے۔ ارسطو کی منطق کا مرکزی قضیہ (SYLLOGISM) قیاس ہے یعنی وہ طریق استدلال جس میں دو باتوں کو فرض کر لینے سے تیسری بات لازمی طور پر نکل آتی ہے۔ قضیے کی مدد سے نتیجہ اخذ کرنے کی بنیاد کوئی شرط ہوتی ہے جو پہلی دو باتوں (صغریٰ کبریٰ) میں مشترک ہوتی ہے اور اسی مشترکہ شرط کے تعلق کی روشنی میں ایک تیسری بات یا نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔ ارسطو پہلا مفکر تھا جس نے قضیے کا نظریہ پیش کیا اور اس کی مختلف ہیئتوں کے بارے میں جو تجزیے کیے وہ قطعی ہیں۔ خاص طور سے اس کی استخراجی منطق اپنی جگہ قائم ہے اور آج تک اس میں بہت کم اضافہ ہوا ہے۔ استخراجی استدلال کے ساتھ ساتھ ارسطو نے استقرائی استدلال کی اہمیت کو بھی مانا ہے یعنی اس طریق استدلال کو جس کی مدد سے تجربے میں آنے والی مخصوص چیزوں کے ذریعے عمومی اور ہمہ گیر اصول مرتب کیے جاتے ہیں۔

استعاری منطق:

وصفی منطق کی جدید شکل جس کی اصطلاحیں اور علائم ریاضی کی علامتوں پر مشتمل ہیں۔ علم منطق کو مبہم اور غیر متعین الفاظ سے الگ کرنے کے لیے استعاری منطق وضع کی گئی ہے۔ لائبنے اور لیمبرٹ اس کے بانی تھے اور انیسویں صدی کے منطقیوں بول، ڈی مارگن اور فریج نے بھی اس کے تعین کی تائید کی اور بیسویں صدی میں وہائٹ ہیڈ، گوڈل اور رسل استعاری منطق کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں۔ استعاری منطق کی مدد سے انتہائی مرکب روابط کے سلسلے میں قطعی کلیے قائم کیے جاسکتے ہیں۔

استقرائی طریقہ:

علم ہندسہ کا طریقہ جس سے ہم گن کر یا کاٹ کر یا کسی دیگر تجرباتی طریق سے کوئی نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ اس میں دو خامیاں ہیں: اول یہ کہ عملی کام کرتے وقت ہم سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہو سکتی ہے۔ مثلاً تین چار تکونیں کھینچے اور ان میں سے ہر ایک کے زاویوں کی پیائش کر کے جمع کیجیے تو مجموعہ "۱۸۱" اور کبھی "۱۷۹" آئے گا۔ حالانکہ "۱۸۰" ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں استقرائی دلائل سے ثابت کرتے وقت ہندسی مسئلے کی کوئی نہ کوئی حالت ضرور چھوڑنا پڑتی ہے۔ مثلاً اگر ایسی مثلث بنائیں جس کے دو ضلعے ۲ انچ اور ۳ انچ اور درمیانی زاویہ "۹۰" کا ہو تو ہم مربعے گن کر مسئلہ فیثا غورث کو ثابت نہیں کر سکتے۔ بہر حال یہ بحث مشکل ہے۔ 1

☆☆☆
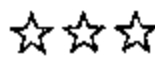
علم الاقدار

فلسفے کی وہ شاخ جو انسانی کردار اور عمل کی قدروں کی نوعیت، معنی، صورت اور معیاروں کا تعین کرتی ہے۔ کلاسیکی علم اقدار بنیادی طور پر قدروں کی مابعد الطبیعیاتی بنیادوں کی تلاش اور تعین میں کوشاں رہتا تھا۔ اس سلسلے میں جن فلاسفہ کے نام آتے ہیں ان میں افلاطون، ارسطو، استوکرئی فلاسفہ، اپیکوری فلاسفہ، تثلیثی علماء اور سپینوزا قابل ذکر ہیں۔ جدید دور میں مختلف قدروں کی چھان بین اور تلاش کا مسئلہ مختلف سائنس یا علوم سے متعلق ہو گیا ہے۔ مثلاً عمرانیات، نفسیات، معاشیات، اخلاقیات اور جمالیات اپنے اپنے طور پر اور لحاظ سے قدروں کا تعین کرتے ہیں۔ 2

☆☆☆

---

1. اردو انسائیکلوپیڈیا۔
2. اردو انسائیکلوپیڈیا۔

امپی دوکلیز

یونانی فلسفی جس نے ''ثباتِ ہستی'' کے قدیم عقیدے کو ہراکلیتس کے تجربہ تغیراور حرکت سے ملانے کی کوشش کی۔اس کے نقطۂ نظر کے مطابق کائنات کے چار بنیادی عناصر ہیں: مٹی، پانی، ہوااور آگ۔انہیں عناصر کے ملنے سے تمام چیزیں بنی ہیں۔محبت اور نفرت دوحرکی اصول ہیں،جن کی بنیادوں پران تمام اجزاء کاباہمی ملاپ ہوا ہے۔یہی دوحرکی اصول خیراور شرکو جنم دیتے ہیں۔ [1]

☆☆☆

ایٹمی نظریات/ الأفکار النوویة

یونانی فلسفی ڈیموکریٹس نے چوتھی صدی قبل مسیح میں یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا چھوٹے چھوٹے ایسے ذرات سے مل کر بنی ہے جن کو مزید اجزاء میں نہیں بانٹا جاسکتا (جزء لایتجزأ) لیکن روزمرہ کے مشاہدات سے اس نظریے کی کوئی تصدیق نہ ہوئی۔کسی نے بھی اس بات پر دھیان نہ دیا۔۱۸۰۸ء میں جان ڈالٹین نے اپنا ایٹمی نظریہ پیش کیا اور یہ ثابت کیا کہ دنیا واقعی چھوٹے چھوٹے ناقابل تقسیم ذرّات سے مل کر بنی ہے۔یہ ذرّات مختلف عناصر سے مل کر بنے ہیں اور ایک عنصر کا ایٹم دوسرے عنصر کے ایٹم سے قطعی طور پر مختلف ہوتا ہے۔چھٹی صدی عیسوی میں قرآن کریم نے اس نظریے کے خلاف یہ اعلان کردیا:

﴿وما یعزب عن ربك من مثقال ذرة فی الأرض ولا فی السماء ولا أصغر من ذلك ولا أکبر إلا فی کتاب مبین﴾ [2] اس میں "ولا أصغر" والی بات فلاسفہ کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔لیکن بعد میں یہ ذرہ وایٹم جب تین حصوں میں منقسم ہوگیا تو کئی سائنس دان قرآن کے اس اعجاز کو دیکھ کر مسلمان بھی ہوگئے۔

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

2 سورۃ سبا:3

اس کے بعد ۱۹۱۹ء میں لارڈ رتھرفورڈ نے ایٹم کو نظام شمسی کے ساتھ تشبیہ دی جس کو بعد ازاں بوہر (Bohr) نے مختلف تبدیلیوں کے بعد پیش کیا اس نظریے کے مطابق ایٹم میں چھوٹے پیمانے پر نظامِ شمسی قائم ہوتا ہے جس میں ایٹم کا مرکزہ (Nucleus) سورج ہے اور الیکٹرونز (Electrons) جو مرکزے کے گرد گھومتے ہیں۔ سیاروں کی حیثیت رکھتے ہیں، مرکزہ جو سورج کی حیثیت رکھتا ہے، پروٹونز (Protons) اور نیوٹرونز (Neutrons) سے مل جاتا ہے۔ الیکٹرون انتہائی چھوٹا ذرہ ہے جو کہ اپنے اندر منفی برق کی ایک اکائی رکھتا ہے۔ پروٹون کے اندر مثبت چارج ہوتا ہے۔ نیوٹرون جو الیکٹرونز اور پروٹونز کے ملنے سے بنتا ہے، اپنے اندر کسی قسم کا برقی چارج نہیں رکھتا اور وزن میں یہ پروٹون ہی کے برابر ہوتا ہے۔

ایٹم کا مرکزہ، پروٹونز اور نیوٹرونز کے باہمی میل سے بنتا ہے اور ان ہی کے وزن کی وجہ سے ایٹمی وزن ہوتا ہے جسے (Atomicweght) کہتے ہیں، کیونکہ نیوٹرون اور پروٹون ہی وزنی ذرات ہوتے ہیں۔ دنیا میں سادہ ترین ایٹم، ہائیڈروجن کا ایٹم ہے۔ اس کا مرکزہ صرف ایک ہی پروٹون پر مشتمل ہے جس کے گرد صرف ایک ہی الیکٹرون گھومتا ہے۔ اسی طرح پیچیدہ ترین ایٹم کی مثال یورینیم کے ایٹم کے مرکز میں ۹۴ الیکٹرونز گھومتے ہیں۔ [1]

☆☆☆
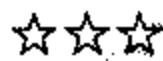
تھیاسفی

یونانی لفظ بمعنی حکمتِ یزدانی۔ ایک نیم فلسفیانہ اور نیم مذہبی مکتبِ فکر جس کے مطابق بنیادی سچائیاں تمام مذاہب میں مشترک ہیں اور مذہبی اختلافات بے حقیقت ہیں۔ اس تحریک کی بانی مسز الینا پترونا بلاوتسکی (۱۸۳۱ء۔۱۸۹۱ء) تھیں جنہوں نے تبت کے دورے کے بعد ۱۸۷۵ء میں نیویارک میں تھیاسوفکل سوسائٹی

1. اردو انسائیکلوپیڈیا، رازہائے ایٹم/ ہارون یحییٰ، سائنس مسرف باسلام/ ثناء اللہ شجاع آبادی، المنجد في اللغة والأعلام، Encyclopedia britanica۔

قائم کی۔ چونکہ سوسائٹی کے نظریات بدھی اور برہمی عقائد کا ملغوبہ ہیں۔ اس لیے امریکا سے زیادہ ہندوستان میں ان کی پذیرائی ہوئی اور سوسائٹی کا صدر دفتر مدراس منتقل کر دیا گیا، کراچی میں بھی ایک مشہور تھیوسوفیکل ہال ہے۔ امریکی تھیاسوفکل سوسائٹی کا صدر دفتر وہٹین کے مقام پر ہے اور یہ سوسائٹی ہندوستانی سوسائٹی سے قدرے مختلف نظریات رکھتی ہے۔ [1]

☆☆☆

ڈارون کا نظریہ

انگریز سائنسدان چارلس رابرٹ ڈارون نے یہ نظریہ پیش کیا کہ کرۂ ارضی پر نباتات اور حیوانات کی جو انواع دیکھنے میں آتی ہیں وہ نہ امتدادِ زمانہ سے اسی طرح چلی آتی ہیں اور نہ تخلیق ارضی کے وقت سے اپنی موجودہ ہیئت میں موجود ہیں۔ اس نے اپنے نظریے کے ثبوت میں جانوروں کے ڈھانچوں کو پیش کیا، جن پر ہم غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کسی وقت یہاں کچھ حیوان ۹ فٹ لمبے تھے۔ بقائے اصلح کے قانون کے تحت صرف وہ انواع زندہ رہ گئیں جو دیگر انواع حیوانات اور آب وہوا کا مقابلہ کر سکیں یا گھوڑے اور ہاتھی کی طرح ارتقائی دور سے گزر کر ترقی یافتہ جسمانی ساخت اختیار کر سکیں۔ ڈارون کے خیال کے مطابق انسان بھی فی نفسہٖ اسی طرح پیدا نہیں ہوا تھا جس طرح آج دنیا میں نظر آتا ہے، بلکہ اس نے بندر سے جو بذات خود دیگر انواع سے ترقی کر کے بوزنہ بنا ہے موجودہ ہیئت اختیار کی ہے۔ حیاتیات کے ماہرین نے ڈارون کے نظریات کو درست تسلیم کر لیا ہے اور یہ مان لیا ہے کہ کرۂ ارضی پر نباتات، حیوانات، طیور اور بحری و بری جانداروں کا تمام سلسلۂ تخلیق بقائے اصلح

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا۔

اورارتقاء کے اصولوں سے دوچار رہا ہے مسلمان فلاسفہ اس نظریے کے قائل نہیں ہیں۔ 1

☆☆☆

بابائی

ایک مذہبی اور مجلسی تحریک کا نام ہے جس کا پیشوا بابا کے نام سے مشہور تھا۔ یہ تحریک ترکی میں تاتاریوں کے حملہ سے کچھ عرصہ پہلے برپا ہوئی اور اس نے ایشیائے کوچک میں ترکی کے مراکز میں ہل چل مچا کر رکھ دی۔ اس تحریک کا ترکوں کی ثقافتی اور مجلسی زندگی پر بہت گہرا اثر پڑا۔ یہ تحریک ساتویں صدی ہجری تک بہت زور پکڑ چکی تھی۔ اور سلطنت کا انتظامی اور ثقافتی ڈھانچہ اس تحریک سے وجود میں آچکا تھا، جو ایرانی اثرات کا نتیجہ تھا۔ ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء کے قریب سرحد شام کے علاقے کفرسود سے ترکمانوں کے علاقوں میں ایک بابا جو خود کو نبی کہتا تھا آیا اور اس نے ان علاقوں میں وعظ وتلقین شروع کردی۔ دیہاتی اور سرحدی علاقوں کے ترکمان جو قدیم ترکی روایات کے زیادہ پابند تھے۔ اس تحریک کا ساتھ چھوڑنے لگے اور اسی طرح سے ترکمان عنصر اور حکومت کے درمیان اختلافات بڑھتے چلے گئے۔ ان اختلافات کی وجہ سے سلجوقی حکومت بہت کمزور پڑگئی۔ تو بابا (عوامی واعظ) نے علم بغاوت بلند کردیا اور کئی بڑے لشکروں کو یکے بعد

1 اردو انسائیکلو پیڈیا۔

مزید تفصیل کے لیے ہارون یحییٰ کی مندرجہ ذیل کتابیں مفید ثابت ہوں گی:

☆......نظریہ ارتقاء کی موت

☆......مادے کی قوت

☆......ارتقاء پسندوں کی فحش غلطیاں

☆......ڈارونیت: تاریخ حیاتیات میں سب سے بڑا فریب

☆......المنجد في اللغة والأعلام

☆......نظرية داروين بين مؤيديها ومحققها/قيس القرطاس

دیگر نے شکست دی۔ آخر کار کرائے کے سپاہیوں کی مدد سے بابا کو شکست دی گئی اور قید کر لیا گیا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس تحریک کو دبایا نہ جا سکا۔ 1

☆☆☆
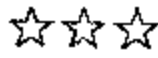
ماتریدیہ

یہ اہل سنت والجماعت کا ایک فرقہ ہے جو ابو منصور محمد بن محمود الحنفی المتکلم الماتریدی السمرقندی سے منسوب ہے۔ ماترید سمرقند کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ یہ شخص ابوالحسن اشعری اور امام طحاوی کا ہم عصر تھا جو ''اشعریہ'' عقائد سے وابستہ تھے۔

معتزلہ نے عقل کی بنیاد پر دین کے معاملات کو پرکھنا شروع کیا تو ان کے رد میں اہل سنت والجماعت میں گروہ بن گئے جو اشعری اور ماتریدی عقائد کے پیروکار تھے۔ ان میں سے ماتریدی عقائد کے لوگوں نے بھی عقل کو استعمال کیا لیکن معتزلہ کی طرح نہیں۔ ابو منصور ماتریدی سمرقند میں ۳۳۰ھ/ ۹۴۱ء کو فوت ہوا۔ 2

☆☆☆

اشاعرہ/ اشعریہ

یہ ایک مکتب فکر ہے جسے اشاعرہ بھی کہتے ہیں۔ اس کی اساس ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کی تعلیمات ہیں۔ اپنی عمر کے آخری دنوں میں اشعری رحمہ اللہ نے اپنے گرد بہت سے تلامذہ اکٹھے کر لیے اور یوں ایک

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

2 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

دبستان وجود میں آ گیا۔ اگرچہ اشعری حنبلی مسلک کے حامی تھے، مگر ان کے پیرو عموماً شافعی دبستان کے حامی رہے ہیں، جبکہ ان کے حریف زیادہ تر حنفی مسلک کے موید ہیں بانی مسلک کی وفات کے بعد الباقلانی وہ پہلا شخص ہے جس نے اشعریہ کے عقائد کو منضبط کیا۔ اس کے علاوہ ابن فورک، اسفرانی، البغدادی، السمنانی، الجوینی، الغزالی، ابن تومرت، الشہرستانی، فخر الدین سازی، الایجی اور الجرجانی اس مسلک کے ائمہ اور مشاہیر میں سے ہیں۔

گیارہویں صدی عیسوی تک اشاعرہ کے طریق کار میں تبدیلی واقع ہوئی اور امام غزالی رحمہ اللہ جیسے مجتہد ومجدد پیدا ہوئے۔ انہوں نے فلسفیانہ مباحث کا آغاز کیا۔ اس صدی کے سلاطین کے ہاتھوں اس مسلک کے پیروکاروں نے بہت اذیتیں اٹھائیں۔ مگر سلجوقیوں کے برسر اقتدار آنے پر اور نظام الملک طوسی جیسے وزیر کی سرپرستی حاصل ہونے کے بعد انہیں فروغ حاصل ہوا اور تقریباً چودہویں صدی عیسوی تک یہ مکتب فکر اہل سنت والجماعت کے ساتھ متحد رہا۔ الجرجانی کے بعد یہ دبستان بالکل ہی ختم ہو کر رہ گیا اور بالآخر علماء خود کو اشعریہ سے وابستہ کرنا معیوب سمجھنے لگے۔ [1]

☆☆☆
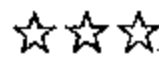
نیچری

نیچر (NATURE فطرت) فلسفہ اور سائنسی علوم کی اصطلاح ہے، جو جتنی اہم ہے اتنی ہی مبہم اور غیر واضح ہے۔ بدقت تمام اس اصطلاح کے مندرجہ ذیل معنی متعین ہو سکے ہیں:

(الف)...... معروضی یا خارجی دنیا، جو موضوعی یا داخلی واردات کے مخالف ہے۔

(ب)...... قدروں کا معروضی یا خارجی معیار، جو رسوم وعقائد، قانون اور روایات کے برعکس ہے۔

---

1 اسلامی انسائیکلوپیڈیا، بیان الفوائد شرح العقائد/ مجیب اللہ گونڈوی/29، تاریخ دعوت وعزیمت/ ابوالحسن علی ندوی، الأعلام/الزرکلی، طبقات الشافعیة: 245/2، البدایة والنهایة: 187/11۔

(ج)......وہ عمومی کائناتی نظام جو ذاتِ الٰہی کا متعین کردہ ہے اور انسانوں کے عارضی نظاموں کے برعکس ہے۔

(د)......وہ جو انسانوں سے اور انسانوں کے اثرات سے علیحدہ ہے اور فن کے برعکس ہے۔

(ح)......انسان کا جبلّی یا اضطراری کردار، جو شعوری عمل یا کردار کے برعکس ہے۔

ارسطو کے ہاں "نیچر" سے مراد تغیر یا ثبات کا وہ مرکز ہے جو ایک شئے کے اندر موجود ہوتا ہے، ان معنوں میں "نیچر" فن کے برعکس ہے، کیونکہ بقول ارسطو، فن تغیر کا خارجی مرکز ہے۔ نیچری (یا فطری) اشیاء وہ ہیں جو اپنے اندر تغیر کا مرکز رکھتی ہیں۔ ہر چند کہ ایک نیچری چیز کے تغیر میں صورت اور مادّہ دونوں ہی شامل ہوتے ہیں، مگر اس چیز کی تبدیلی یا تغیر کا اندازہ عام طور سے صورت کی تبدیلی یا تغیر سے لگایا جاتا ہے۔

نیچری مذاہب و عقائد کے مخالف ہیں۔

☆☆☆

پختو/پشتونولی

پختون لوگوں کا قبائلی ہزاروں سال قدیم اجتماعی سسٹم اور سوشل نظام، برطانیہ کے قانون کی طرح غیر مکتوب سینہ بہ سینہ چلا آرہا ہے، پختون اس قانون سے بزعم خویش اسلام کے علاوہ اور کسی قانون کو بالا و برتر نہیں سمجھتے، اس میں مردانہ حریت، مساوات، جرگوں میں آزادی اظہار رائے اور ضرورت پڑنے پر قبیلے کے لیے مال و سر سے گزرنا شامل ہیں، اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں یہ عبارت ہے: پشتو بولی کے علاوہ پشتونوں کے دستور و آئین حیات کا نام بھی ہے۔ [1]

☆☆☆

1 ملئیم اور کرزما، ڈاکٹر ایس احمد/96، نیز اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں (پشتو) ملاحظہ ہو، نیز حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے متعلق پختونوں کا دعوائے جد امجدیت "خالد بابا":

پٹھان اپنے جدِ امجد خالد بابا پر جو فخر کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کا پس منظر یہ ہے کہ افغانستان کے علاقہ (غور) سے قیس عبدالرشید نامی شخص وفد لے کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوا، کہتے ہیں کہ اس سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی کا عقد نکاح کر دیا، جن سے ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے تھے، پٹھانوں کے تمام قبائل کسی نہ کسی طرح اپنا شجرۂ نسب ان سے ملاتے ہیں۔

استشراق/مستشرقین

استشراق کالغوی معنی مشرقی بننا اور اصطلاح جدید میں استشراق سے مراد مغربی اقوام کا مشرقی اقوام اوران کی زبانوں، ان کے آداب وعلوم خصائل وعادات اوران کے عقائد ونظریات کا مطالعہ کرنا ہے۔

نویں اور دسویں صدی سے قبل جہاں بغداد، قاہرہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ میں علم ودانش، حکمت ومعرفت کی تاباں کرنیں پھوٹ رہی تھیں، عین اسی وقت مغرب جہالت ونادانی کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، تہذیب وثقافت، لیاقت وشائستگی شرافت وانسانیت، اخلاق وآراستگی، جس سے مشرقی معاشرہ معمور تھا۔ اس کا تھوڑا سا حصہ یا تو گرجوں میں موجود مساکین پادریوں کو ملا تھا جو بزعمِ خود علم وعرفان کے دعوے دار تھے، یا ان امراء ورؤسا کو جنہوں نے انسانی اقدار کی کچلی ہوئی لاشوں پر اپنی بلند وبالا عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ یہی لوگ اپنی رعایا کے لیے علم اور کتابیں زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔

احساس کمتری اور ظلم واستبداد کی چکی میں پسی ہوئی مغربی اقوام جب مشرقی علوم وفنون کی چکا چوند روشنی کو دیکھتیں تو ان کے عقول واذہان پر پڑے جہالت کے پردے یک بہ یک اٹھنے لگتے اور آنکھیں علم وعرفان وکمال انسانی کے منافع کی تلاش وجستجو میں لگ جاتیں، پس انہوں نے اس گوہر نایاب کو عربوں کے پاس ہی پایا۔ چنانچہ مغربی اقوام نے رازِ ترقی عربی زبان کو پایا اور اس میں پیہم اور انتھک کوششوں سے کمال حاصل کیا۔ ایسے لوگوں کو مستشرقین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عربی زبان کے ارتقاء میں ان لوگوں کی ناقابل فراموش خدمات بھی ہیں۔

۱۱۳۰ء میں بشپ ریمانڈ کے زیرسرپرستی طلیطلة میں ایک مدرسے کی بنیاد پڑی۔ جس میں عربی کتابوں کو لاطینی زبان میں منتقل کیا جاتا تھا۔ قلیل عرصے میں تقریباً چارسو کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ جن میں زیادہ تر امام رازی، ابوقاسم زہراوی، ابن رشد اور ابن سینا کی کتابیں شامل تھیں، جو پانچ یا چھ صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب رہیں۔

وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ استشراقیت کے معانی ومفاہیم بدلنے شروع ہوگئے اوراس کا دائرہ کار عربی اورمشرقی تہذیب وثقافت سے بہرہ ور اور مستفید ہونے تک محدود نہ رہا بلکہ اس کا مقصد تجارتی، استعماری اورتخریب دینی کی تحقیق وتلاش بن گیا۔ چنانچہ مستشرقین نے مشرقی علوم کے آثار کی کھوج اوران کے آداب کونشاۃ ثانیہ دینے اوران کے فنون کومنصہ شہود پر لانے کواپنا لائحہ عمل بنادیا، اس غرض سے مخطوطے جمع کیے گئے۔ نہایت نفس اور معیاری کاغذ کی کتابیں چھاپی گئیں۔ متون کی دقیق علمی شروحات لکھی گئیں۔ اسماء، موضوعات اورامکنہ کے اعتبار سے ان کی فہرستیں تیار کی گئیں۔

تفسیر، حدیث، سیر، فقہ، لغت، اَدب، منطق، فلسفہ پر نہایت قابل قدر کام کیا گیا چونکہ مستشرقین بنیادی طور پر دھریہ، یہودی اور عیسائی عقائد کے حامل تھے، لہٰذا مذہبی بغض وعناد میں آکر ان سے جابجا علمی خیانتوں کا دانستہ یانادانستہ ارتکاب بھی ہوگیا۔ ذیل میں چند مستشرقین کا اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے، فرانس کے مشہور مستشرقین:

(۱) ویٹر: Vetter، متوفی ۱۶۶۷ء انہوں نے چند اسلامی کتابیں فرنچ زبان میں منتقل کردی تھیں۔ جن میں ابن سینا کی امراض عقلیہ، طغرائی کی لامیہ شامل ہیں۔

(۲) Sedillot: متوفی ۱۸۳۲ء عربوں کے ہاں یہ علم فلکیات میں ماہر جانے جاتے تھے۔ انہوں نے ابن القیم کی کتاب نبذۃ فی الہند کا ترجمہ کرکے چھاپ دیا۔

(۳) Deparceval: متوفی ۱۸۳۵ء انہوں نے صقلیہ میں مسلمان بادشاہوں کی تاریخ لکھی اور سبع معلقات اورامثال لقمان اور مقامات حریری کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

(۴) جرمن مستشرقین: فریڈگ: متوفی ۱۸۶۱ء بون کالج میں استاذ تھے چند کتابوں کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا، جن میں دیوان حماسہ ابن ندیم کی زبدۃ الطلب فی تاریخ حلب اور ابن عربشاہ کی فاکھۃ الخلفاء شامل ہے اور عربی لاطینی میں ۴ جلدوں کی ضخیم لغات مرتب کی ہے۔

(۵) گستاپ فلوجل: متوفی ۱۸۷۰ء نے چند کتابوں کا ترجمہ کیا جن میں کشف الظنون اورابن ندیم کی فہرست امام ثعالبی کی مونس الوحید اور قطلوبغا کی طبقات الحنفیہ شامل ہیں۔

۶۔انگریزی مستشرقین: ولیم مویر، متوفی ۱۹۰۵ء ان کی تالیفات میں حیات النبی اور تاریخ اسلام اور تاریخ الخلافہ شامل ہیں، جو ہندوستان اور انگلینڈ کے یونیورسٹیوں میں معتمد مراجع میں شامل ہیں۔

نیز روجیہ جارودی، جرجی زیدان، جبران خلیل جبران، پطرس بستانی، ناصیف یازجی، ابراہیم یازجی، محمد اسد وغیرہ کے نام بھی سرفہرست ہیں۔ [1]

☆☆☆

1. تاریخ الادب العربی/احمد حسن زیات/ 378-381، العلمانیۃ/سفر بن عبدالرحمن الحوالي/ 543-551، اردو انسائیکلو پیڈیا، معجم اسماء المستشرقین/ 5-18، المنجد فی اللغۃ والأعلام، الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ/الندوي۔

باب رابع:

أشتات و متفرقات

حضرت استاذ مکرم ہر محاضرے / لیکچر کے آخر میں باقاعدہ سوال وجواب کے لیے موقع دیتے تھے' جس میں طلبہ موضوع سے متعلق یا اس کے آس پاس مختلف سوالوں سے پرچیاں ارسال کرتے تھے' جن کے جوابات اسی وقت یا اگلے دن تحقیق کے بعد دیا کرتے تھے...... ان میں سے اہل علم اور خاص کر دورۂ حدیث کے طلبہ کے لیے مفید عناوین کا انتخاب کر کے حضرۃ الأستاذ سے دوبارہ سہ بارہ تصحیح کروا کے اگلے صفحات میں مذکورہ بالا اشتات ومتفرقات پیش کی جارہی ہیں۔ (مرتب)

اہل کتاب

یہ آسمانی کتاب کو ماننے والے ہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک اہل کتاب سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں جن کے پاس آسمانی صحیفے آئے اور جو بعد میں مسخ اور پھر منسوخ ہوگئے۔ قرآن شریف نے ان لوگوں اور کفار میں فرق رکھا ہے، مسلمانوں کی اطاعت کر لینے کے بعد کفار کے مقابلے میں ان کو زیادہ مراعات دی جاتی ہیں اور ان کو بجائے ذمی کے معاہدین کے نام سے خطاب کیا جاتا ہے، مسلمانوں کو ان کے ساتھ (حلال کی پابندی کے ساتھ) کھانے اور ان کی عورتوں سے شادی کرنے کی بھی اجازت ہے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض لوگ پارسیوں کو بھی اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں اور ژند کو بھی آسمانی کتاب سمجھتے ہیں۔ [1]

☆☆☆
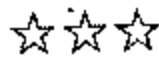
مسیلمہ کذاب

خانہ ساز مدعیانِ نبوت میں وہ پہلا شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا غلغلہ اقصائے عالم میں بلند ہوا تو مسیلمہ بھی وفد بنی

---

1. سورۂ آل عمران/ 64، 65۔ مفسرین کرام نے اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ لیے ہیں، نیز عقد ذمہ کے بارے میں سورۂ توبہ/ 29 اور اس کی تفسیر مختلف تفاسیر اور سید السابق کی کتاب فقہ السنۃ: 2/ 664-672 اور اس موضوع سے متعلق فقہ حنفی کی مختلف کتابیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

حنفیہ کی معیت میں آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوا، مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنا جانشین مقرر فرمائیں۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھجور کی ایک ٹہنی رکھی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسیلمہ! اگر تم امر خلافت میں مجھ سے یہ شاخ خرما بھی طلب کرو تو میں دینے کو تیار نہیں۔''

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس نے بیعت تو نہ کی تھی لیکن بیعت کو مشروط رکھا تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے نبوت میں شریک کریں تو وہ بیعت کرے گا۔

مسیلمہ جب ادھر سے مایوس ہوا تو اس نے از خود نبوت کا دعویٰ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے یمامہ پہنچنے کے بعد اعلان کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نبوت میں شریک کرلیا ہے۔ اس نے اہلِ یمامہ کو من گھڑت ''کلامِ وحی'' سنانا شروع کیا اور اپنے دعویٰ کی تائید میں ایک شخص کو پیش کیا جس نے اہلِ یمامہ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سامنے مسیلمہ کو نبوت میں شریک ٹھہرایا تھا۔

مسیلمہ اس دعویٰ نبوت سے پہلے بھی (کذاب یمامہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ جب اس نے یہ دعویٰ کیا اس وقت مسیلمہ کی عمر سو سال سے بھی متجاوز تھی۔ مسیلمہ نے کلامِ وحی کے نام سے خانہ ساز کتاب بھی مرتب کی جس کا نام فاروق اوّل اور فاروق ثانی رکھا گیا۔ مسیلمہ اور اس کے پیروکاروں میں فحش نگاری اور فسق و فجور کو کافی فروغ حاصل ہوا، کیونکہ مسیلمہ نے حرمتِ خمر اور حرمتِ زنا سے انکار کیا تھا اور توالد و تناسل کے لیے انسان کو آزاد قرار دیا تھا۔ مسیلمہ نے اپنے پیروکاروں کے لیے تین نمازیں ظہر، عصر اور مغرب مقرر کی تھیں اور رمضان کے دن کے روزوں کی جگہ رات کے روزے رکھنے کا حکم دیا تھا۔

مسیلمہ کے خلاف معرکۃ الآراء جنگ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لی۔ اسے جنگ یمامہ کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں دونوں طرف سے ہزاروں افراد مارے گئے۔ مسیلمہ قتل ہوا اور اس طرح اس فتنہ کا خاتمہ ہوا۔

مسیلمہ کے ساتھ شریکِ نبوت سجاح بنت حارث تمیمیہ تائب ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی۔ سجاح نے وصالِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دعویٰ نبوت کیا تھا۔ مسیلمہ سے ملاقات کے بعد دونوں نے نبوت میں شراکت کا سلسلہ بنایا۔ مسیلمہ نے سجاح کو اپنے رشتۂ ازدواج میں منسلک کرلیا تھا، مسیلمہ کو حضرت

وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ (جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بھی اسلام لانے سے قبل جنگ اُحد میں شہید کر دیا تھا) نے قتل کر دیا تھا، اسی لیے وہ کہا کرتا تھا: (قتلت خير الناس وقتلت شرّ الناس) "میں نے لوگوں کے سب سے بہتر شخص کو قتل کیا اور سب سے برے شخص کو بھی۔" [1]

☆☆☆
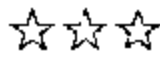
محمودیہ

ایران کے علاقہ مسجوان جوگیلان کا موضع ہے، میں ۶۰۰ھ میں ایک شخص محمود واحد گیلانی نے ایک نیا فرقہ منظم کیا جسے مؤرخین نے وحدانیہ اور محمودیہ کے نام سے قلمبند کیا۔ یہ شخص حلول وتناسخ کا مبلغ تھا اور عرب وعجم پر آویزش کی بنا پر عجم کو عرب پر بالاتر سمجھتا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے لیے رسول تھے اور میں عجم کے لیے ہوں۔ میرا درجہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل بلکہ تمام انبیاء سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء کی روحیں اس کے جسم میں حلول کر چکی ہیں اور قرآن مجید میں یہ آیت "عسى أن يبعثك ربك مقاماً محموداً" کا مصداق میں ہوں۔ اس نے جو فرقہ مرتب کیا اس کے بعض عقائد یہ ہیں:

☆ آدم علیہ السلام سے قیامت تک کا ایک دور ۶۴ ہزار سال کا ہے۔ جب یہ مدت پوری ہوگی تو قیامت آئے گی اور اس کے بعد پھر نیا آدم آئے گا۔

☆ پہلی پیدائش میں امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روپ میں تھے اور یزید فرعون کی صورت میں اور دوسری پیدائش میں موسیٰ علیہ السلام امام حسین رضی اللہ عنہ بن گیا اور فرعون یزید بنا۔

☆ کعبہ وقبلہ کی کوئی اہمیت نہیں، عبادت صرف سورج کی کرنی چاہیے اور سورج کی پرستش کے وقت

---

1 تاریخ اسلام/نجیب آبادی: 1/ 237-255، المنجد في الأعلام، الأعلام/الزركلي، ابن هشام: 3/74، الروض الأنف: 2/340، الکامل/لابن اثیر: 2/137-140۔

مخصوص دعائیں جو محمود پر نازل ہوئیں پڑھی جائیں۔

یہ فرقہ اب بھی موجود ہے اس کے سرکردہ علماء کو امین کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ ایران کا شاہی خاندان جس میں شاہ عباس کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے اس فرقہ کا امین مشہور رہے۔ درویش صفا اور درویش بقا بھی اس فرقہ کے روحانی مدارج ہیں۔ کچھ مؤرخین نے خواجہ حافظ شیرازی کو بھی اس فرقہ کا مقلد لکھا ہے، لیکن حافظ کی تعلیمات عملاً اس کی نفی کرتی ہیں۔

مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں میر شریف نامی ایک شخص کی طرف سے قائم کردہ ایک مذہبی گروہ۔ میر شریف بنگال میں ایک اعلیٰ فوجی عہدہ پر فائز تھا۔ میر شریف خود کو محمود بوسا خوان کا متبع اور جانشین کہلاتا تھا۔ محمود نے تیمور کے زمانے میں ''امام مہدی'' ہونے کا اعلان کیا۔

محمودیہ کے عقائد یہ تھے: انسان اپنے وقتِ تخلیق سے ہی بہتری کی طرف ارتقاء کرتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ''مقامِ محمود'' پر پہنچ جاتا ہے۔ بعد میں شاہ عباس نے محمود اور اس کے پیروکاروں کو اپنے علاقوں سے نکال دیا تھا۔ شہنشاہ اکبر نے ان کو اپنی مملکت کے نظام میں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا۔ [1]

☆☆☆
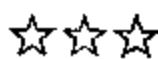
قادیانی/احمدی/مرزائی/لاہوری

مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکاروں کو قادیانی کہا جاتا ہے، کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی دعوت اور تحریک کا آغاز اپنے وطن قادیان ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب سے کیا تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد کے واضح ہونے کے بعد علمائے اسلام نے مرزا غلام احمد اور اس کے پیروکاروں کو اسلام سے خارج قرار دیا۔ یہ مطالبہ کہ حکومت انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے تقسیم پاکستان سے قبل برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی طرف سے کیا جانے لگا، لیکن اس وقت قادیانیوں کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل تھی کیونکہ انگریزوں نے اپنے مفاد کے لیے مسلمانوں میں انتشار کا یہ پودا خود ہی لگایا تھا۔

---

1. اسلامی انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ۔

۱۹۰۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے باقاعدہ نبی ہونے کا دعویٰ کیا، علماء نے ڈٹ کر اس عظیم فتنے کا مقابلہ کیا اس سلسلے میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود کی خدمات نمایاں ہیں، ان تینوں حضرات کے علاوہ دیگر اکابرامت کے مساعی کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ قادیانی کی تردید میں مسلمانوں نے ایک ہزار کتابیں لکھی ہیں۔ اہل اسلام کی نوے سالہ جدوجہد اور عظیم الشان تحریک کے بعد بالآخر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء بمطابق ۱۹ شعبان ۱۳۹۴ھ کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، مگر قادیانیوں نے اس فیصلے کو قبول نہیں کیا اور آج تک سادہ لوح مسلمانوں کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ”ہم کلمہ پڑھتے ہیں پھر مسلمان کیوں نہیں؟“۔ [1]

☆☆☆
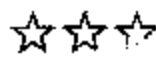
بہاءاللہ

بہاءاللہ بہائی مذہب کے پیشوا ہے۔ ماژندران کے قصبہ نور میں پیدا ہوئے، تیس برس کی عمر میں بابی مذہب اختیار کیا اور اپنے سوتیلے بھائی مرزا یحییٰ صبح ازل کو منصب سے ہٹا کر ۱۸۶۸ء میں علی محمد باب کے جانشین بن گئے، شاہ ایران کے حملے کے الزام میں پہلے قید اور پھر جلاوطن کردیئے گئے، بغداد میں اقامت اختیار کی اور وہیں اعلان کیا گیا کہ باب نے (یا مظہر اللہ) انہیں کے بارے میں کہا ہے، ترکوں نے انہیں پہلے ایڈریا نوپلل اور پھر عکہ میں نظر بند کردیا، وہیں انتقال کیا، اُن کے جانشین عبدالبہاء ہوئے جنہوں نے بابی مذہب کو مغربی ممالک میں پھیلایا، ان کے ماننے والے بہائی کہلاتے ہیں۔ ان کی تالیفات میں ”البیان“ قرآن کے متبادل اور تقریباً سنت کے متبادل ”الکتاب الاقدس“ ہے۔ بعد میں ان کا بیٹا عباس (عبدالبہاء) ان کے جانشین ہوئے۔

☆☆☆

---

[1] الأديان والفرق والمذاهب المعاصرة/ 67-72، اردو انسائیکلوپیڈیا، مساعی القادیانیة/ مولانا محمد یوسف الدھیانوی، رئیس قادیان، قادیانیت! عقیدۂ ختم نبوت، ناموس رسالت اور وحدت امت کے خلاف ایک ہولناک سازش/ علامہ اقبال، عقیدۂ ختم نبوت اور چہرۂ قادیانیت/ علامہ انور شاہ کشمیری، قادیانیوں کا علمی احتساب/ لال حسین اختر۔

دین الٰہی/دین اکبری

یہ ہندوستان کے مغل شہنشاہ اکبر کا جاری کردہ دین ہے۔ دین الٰہی کا اجرا (۹۸۹ھ/۱۵۸۱ء) میں ہوا۔ اس میں نفس پرستی، غبن، فریب، غیبت، جبر، تعدی، تخویف اور تکبر کی ممانعت تھی۔ ان میں جین مت کے عقیدۂ اہنسا اور کیتھولک عیسائیوں کی تجرد پسندی کا اضافہ کیا گیا۔ دین الٰہی میں ان دس فضائل کی تاکید کی جاتی ہے: کشادہ نظری، اعمال سے اجتناب، غیض کو حلم سے دبانا، تشدد آمیز مادی مشاغل سے پرہیز، پرہیز گاری، تقویٰ، زہد، احتیاط، نرمی، شفقت اور صوفیہ کے طریق پر ازروئے الٰہی کے ذریعہ تزکیۂ نفس، اس میں نور، شمس اور نار پر مبالغے کی حد تک زور دیا جاتا تھا۔ اس سے زرتشتی، ہندوانہ اور صوفیانہ اثرات کا پتہ چلتا ہے۔ شہنشاہ کو بالواسطہ طور پر نبی بلکہ خدا کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ اس کے تمام مرید آپس میں ملتے وقت اللہ اکبر اور جل جلالہ کہہ کر سلام کرتے تھے۔ دین الٰہی میں نہ تو کسی الہامی کتاب کے نازل ہونے کا دعویٰ کیا گیا، نہ اس سے مذہبی پیشواؤں کے کسی سلسلے کا آغاز ہوا۔ ابوالفضل نے اکبر کا یہ اعتراف نقل کیا ہے کہ اکبر نے کم ازکم مجازاً اور کنایۃً ترک اسلام کا اقرار کیا تھا۔ بہرحال اکبر کے حق میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس نے علی الاعلان خدا یا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کسی کو اپنا نیا مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا۔ ہندوؤں کے دل جیتنے کے لیے اکبر تمام حدود سے تجاوز کر گیا تھا اور اس نے ایسی رسوم اختیار اور رائج کیں جو سراسر ہندوانہ تھیں۔ مثلاً ذبیحۂ گاؤ کی ممانعت، جھروکہ درشن، داڑھی منڈوانا، بھدرا کروانا، قشقہ لگانا اور ہندو رانیوں کے ساتھ مل کر ان کی مذہبی رسموں میں حصہ لینا۔ دربار کی اس روش سے ملک میں بے چینی پھیل گئی۔ ملا محمد یزدی نے فتویٰ دیا اور شہباز خان کنبوہ جیسے امراء نے جرأت سے کام لے کر اکبر کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن بادشاہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یکے بعد دیگرے تمام مخالفین ترغیب و تخویف یا تشدد کا نشانہ بن گئے۔ حاشیہ نشینوں نے یہ بات اڑادی کہ بعثت نبوی پر ایک ہزار سال گزر جانے کے بعد اسلامی شریعت کی عمر پوری ہوچکی ہے۔ لہٰذا ایک نئے دین اور نئے شارع کی ضرورت ہے اور اس منصب کے لیے اکبر ہی سزاوار ہے اس کی تصدیق میں

طرح طرح کی جھوٹی سچی پیش گوئیاں، اقوال اور اشعار پیش کیے گئے بالآخر دین الٰہی اکبر شاہی کا اعلان کر دیا گیا۔

جو لوگ اس دین میں داخل ہوتے انہیں بیعت کرتے وقت کلمہ " لاالہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" کے ساتھ دین اسلام سے علیحدگی اور اخلاص چہارگانہ (ترکِ مال، ترکِ جان، ترکِ ناموس، ترکِ دین) کا اقرار کرنا پڑتا۔ ان مریدوں کو جوگیوں کی اصطلاح میں چیلا کہا جاتا۔ بادشاہ کی طرف سے زناد یا انگشتری اور بطور شجرہ بادشاہ کی تصویر عطا ہوتی۔ جسے وہ مرصع غلاف میں رکھ کر دستار میں لگاتے۔ بادشاہ قرآن، وحی، حیات بعد الموت اور یوم جزاء کا منکر ہو گیا۔ آفتاب پرستی اور مسئلہ تناسخ کا قائل ہو گیا۔ سجدۂ تعظیمی پر زور دیا گیا۔ شراب حلال کی گئی۔ سور کا گوشت خوراک کا جزو بن گیا۔ جزیہ موقوف کر دیا گیا۔ جوئے کی حلت کا اعلان ہوا۔ صوم وصلوٰۃ اور حج منسوخ کر دیئے گئے۔ دیوان حکومت میں اذان اور نماز با جماعت موقوف ہوگئی۔ عربی کے مطالعے کو بنظر تحقیر دیکھا جانے لگا۔ فقہ، تفسیر اور حدیث کی بجائے نجوم وطب اور حساب وفلسفہ کی تعلیم رائج کی گئی۔ تقویم اسلامی کا استعمال ترک کر دیا گیا۔ ہندوؤں کو اجازت مل گئی کہ وہ رمضان شریف میں علی الاعلان کھائیں، پئیں۔ مسلمانوں کو تاکید کی گئی کہ جب ہندو برت (روزہ) رکھیں تو مسلمان علانیہ کھانے پینے سے باز رہیں۔

دین الٰہی کی تشکیل میں ملکی مصالح کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ اکبر ہندوستان میں ایک عظیم الشان اور مستحکم سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا لیکن علماء بالخصوص مخدوم الملک اور صدر الصدور اس قدر باا ثر اور مقتدر ہو چکے تھے کہ ملک کے فوجداری اور دیوانی معاملات ان کی رائے کے مطابق طے پاتے تھے۔ مسئلہ یہ تھا کہ بادشاہ مختار بالذات ہے یا علماء کے فتوؤں کا پابند؟ ابتداء میں اکبر ایک سیدھا سادہ خوش عقیدہ مسلمان تھا۔ وہ علماء، مشائخ اور صوفیہ کا بے حد احترام کرتا تھا اور علمی ومذہبی حقائق کا جویا رہتا تھا۔ اس نے شیخ سلیم چشتی رحمہ اللہ کی خانقاہ کے قریب ایک عبادت خانہ تعمیر کرایا جس میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے علماء اور پیشوا بھی جمع ہوتے اور بادشاہ کے سامنے مختلف مسائل پر آزادانہ بحث وتمحیص کرتے۔ ان مجالس میں اسے محسوس ہوا کہ علماء ایک دوسرے کو نیچے دکھانے کے لیے کج بحثی اور بہتان طرازی پر اتر آتے ہیں۔ ایک عالم کسی بات کو حرام قرار دیتا ہے تو دوسرا اسے حلال ٹھہراتا ہے۔ اسی زمانے میں فیضی اور ابوالفضل کو بادشاہ کا تقرب حاصل ہوا۔ یہ دونوں اپنی آزاد خیال کے باعث علماء کے ہاتھوں تکلیفیں جھیل چکے تھے۔ علماء کا زور

توڑنے کے لیے انہوں نے ایک محضر تیار کیا جس کی رو سے اکبر کو سلطان عادل قرار دیتے ہوئے اور اس پر بعض علماء کے دستخط بھی ثبت کرا لیے۔ ۱۰۰۱ھ میں شیخ مبارک ۱۰۰۴ھ میں فیضی کے انتقال کے بعد دین الٰہی کے دو بڑے ستون گر پڑے۔ ۱۰۰۷ھ میں ابوالفضل دکن کی مہمات پر بھیج دیا گیا تو دربار میں دین الٰہی کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئیں۔ ۱۰۱۱ھ میں ابوالفضل کے خاتمے کے بعد اکبر کی بداعتمادی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ ۱۰۱۴ھ/ ۱۶۰۵ء میں اکبر کا انتقال ہوا اور اس کے ساتھ ہی دین الٰہی کا سورج غروب ہو گیا۔ [1]

☆☆☆

خوجہ

خوجہ برصغیر پاک و ہند کا ایک مسلمان فرقہ ہے۔ خوجوں کی اپنی روایات کے مطابق ان کا تعلق ہندوؤں کی ایک شاخ لوہانہ سے ہے جو زیریں سندھ، کچھ اور گجرات میں آباد تھی اور اب بھی زیادہ تر انہی علاقوں میں آباد ہے، یہ لوگ چودھویں صدی عیسوی میں ایک ایرانی اسماعیلی مبلغ پیر صدرالدین کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے، خوجہ کا لقب بھی انہی بزرگ کا تجویز شدہ ہے جو فارسی میں خواجہ (ولجہ) کا مترادف اور ہندی لفظ ٹھاکر یا سردار کا ہم معنی ہے، لوہانہ کھتری قوم تھی اور ان میں اب بھی ٹھاکر کا لفظ استعمال ہوتا ہے، خوجے تین مسلکوں میں منقسم ہیں:

(۱)......اسماعیلی خوجے: جو آغا خان کو اپنا مذہبی رہنما مانتے ہیں۔

(۲)......سنی خوجے: یہ زیادہ تر بمبئی میں آباد ہیں۔

(۳)......اثنا عشری خوجے: ان کی تعداد چند ہزار ہے جو بمبئی اور زنجبار میں آباد ہیں۔ سنی اور اثنا عشری خوجے آغا خان کے پیرو نہیں۔

[1] دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلو پیڈیا، اسلامی انسائیکلو پیڈیا، تاریخ پاک و ہند، علمائے ہند کا شاندار ماضی/ سید محمد میاں: 1/ 12-33۔

خوجہ بہت متموّل اور تجارت پیشہ قوم ہے اور برّصغیر پاک و ہند کے علاوہ مشرقی افریقہ اور برما وغیرہ میں بھی آباد ہے، ان کی مجموعی تعداد دو تین لاکھ کے قریب ہے۔ 1

☆☆☆

اہلِ حق

یہ ایران کا ایک مذہبی فرقہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ اہلِ تشیع کا ایک فرقہ ہے، لیکن دراصل اس کی بنیاد کچھ تصوّف، کچھ شیعیت اور کچھ پارسی عقائد پر مبنی ہے، یہ لوگ تناسخ کے اور خدا کے انسانی جسم میں حلول کرنے کے قائل ہیں، شیعوں کے بارہ اماموں کو مانتے ہیں اور شیعہ نصیریوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پرستش کرتے ہیں، ان کے نزدیک پیر کا مرتبہ بہت بلند ہے اور بغیر اس کے امداد کی نجات پانا ناممکن ہے، یہ لوگ انفرادی عبادت کے قائل نہیں، سب لوگ ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرتے یا کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں، حال وقال کی مجالس میں ساز بجائے جاتے ہیں، روزہ صرف تین دن رکھتے ہیں، ان کے بارہ فرقے ہیں جن میں آتش بیگی زیادہ مشہور ہیں۔

اہلِ حق ہمدان، تہران، فارس، ماژندران اور خوزستان میں پائے جاتے ہیں۔ عراق میں کردی، ترکمان اور موصل کے بعض باشندے بھی اہلِ حق ہیں، مگر ان کا اصل مقام مغربی ایران میں لُرستان، کردستان اور آذربائیجان ہے۔ اہل حق کی اصل تاریخ بتانی مشکل ہے، اتنا معلوم ہے کہ خان اتاش ساتواں پیشوا مراغ کے ایک گاؤں میں اٹھارویں صدی عیسوی کے ابتدا میں پیدا ہوا، اس کے مرنے کے بعد عبدالعظیم مرزا اس کا جانشین ہوا۔ وہ ۱۹۱۷ء میں مرا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد حسن مرزا جانشین ہوا، یہ یقینی امر ہے کہ ترکمان قبائل میں اہلِ حق کے عقائد کی اشاعت سلطان قراقونو کے عہد سے پہلے پائی جاتی ہے جسے اس کے پیرو کار سلطان العارفین کہتے تھے، وہ ترکمان جو ملکو میں رہتے تھے "اہلِ حق" کہلاتے تھے۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلو پیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ، مسلم ثقافت ہندوستان میں/ عبدالمجید سالک/ 247۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا۔

اعصابی جنگ/سرد جنگ

دشمن ممالک کی اقتصادی، نفسیاتی اور سفارتی کشمکش۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد روس اور اینگلوامریکی بلاک ایک دوسرے کے خلاف سرد جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ جو اسلام اور اینگلوامریکی سرد و گرم دونوں طرح کی جنگوں میں تبدیل ہو چکی ہے۔

سرد جنگ میں باقاعدہ لڑائی کے خلاف وہ تمام ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں جن سے حریف ملک کو نیچا دکھایا جاسکے اور اس میں احساس کمتری اور احساس شکست خوردگی پیدا کیا جاسکے۔ اس کو اعصابی جنگ بھی کہتے ہیں۔ 1

☆☆☆
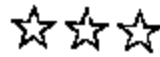
سقراط

سقراط یونان کا عظیم مصلح اور فلسفی تھا۔ ایک سنگ تراش کا بیٹا تھا۔ ابتداء میں باپ کا پیشہ اختیار کیا، لیکن بعد میں فوج میں ملازمت کر لی اور پوٹیڈیا اور پھر ڈیلیم کی جنگوں میں شریک ہوا۔ پھر ایتھنز واپس آ کر غور وفکر شروع کیا۔ سچائی اور ایمانداری کا دلدادہ تھا اور لوگوں کو بحث اور مکالمے کے ذریعے سچائی کی ترغیب دیتا تھا۔ اس کے تبلیغ کا طریقہ دوسرے فلسفیوں سے مختلف تھا۔ وہ شاگردوں اور دوستوں وغیرہ سے باتوں باتوں میں علمی اصطلاحوں کی تعریف پوچھ بیٹھتا۔ مثلاً انصاف، نیکی یا محبت کیا ہے؟ اس طرح بحث کے دوران مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی اور نتائج اخذ کیے جاتے۔ سقراط کے مخالفوں نے اس پر الزام لگایا کہ وہ بے دین ہے اور دیوتاؤں کو نہیں مانتا۔ نیز اس کی تعلیم سے شہر کے نوجوانوں کے اخلاق

---

1. فیروز اللغات، المورد الوسیط، حسن اللغات۔

خراب ہوتے ہیں۔ ایتھنز کے سینٹ میں اس پر مقدمہ چلا اور سقراط نے اپنی وکالت آپ کی۔ سینٹ نے اسے موت کی سزا دی۔ اس نے معافی مانگنے سے انکار کر دیا اور زہر کا پیالہ خوشی خوشی پی لیا۔ سقراط کا سب سے ممتاز شاگرد افلاطون تھا جس نے استاذ کے حالات اور اقوال قلمبند کیے ہیں۔

سقراط کے افکار کے بارے میں ہمارا علم، بالواسطہ، چار ذرائع پر مبنی ہے: (۱) یونانی مؤرخ زینوفون کی یادداشتیں۔ (۲) ارسطوفینس کے سوانگ ''بادل'' کا ایک فلسفی مسمّٰی سقراط۔ (۳) ارسطو کی مابعدالطبیعیات میں فلسفیانہ استدلال کا تذکرہ۔ (۴) مکالمات افلاطون جن میں سقراط خصوصی متکلم ہے۔ سقراط نے علم کا ایک تصوّر پیش کیا۔ اس کے مطابق علم، جو اس کے بقول صداقت (حق) کے ہم معنی ہے، اپنی ذات میں نیکی ہے۔ بُرائی اور جھوٹ (باطل) فقدانِ علم ہی کی پیداوار ہیں۔ 1

☆☆☆

سیاسی پناہ

جانی تحفظ اور حقوق و مراعات جو سیاسی کشیدگی یا ہنگامی حالات کی صورت میں ایک ملک کے باشندے کو کسی غیر ملک میں وہاں کی حکومت کی جانب سے ازراہِ مہمان نوازی و پاسداری حقوق انسانی بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ ازمنۂ قدیم میں اس مقصد کے لیے مذہبی عبادت گاہیں اور مقدس مقامات پناہ گاہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ جدید دور کے بین الاقوامی قانون کے تحت کسی غیر ملکی مہاجر یا سیاسی مفرور کو اپنی ریاست کی حدود میں سیاسی پناہ دینے کا حق واختیار ہر مملکت کو حاصل ہے۔ لیکن اگر کوئی مجرم ثابت الجرم ہو تو بین الاقوامی ادارہ تحویلِ مجرمان (انٹرپول) کے ذریعے سے اس حیثیت کو چیلنج کر کے ایسے شخص کو واپس اپنے ملک بلایا جا سکتا ہے۔ 2

☆☆☆

1 المنجد في الأعلام، دائرة المعارف الاسلامية، اردو انسائیکلوپیڈیا، Encyclopedia britanica۔

2 القاموس السياسي ومصطلحات المؤتمرات الدولية/س۔ م۔ لحام، المورد الوسيط/منير البعلبكي۔

قلوپطرہ

ملکۂ مصر۔ مصر کے یونانی حکمران خاندان ٹالمی کی آخری ملکہ۔ ٹالمی خاندان میں اس نام کی متعدد عورتیں گزری ہیں۔ یہ قلوپطرہ ہفتم کہلاتی ہے۔ ۴۸۔۴۷ ق۔م میں جُولیس سیزر مصر آیا تو قلوپطرہ مصر کا تاج وتخت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے سیزر کی حمایت حاصل کرنے کی خاطر اسے اپنے دام محبت میں پھنسایا اور ایک لڑکے کو جنم دیا۔ سیزر اسے مصر کی حکومت سونپ کر واپس چلا گیا۔ دو سال بعد قلوپطرہ بیٹے کو لے کر روم گئی، لیکن اسی دوران سیزر قتل کر دیا گیا۔ (۴۴ ق۔م) قلوپطرہ مصر واپس آ گئی۔ (۴۱ ق۔م) میں سیزر کا دوست جنرل مارک انتنی مصر آیا تو قلوپطرہ نے اس سے شادی کر لی اور سلطنت روما پر حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگی۔ ۳۲۔۳۱ ق۔م میں رومی شہنشاہ آکٹیوین نے مصر پر چڑھائی کر کے، اکتیم کے مقام پر، انتنی اور قلوپطرہ کی فوجوں کو شکست دی اور مصر کو سلطنتِ روما میں شامل کر لیا۔ قلوپطرہ نے (سانپ سے ڈسوا کر) خودکشی کر لی۔ مارک انتنی اسکندریہ بھاگ گیا اور کچھ عرصے بعد اس نے بھی خودکشی کر لی۔ [1]

☆☆☆
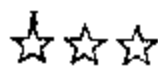
کارتھیج / قرطاجنہ

شمالی افریقہ کے ساحل اور خلیج تیونس پر ایک قدیم شہر جسے ۸۷۵ ق۔م میں اہل فونیشیا نے آباد کیا۔ یہ اس زمانے میں تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے لوگ دور دراز ملکوں سے تجارت کیا کرتے تھے۔ جس سے اس شہر کی دولت میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ ہنی بال جس نے کوہ ایلپس کو عبور کر کے روم پر حملہ کیا یہی

---

1. المنجد فی الأعلام، دائرة المعارف الاسلامية، اردو انسائیکلوپیڈیا، Encyclopedia britanica۔

کا جرنیل تھا۔ آخر رومیوں نے صد سالہ جنگ کے بعد ۱۴۶ ق ۔م میں اس شہر کو تباہ کر دیا۔ جولیس سیزر نے یہاں ایک نیا شہر آباد کیا جو آگسٹس کے دور میں رومیوں کا انتظامی صدر مقام بن گیا۔ ۶۹۸ء میں حسن بن نعمان گورنر مصر نے اس شہر کو فتح کیا۔ تیونس کے نواح میں اس کے کھنڈرات ملتے ہیں۔ 1

☆☆☆

لارنس، کرنل، لارنس آف عریبیا

یہ انگریز مہم جو ادیب ہے، جس نے ترکوں کے خلاف عرب میں بغاوت کرائی۔ لارنس آف عریبیا کے لقب سے مشہور ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور شام اور عراق میں آثارِ قدیمہ کی کھدائی کی مہموں میں شریک ہوا۔ پہلی جنگ عظیم میں فوج میں بھرتی ہو کر شرق اوسط گیا اور مسلمان عربوں کا بھیس بدل کر عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارتا رہا۔ جنگ کے بعد شاہی ہوائی بیڑے میں ملازمت کر لی۔ موٹر سائیکل کے حادثے میں ہلاک ہوا۔ اس کی مشہور تصنیف ''دانائی کے سات ستون'' ہیں۔ 2

☆☆☆

لاطینی زبان (**)

یہ قدیم روم کی زبان ہے۔ آریائی زبانوں کی ایک شاخ اور دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے۔ یورپ کی تقریباً تمام بڑی زبانوں (فرانسیسی، اطالوی، ہسپانوی، رُومانوی اور پرتگالی) کی ماں اور تا حال رومی کلیسا کی مذہبی زبان ہے۔ ازمنۂ وسطیٰ اور نشاۃ ثانیہ کے دور تک مغربی یورپ کی تمام علمی، ادبی، سائنسی تحریریں اسی زبان میں لکھی جاتی تھیں۔ انگریزی اور جرمن زبانیں بھی اس سے متاثر ہوئیں۔ انہوں نے بیشتر سائنسی، فنی اور علمی اصطلاحات اسی زبان سے لی ہیں۔ 3

☆☆☆

---

1 دائرہ معارف اسلامیہ۔

2 دائرہ معارف اسلامیہ۔

(**) دائرہ معارف اسلامیہ۔

3 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

لسانیات

عالمی زبانوں کی تحقیق اور انداز وارتقاء کا علم۔ ماہرین لسانیات نے عالمی زبانوں کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) استثنائی یا الگ تھلگ زبانیں جس کا نمونہ چینی زبان ہے۔ (۲) ایسی زبانیں جن میں مادوں کے ساتھ اختتامی علامات کا اضافہ کیا جاتا ہے مثلاً عربی۔ (۳) سامی اور انڈویورپین زبانیں۔ لسانیاتی علم زبانوں کے باہمی ربط وارتباط کو پیش کرتا ہے اور ان کے نقطۂ آغاز کے لحاظ سے مشترک الاصل ہونے کا جائزہ لیتا ہے۔ 1

☆☆☆

لوئی چہاردہم

فرانس کا بادشاہ۔ دنیا کی تاریخ میں کسی بادشاہ نے اتنی طویل مدت تک (۷۲ رسال) حکمرانی نہیں کی۔ لوئی سیزدہم کی وفات کے بعد پانچ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے بالغ ہونے تک ملکہ این (ماں) نے اختیارات سنبھالے اور کارڈینل مزارین کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ ۱۶۵۴ء میں لوئی کی رسم تاج پوشی ادا ہوئی اور اس نے اپنے وقت کے مشہور علماء وفضلاء کو چن چن کر اپنا مشیر مقرر کیا اور ادیبوں اور فنکاروں کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی۔ نیز علوم وفنون کو ترقی دی اور فرانس میں نشاۃ ثانیہ کو فروغ دیا۔ چنانچہ سترھویں صدی کو یورپ میں لوئی چہاردہم کی صدی کہا جاتا ہے۔ اس نے پیرس سے چند میل کے فاصلے پر وارسائی میں عالی شان محلات بنوائے۔ اس کے عہد میں فرانس نے علوم وفنون، فنونِ حرب اور ادب وسیادت میں دوسرے تمام ممالک سے زیادہ ترقی کی۔ 2

☆☆☆

---
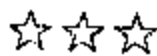
1 دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

2 دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

مرہٹہ

مغربی وسطی بھارت کے، مراٹھی زبان بولنے والے لوگ، ان کا وطن مہاراشٹر کہلاتا ہے، جو اب بھارت کا ایک صوبہ ہے۔ قدیم زمانے میں مرہٹہ ایک جنگجو قوم تھی۔ سترھویں صدی عیسوی میں اس نے اقتدار حاصل کیا۔ مسلم مغل سلطنت کے زوال اور سقوط میں اس کا بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے ہندوستان میں برطانوی راج کو بھی چیلنج کیا اور شیواجی کی زیر قیادت اس نے ہندوستان کا اقتدار دکن اور جنوبی ہند کے بیشتر علاقوں تک وسیع کر دیا۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں مرہٹے ہندوستان میں ایک ممتاز طاقت بن چکے تھے اور ان کا دارالحکومت پونا تھا۔ لیکن جلد ہی ان میں پھوٹ پڑ گئی اور مختلف سرداروں نے مختلف علاقوں میں اپنی اپنی خودمختار حکومتیں قائم کرلیں، جو اکثر باہم دست و گریبان رہتی تھیں۔ انگریزوں نے مرہٹوں سے متعدد مرتبہ پنجہ آزمائی کی اور بالآخر ۱۸۱۸ء میں انہیں زیر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مرہٹہ راجاؤں کے وزیر پیشوا کہلاتے تھے۔ ان کی بڑی ریاستیں بڑودہ، گوالیار اور اندور تھیں۔ 1

☆☆☆

مسیحا

مسیحا کا معنی ہے نجات دہندہ۔ قبطی لفظ مسیح سے لیا گیا ہے۔ عربی میں پاک یا بابرکت کے معنی میں آتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ قرآن پاک میں بھی مسیح ابن مریم آتا ہے۔ 2

☆☆☆

1 اردو انسائیکلو پیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ، مسلم ثقافت ہندوستان/عبدالمجید سالک/530-533، تاریخ پاک و ہند۔

2 سورۂ نساء:182، موضوعہ مصطلحات العلوم/639۔

مفروضہ

دنیا میں بعض باتیں ایسی ہیں جنہیں ہم اپنے حواس خمسہ کی مدد سے سمجھ سکتے ہیں اور اپنے مشاہدے یا عملی تجربے سے ان کی تصدیق بھی کر سکتے ہیں۔ ایسی باتیں حقائق کہلاتی ہیں۔ مثلاً خشک لکڑی گیلی لکڑی کی نسبت آسانی سے جلتی ہے اور یہ ایک حقیقت (FACT) ہے۔ لیکن ان حقیقتوں کی توجیہہ یا ثبوت کے لیے ہمیں بعض باتوں کو بطور بنیاد ماننا پڑتا ہے جنہیں مفروضہ (HYPOTHESIS) کہا جاتا ہے۔ ان مفروضات کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی انہیں بغیر ثبوت ہی کے مان لیا جاتا ہے مثلاً گیسوں اور سالمات کے ضمن میں ایواگیڈرو (AVAGADRO) نے ایک مفروضہ پیش کیا کہ تمام گیسوں کے مساوی حجم لیے جائیں، ان کا درجۂ حرارت اور دباؤ بھی یکساں ہو تو ان کے اندر یکساں تعداد میں سالمے ہوں گے۔ یہ مفروضہ ہے اور بغیر واقعی شمار کیے اسے مانا جاتا ہے۔ [1]

☆☆☆
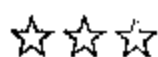
مقدس سلطنت روما/ ﴿الم، غُلبت الروم﴾ (**)

یورپ کی وہ عظیم الشان سلطنت جس کی بنیاد آٹو اوّل (OTTO 1) نے ڈالی اور جس کا خاتمہ ۱۸۰۶ء میں فرانسس اوّل کے ہاتھوں ہوا۔ ۹۶۲ء سے ۱۲۵۰ء تک اس نے جرمنی اور اٹلی پر مشتمل ایک قسم کی وفاقی سلطنت کی صورت اختیار کیے رکھی۔ اس عرصے میں شہنشاہ کے اختیارات محض اپنی خاندانی املاک اور سرداریوں تک ہی محدود تھے جو اس کی برتر طاقت سے خائف رہتے تھے۔ تاہم زمانہ وسطیٰ کے سیاسی نظریے کے مطابق یہ سلطنت قدیم سلطنت روما کی جانشین تھی۔ اس نظریے کے تحت پاپائے روم اور شہنشاہ کو تقریباً

---

1 المورد الوسیط، فیروز اللغات، Oxford-Press English Dictionary ۔

(**) سورۂ روم/1-2۔

یکساں اقتدار اور اختیارات حاصل تھے جس کی وجہ سے ان میں اکثر تصادم ہوتا رہتا تھا۔ یہ سلطنت اکثر اوقات تمام یورپی ممالک پر اپنی سیادت کا دعویٰ رکھتی تھی۔ مگر ۱۲۵۰ء کے بعد یہ صرف جرمنی، مشرقی فرانس کے کچھ حصے اور اٹلی تک محدود ہو کے رہ گئی۔ رسمی طور پر شہنشاہ کا انتخاب عمل میں آتا تھا جو ۱۳۵۶ء کے بعد سات جرمن شہزادے یا دیگر منتخب کنندگان عمل میں لاتے تھے۔ علاوہ ازیں ایک اور تنظیم بھی قائم تھی، جس کا نظم ونسق کے امور سے عہدہ برآ ہونا تھا مگر اس کے اختیارات غیر واضح تھے۔ اس کے بڑے بڑے شہنشاہ حسب ذیل ہیں:

(۱) آٹو اول (OTTO 1) (۹۶۲ء تا ۹۷۳ء)

(۲) ہنری سوم (HENRY 3) (۱۰۳۹ء تا ۱۰۵۶ء)

(۳) ہنری چہارم (HENRY 4) (۱۰۵۶ء تا ۱۱۰۵ء)

ہنری چہارم اور پوپ گریگری ہفتم کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی اور فریڈرک ثانی کے عہد میں شدت اختیار کرگئی اور ایک طرح سے قدیم سلطنت کے خاتمے پر منتج ہوئی۔ پھر ہپسبرگ خاندان نے اس کا احیا کیا اور جدید سلطنت جو زیادہ تر جرمنی اور اس کے مقبوضات پر مشتمل تھی انیسویں صدی تک قائم رہی اور نپولین کے ساتھ جنگوں کی نذر ہو کر رہ گئی۔ [1]

☆☆☆
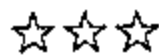
لارڈ میکالے

یہ برطانوی مؤرخ اور ادیب ہے۔ ۱۸۳۰ء میں پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا۔ اور ۱۸۳۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مشیر قانون کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ اسی کے مشورے سے ہندوستانیوں کی تعلیم کا نظام رائج ہوا جس کا مقصد سرکاری دفتروں کے لیے کلرک فراہم کرنا تھا۔ اس نظام میں ادب، زبان، تاریخ وغیرہ پر زور دیا گیا اور صنعت وحرفت اور سائنس کی تعلیم کو نظر انداز کیا گیا۔ میکالے ۱۸۳۸ء میں انگلستان واپس چلا گیا۔

---

1. المنجد فی الأعلام، دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلوپیڈیا، Encyclopedia britanica۔

۱۸۴۸ء میں تاریخ انگلستان لکھی جو انشا پردازی اور اسلوب بیان کے باعث مقبول ہوئی۔ متعدد ادبی اور تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ کچھ عرصہ وزیر جنگ بھی رہا۔ ۱۸۵۶ء میں لارڈ کا خطاب پایا۔ 1

☆☆☆
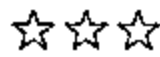
نابلیون/ نپولین

یہ مشہور فرانسیسی جنرل اور بادشاہ تھا۔ جزیرہ کارسیکا میں پیدا ہوا۔ پیرس اور برائن کے فوجی اسکولوں میں تعلیم پائی اور انقلاب فرانس کے دوران میں سب سے پہلی کامیابی تولون کے محاصرے (۱۷۹۳ء) میں توپخانے کی مدد سے حاصل کی۔ اس کے بعد اٹلی میں جمہوری فوج کے کمانڈر کی حیثیت سے پے در پے فتوحات حاصل کیں اور قومی ہیرو بن گیا۔ ۱۷۹۷ء میں مصر میں برطانیہ کے خلاف ایک مہم کا کماندار ہو کر گیا۔ ۱۷۹۹ء کے موسم خزاں میں پیرس واپس گیا اور حکومت کا تختہ الٹ کر خود براجمان ہو گیا۔ انتظامیہ کی ابتری کو دور کر کے امن قائم کیا۔ مالی نظام میں اصلاح کی، عدالتوں کا نیا ضابطہ تیار کیا، تعلیم کو عام کرنے کا انتظام کیا اور فرانسیسی قوانین کی باقاعدہ ضابطہ بندی کے کام کی نگرانی کی۔ ۱۸ رمئی ۱۸۰۴ء کو اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۸۰۵ء میں آسٹریا اور ۱۸۰۶ء میں جرمنی کو شکست دی۔ اپنی بے اولاد بیوی جوزیفائن کو طلاق دے کر شاہ آسٹریا کی بیٹی ماری لویزا سے شادی کر لی۔ ۱۸۱۲ء میں روس پر حملہ کیا مگر شکست کھائی۔ ماسکو سے پسپا ہوتے وقت اس کی تقریباً ساری فوج تباہ ہو گئی۔ ۱۸۱۳ء میں پروشیا اور آسٹریا نے روس کے ساتھ مل کر لائپزیگ کے مقام پر اسے شکست فاش دی۔ وہ تخت سے دست بردار ہو گیا اور ایلبا کے جزیرے میں قید کر دیا گیا، مگر سو دن کے بعد وہاں سے نکل بھاگا اور فرانس واپس آیا اور فوج جمع کر لی، لیکن ۱۸ رجون ۱۸۱۵ء کو واٹرلو کے میدان میں اسے شکست ہوئی اور سینٹ ہلینا کے جزیرے میں جلاوطن کر دیا گیا۔ وہیں فوت ہوا، بعض عرب مؤرخین نے ان کے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ 2

☆☆☆

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ، تاریخ ہند/ میڈوز ٹیلر۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

نوروز

ایرانیوں کا قومی تہوار جو ۲۱ ر مارچ کو ہر سال منایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس جشن کا بانی جمشید تھا۔ اس دن سورج برج سے برج حمل میں داخل ہوتا ہے۔ ملک میں شاہ سلجوقی کے دور (۱۰۹۷ء) میں نوروز کا دن ۲۱ ر مارچ متعین ہوا۔ عباسیوں، سامانیوں اور غزنویوں کے زمانے میں یہ جشن سرکاری طور پر منایا جاتا رہا۔ صفویوں کے دور میں اسے پرانی عظمت ملی۔ ان دنوں ایران میں یہ جشن تیرہ روز تک منایا جاتا ہے۔ [1]

☆☆☆

وادئ سندھ کی تہذیب

۱۹۲۲ء تک دنیا کی ابتدائی تہذیب کی تاریخ مصر، میسوپوٹیمیا اور ایران تک ہی محدود تھی۔ ہندوستان ایک حد تک نیا ملک تصور کیا جاتا تھا جس کی تاریخ رگ وید سے شروع کی گئی۔

ہندوستان کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر میجر جنرل کننگھم نے ۳۰۰ صدی قبل مسیح کے بدھ تاریخی مقامات کا معاینہ کیا لیکن اس سے قبل کسی ابتدائی زندگی کا پتا نہ لگایا جا سکا۔ سرجان مارشل کے زیر ہدایت آثار قدیمہ کی اسکیم شروع کی گئی۔ ۱۹۲۳ء میں مسٹر بزجی نے سندھ میں موئن جودڑو کے مقام پر بدھ سٹوپار کی کھدائی کرتے ہوئے کچھ قدیم مہریں دستیاب کی۔ اس طرح ساہیوال (منٹگمری) کے قریب ہڑپا کی دستیاب شدہ اشیاء اور موہن جودڑو سے حاصل شدہ اشیاء مین مشابہت پائی گئی ان دونوں مقامات کے علاوہ ۱۹۲۴ء میں بلوچستان میں عامری، نل اور دیگر مقامات سے دستیاب کی ہوئی اشیاء کی مشابہت حیرت انگیز

---

1. المنجد فی الأعلام۔

ثابت ہوئی اور یوں ہندوستان کی قدیم ترین معاشرت پر روشنی ڈالنے کے امکانات پیدا ہوئے۔

حال ہی میں ریاست خیر پور اور لمبدھی (کاٹھیاواڑ) نے اس معاشرے کے دائرے کو اور بھی وسیع کر دیا ہے۔ ریاست خیر پور کی تہذیب موئن جودڑو میں سیپیاں اور گھونگھے کو مبے اور بروچ کی بندرگاہوں سے لائے گئے ہیں۔

سندھ میں ۱۹۲۵ء میں پیارو گوٹھ ریلوے اسٹیشن کے قریب لوہوم جودڑو کا مقام معلوم کیا گیا۔ اس کے علاوہ کل ماہی دمب جیوانری کے مقامات پر بھی کھدائی کی گئی۔ اب تک تقریباً ۱۰۰ فٹ مختلف مقامات کھو دے جا چکے ہیں۔ سرسٹین کی تحقیقات نے بلوچستان اور جنوبی ایران کی معاشرت پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ وادیٔ سندھ کے معاشرے اور جنوبی ایلم اور سومیر میں مشابہت پائی گئی ہے۔ عرصے تک مورخین اور ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم ہندوستانی معاشرے کو ایرانی معاشرے کا حصہ تصور کیا۔ لیکن مختلف مقامات کی کھدائی سے اس بات کا ثبوت ملا کہ ہندوستانی معاشرت نے آزادانہ ترقی پائی، میسوپوٹیمیا اور ایرانی ہم عصر معاشرے سے تجارتی مراسم پیدا کیے اور یوں دونوں کلچر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوئے۔

ماہرین نے ہڑپا اور موئن جودڑو کے معاشرے کی زندگی ۸۰۰ سال بتائی ہے۔ یہاں کا کلچر ترقی یافتہ تھا اور کئی صورتوں میں جدید طرز زندگی سے کم نہ تھا۔ ان شہروں کی سڑکیں پکی اور ایک دوسرے کے زاویہ قائمہ پر بنائی گئی تھیں۔ آب نکاسی کا نظام موجودہ بہترین شہروں کے مقابلہ پر تھا۔ چھوٹی نالیاں بڑی نالیوں میں آکر ملتی تھیں۔ ہر نالی پکی اور اوپر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ حفظانِ صحت کے اصولوں کو مدنظر رکھا جاتا تھا ان قدیم کھنڈروں میں موئن جودڑو کا حمام اور ہڑپا کا اناج گھر قابلِ ذکر ہیں۔ ٹیکسلا انسٹیٹیوٹ کے چیئرمین اور قائداعظم یونیورسٹی کے VC جناب حسن دانی کے مطابق وادیٔ سندھ کی تہذیب دنیا کی سب سے قدیم ترین تہذیب ہے۔ [1]

☆☆☆

---

1. تاریخ سندھ/ محمد معصوم بکھری۔

قرطاسِ ابیض

بعض ممالک میں حکومت کی دستاویزات عموماً کتابی شکل میں شائع ہوتی ہیں۔ان کے سرورق مخصوص رنگ کے ہوتے ہیں اوران رنگوں سے ان کے موضوع کا پتا چلتا ہے۔ برطانوی حکومت کی، دفاع یا بجٹ کی، دستاویزات کے سرورق سفید ہوتے ہیں، اسی لیے انہیں وہائٹ پیپر کہا جاتا ہے۔ کسی اہم مسئلے کے متعلق حکومت کا مفصل بیان بھی، بسا اوقات، قرطاس ابیض کہلاتا ہے۔ پارلیمنٹ میں خارجہ پالیسی پر جو دستاویزات پیش کی جاتی ہیں وہ برطانیہ میں بلیو بکس (نیل کتابیں) اوراٹلی میں گرین بکس (سبز کتابیں) کہلاتی ہیں۔ کسی حکومت کے خلاف اپوزیشن کا مفصل بیان بھی وائٹ پیپر کہلاتا ہے۔ پاکستان میں کئی وائٹ پیپروں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ مثلاً بھٹو کے خلاف ضیاءالحق کا شائع کرایا ہوا وائٹ پیپر۔ [1]

☆☆☆
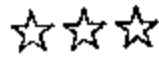
ہرکولیس/ہیراکلیس (ہرقل)

یہ یونانی ہراکلس کا لاطینی تلفظ ہے۔ حقیقی آدمی جس کے کارنامے افسانوی حیثیت اختیار کر گئے۔ یونانی داستانوں کے مطابق زیوس اس کا باپ اور ٹیرینس ماں تھی۔ ہرکولیس جب پیدا ہوا تو زیوس (زلیس) کی بہن اور بیوی ہیرا نے اسے ہلاک کرنے کے لیے سانپ کو مقرر کیا اور ناکامی کی صورت میں متعدد سازشیں کیں لیکن ہرکولیس کو دیوتاؤں نے بچالیا۔ [2]

---

1. اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز اللغات اردو۔
2. ہرکولیس کے محیر العقول ۱۲ کارناموں کے لیے المنجد فی الأعلام لفظ (ہیراکلیس)

ہرکولیس کو اہل ایتھینز دیوتا سمجھتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ فنون وادب میں یہ قوت کی علامت ہے۔ اسے مجسمے میں قوی ہیکل، مناسب قد وقامت اور شیر کی کھال پہنے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ اس کا خاص ہتھیار کمان اور عصا ہے۔ ہرکولیس کی پرستش بطور دیوتا اٹلی والے بھی کرتے تھے۔ وہاں اسے تاجروں کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔ 1

☆☆☆

ہنی بال

کارتھیج (تیونس) کا نامور جرنیل۔ سپاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کے باپ نے مرتے وقت اس سے حلف لیا تھا کہ وہ روم سے کارتھیج (قرطاجنہ) کی شکست کا بدلہ لے گا۔ چنانچہ ہنی بال دوسری کارتھیجی جنگ ۲۱۹ تا ۲۰۲ ق۔م میں بڑی بہادری سے لڑا۔ اس سترہ سالہ جنگ میں اس نے اپنی ۴۶ ہزار فوج کے ساتھ، جس میں ہاتھی بھی شامل تھے، کوہ ایلپس کو عبور کیا، جو ایک محیّر العقول کارنامہ تھا اور اٹلی کی سرزمین میں پہنچ کر رومیوں کو سولہ سال تک پے در پے شکستیں دیں، لیکن بالآخر خود ہزیمت سے دوچار ہوا اور زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ 2

☆☆☆

ہوچی منہ (Ho Chi Minh)

ویت نام کے عظیم رہنما، نظریاتی عالم اور ویت نام میں ویت منہ انقلابی تنظیم کے بانی۔ غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں ایک فرانسیسی بحری جہاز میں ملازم ہوئے۔ بعد ازاں لندن میں چھوٹی موٹی

---

1 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا، المنجد فی الأعلام۔

ملازمتیں کیں۔ ۱۹۱۷ء میں فرانس گئے اور وہاں سوشلسٹ تحریک میں حصہ لیا۔ کچھ عرصہ بعد وطن واپس آ کر فرانسیسی استعمار کے خلاف کمیونسٹوں کی گوریلا تحریک (ویت منہ) منظم کی۔ ۱۹۴۵ء میں ویت منہ نے فرانسیسی فوجوں پر تابڑتوڑ حملے شروع کیے۔ یہ گوریلا جنگ ۹ سال جاری رہی اور بالآخر ۷ مئی ۱۹۵۴ء کو ڈین بن پھو کے مقام پر فرانسیسیوں نے عوامی جمہوریہ قائم کی جس کے وہ صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۶۱ء میں دوبارہ صدر چنے گئے۔ ان کی تحریروں کا ایک مجموعہ "ہوچی منہ کے منتخب مضامین" ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔ [1]

☆☆☆
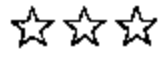
پیر پگاڑا

پاکستان میں حروں (حر تحریک) کے روحانی پیشواؤں کا لقب جن کا ایک مرکز پیر جو گوٹھ دریاء سندھ کے بائیں کنارے پر سابق خیر پور اور دریائے سندھ کے درمیان گھرے ہوئے علاقے میں واقع ہے اور دوسرا مرکز سانگھڑ میں ہے جو صحرائے تھر کے مغربی کنارے پر واقع ہے۔

پیران پگارا کے سلسلے کا آغاز سات پشت پہلے ہوا۔ جب سندھ کا یہ عظیم گھرانا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا چنانچہ ایک بھائی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اور دوسرے بھائی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک ملی۔ چنانچہ پہلے بھائی کا سلسلہ "پیر جھنڈا" کے نام سے مشہور ہوا۔

دستار مبارک (پگڑی) کی وجہ سے دوسرا سلسلہ پگاڑا کہلایا۔

موجودہ گدی نشین شاہ مرداں شاہ پیر صاحب پگارا ہفتم ۲۲ نومبر ۱۹۲۸ء کو پیر جو گوٹھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید صبغۃ اللہ راشدی تھا جو پیر صاحب پگارا ششم کے نام سے مشہور تھے۔ وہ اپنی زندگی میں انگریز

---

1. اردو انسائیکلوپیڈیا، المنجد فی الأعلام (هوشي منه)

سامراج سے برسرِ پیکار رہے۔ اس خاندان نے ہمیشہ اسلام کے لیے اعلیٰ خدمات سرانجام دی ہیں۔ ڈیڑھ سو برس قبل جب برِ اعظم پاک و ہند میں مسلمانوں کی مشہور عوامی تحریک ''تحریک مجاہدین'' کا آغاز ہوا اور سید احمد شہید راجپوتانہ کے راستے سندھ سے ہوتے ہوئے شمال مغربی کہساروں کی طرف نکلے تو سندھ میں اسی خاندان نے انہیں ہر ممکن مدد کا یقین دلایا اور سندھ میں یہی گھرانا اس تحریک کا مرکز قرار پایا۔

جنگ عظیم دوم میں پیر صاحب پگارا ششم نے برطانوی استعمار پر ضرب کاری لگانے کے لیے مسلح جدوجہد کی جو خالص عوامی تحریک تھی اور جس کا رابطہ برعظیم کی آزادی کے رہنماؤں سے تھا لیکن آزادی کے اس عظیم مجاہدانہ منصوبے کا علم قبل از وقت انگریزوں کو ہوگیا اور انہوں نے پیر صاحب پگارا کی اس تحریک کو نہایت بے دردی سے کچل ڈالا۔ آپ کو گرفتار کرلیا گیا اور آپ کے مرکز کو ڈائنامیٹ سے اڑا دیا گیا۔ پیر صاحب پگارا ششم کو انگریز کی فوجی عدالت نے سزائے موت دی اور سزا کے بارے میں آپ کو چند گھنٹے پہلے مطلع کیا گیا جس کو آپ نے بغیر کسی گھبراہٹ اور پریشانی کے نوافل ادا کرتے ہوئے بخوشی قبول کیا۔ چنانچہ آپ کو پھانسی دے کر شہید کردیا گیا اور آپ کی حر تحریک کو کچل دیا گیا۔

پیر صاحب کیخلاف جب فوجی اقدام ہوا تھا تو انہیں گرفتار کرلیا گیا تھا اور ان کے اہل خانہ کو کراچی لے جا کر نظر بند کردیا گیا تھا۔ بعد میں آپ کے دونوں صاحبزادوں شاہ مردان شاہ سکندر علی اور شاہ نادر شاہ کو جن کی عمر بالترتیب تیرہ اور گیارہ سال تھی انگریز کے سازش اور فریبی مزاج کی وجہ سے پہلے علی گڑھ اور پھر برطانیہ لے جایا گیا جہاں وہ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ دوران تعلیم میں انہیں اپنے خاندانی پس منظر تاریخ اور روایات کو فراموش کرنے کی تعلیم دی جاتی رہی۔

پیر صاحب پگارا ہفتم نے ابتدائی تعلیم سندھی میں حاصل کی نیز اردو، سندھی، انگریزی، عربی، لاطینی میں بھی مہارت حاصل کی۔ ملک واپس آنے پر دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ ۲۳ سال کی عمر میں ۴ر فروری ۱۹۵۲ء مین گدی نشین ہوئے۔ کیونکہ پاکستان بن جانے کے بعد اس خاندان کی سابقہ خدمات کے صلے میں انہیں وطن واپس بلالیا گیا اور گدی پیر صاحب پگارا کو بحال کردیا گیا۔ پیر پگارا فی الوقت پاکستان مسلم لیگ فنکشنل کے صدر ہیں۔ [1]

☆☆☆

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا۔
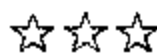
آشوریہ

تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح، شمالی عراق میں، دریائے دجلہ وفرات کے درمیان، فروغ پانے والی ایک قدیم تہذیب وسلطنت جو اپنے دور عروج میں مصر، شام، لبنان، آرمینیا، ایلم (جنوب مغربی ایران) اور بابل تک پھیلی ہوئی تھی۔ ابتداء میں اس کا دارالسلطنت شہر اشور (موجودہ قلعہ شرغتہ، جو موصل سے ۵۵ میل جنوب میں واقع ہے) تھا۔ اسی کے نام پر سلطنت کا نام آشوریہ پڑا۔ بعد میں آشوری فرماں رواؤں نے شہر نینوا کو دارالسلطنت بنایا اور وہاں عظیم الشان محل، معابد اور دیگر عمارات تعمیر کیں۔

شاہ ایشور کی وفات کے بعد سلطنت آشوریہ کا زوال شروع ہوا اور ۶۱۲ ق م میں اہل بابل نے نینوا پر قبضہ کر کے اشوری سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ صرف اس کا نام اسیریا (اشوریہ) یونانی لفظ سیریا (Syria) کی شکل میں باقی رہا، جو اب شرقِ اوسط کے ایک جدید ملک (شام) کا نام ہے۔

آشوریوں کے مذہبی عقائد قدیم سومیری اور بابلی عقائد سے ماخوذ تھے اور ان کا سب سے بڑا دیوتا آشور تھا۔ جس کا سر گدھ کا اور جسم انسان کا تھا۔ آشوری علوم وفنون کے دِل دادہ تھے۔ نینوا کی کھدائی سے جن عمارتوں کے کھنڈر دریافت ہوئے ہیں وہ ان کی عظمت کے گواہ ہیں۔ شاہ آشور کے شاہی کتب خانے میں مذہب، تاریخ، جغرافیہ اور دیگر موضوعات پر چالیس ہزار کتابیں تھیں۔ یہ کچی مٹی کی تختیوں پر لکھی گئی تھیں۔ [1]

☆☆☆

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ۔
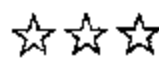
انٹرپول

یہ انٹرنیشنل کرمنل پولیس آرگنائزیشن تفتیش وانسداد جرائم کی بین الاقوامی پولیس ہے۔۱۹۵۶ء میں قائم ہوئی۔ایک سو سے زائد ممالک کی پولیس تنظیمیں اس کی رکن ہیں۔مقصد: بین الاقوامی نوعیت کے جرائم کی روک تھام میں رکن ممالک کی مدد اور بین الاقوامی مجرموں کا مواخذہ۔سیاسی، مذہبی، فوجی اور نسلی جرائم میں دست اندازی اس کے حیطہ اختیار سے باہر ہے۔جنرل اسمبلی، ایگزیکٹیو کمیٹی، جنرل سیکریٹریٹ اور نیشنل بیورو انٹرپول کے خصوصی ادارے ہیں۔ 1

☆☆☆

ایتھنے

یہ یونانی دیومالا کی ایک دیوی ہے۔بعض محقق اسے زمانہ وید کی ایک دیوی سرسوتی کا ثنی بتاتے ہیں۔ علم وفضل، عقل وذہانت امن وفراغت اس کی ذات سے عبارت تھے۔ایتھنے ریس کے سر سے پیدا ہوئی۔تہذیب وتمدن، نفاست ولطافت کی دیوی ہونے کے علاوہ متمدن زندگی کی پاسبان ونگران بھی ہے۔دستکاری اور کھیتی باڑی کی اسی نے لگام ایجاد کی۔وہ تین کنواری دیویوں میں سب سے ممتاز تھی۔ سنگتراشوں اور مصوروں نے اس کے مجسموں اور تصویروں میں اسے مختلف گھریلو کام کرتے ہوئے دکھایا ہے۔ایتھنز اس کا خاص شہر، زیتون کا درخت اس کا خاص درخت اور الّو اس کا خاص پرندہ ہے۔ 2

☆☆☆

1 اردو انسائیکلوپیڈیا، بین الاقوامی واسلامی جمہوریہ/محمد الیاس بھٹکلی۔

2 اردو انسائیکلوپیڈیا۔

ایفرودیت

یونانی دیومالا میں حسن اور محبت کی دیوی جو دیوتاؤں اور آدمیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ظہور سمندر کے جھاگ سے ہوا۔ پیرس دیوتا نے اسے ملکہ حُسن قرار دیا اور ایک سنہری سیب عنایت کیا۔ اس کے پاس ایک طلسمی کمر بند تھا جس کے ذریعے وہ دوسری عورتوں کو حُسن و خوبی عطا کرتی تھی، فاختہ اس کا پسندیدہ پرندہ ہے۔ بعض اوقات طوطا اور راج ہنس بھی اس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لاطینی دیومالا میں اسے وینس کہتے ہیں۔ [1]

☆☆☆
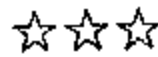
ایکلیز

یہ یونانی دیومالا کا ہیرو ہے۔ مائی سینہ کے بادشاہ اگامیمنن کا سپہ سالار۔ اس کا باپ (پیلیئس) انسان اور ماں (تھیئس) دیوی تھی۔ یونانی دیومالا میں یہ واحد مثال ہے کہ کسی دیوی نے کسی فانی انسان سے شادی کی۔ تھیئس نے ایکلیز کو لافانی بنانے کے لیے اس کی ایڑی پکڑ کر دریائے ستائکس میں غوطہ دیا تو اس کا سارا بدن (سوائے ایڑی کے جو پانی میں تر نہیں ہوئی تھی) ہتھیاروں کے اثر سے مامون ہو گیا (انگریزی میں قابلِ تسخیر یا کمزور مقام کو ایکلیز کی ایڑی کہتے ہیں)۔

ہومر کے بیان کے مطابق جب اگامیمنن نے اپنی بھاوج شہزادی ہیلن کی بازیابی کے لیے ٹرائے پر

---

1. دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

حملہ کیا تو ایکلیز بڑی بہادری سے لڑا، لیکن اگامیمنن نے ایکلیز کی محبوبہ کو اپنے حرم میں داخل کرلیا تو وہ خفا ہوگیا اور لڑنے سے انکار کردیا۔ ایکلیز کی علیحدگی سے فوج میں سراسیمگی پھیل گئی۔ پٹروکلس کو ایکلیز کے روپ میں میدانِ جنگ میں بھیجا گیا، لیکن ہیکٹر نے ایک ہی وار میں اس کو ہلاک کردیا۔ اس کے بعد ایکلیز اور اگامیمنن کے درمیان مصالحت ہوگئی اور ایکلیز نے ہیکٹر کو قتل کردیا۔ آخر ٹرائے کے صدر دروازے کے پاس ہیلن کے عاشق، پارس نے ایکلیز کی ایڑی میں تیر مار کر اسے ہلاک کردیا۔ پارس کو ایکلیز کا یہ "کمزور مقام" دیوتا اپولو نے بتایا تھا۔ ایکلیز اور ہیکٹر کے مرنے سے ٹرائے کی جنگ ختم ہوگئی۔ [1]

☆☆☆

ایلورا

یہ جنوبی ہند کے مصنوعی غار ہے، جو قدیم زمانے کے کاریگروں نے پہاڑ تراش کر بنائے تھے۔ دراصل یہ مندر ہیں جو حیدرآباد دکن کے نزدیک اورنگ آباد سے تیرہ میل شمال مغرب کی جانب واقع ہیں۔ کل غار یا عمارتیں چونتیس ہیں۔ ان میں بدھ مت کی بارہ، برہمنوں کی سترہ اور جینیوں کی پانچ ہیں۔

پہاڑ کی جن چٹانوں کو تراش کر یہ غار بنائے گئے ہیں وہ خشک پہاڑ ہیں۔ ان غاروں کی ترتیب اور تراش میں معماروں نے کمال دکھایا ہے۔ چٹانوں کو کاٹ کر دو منزلہ اور سہ منزلہ عمارتیں تیار کی گئی ہیں۔ ایک ہی چٹان سے دو منزلہ اور سہ منزلہ عمارت کی چھت، پیلپائے، دالان، حجرے، سیڑھیاں اور دیواروں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے بت بنانا آسان کام نہیں۔ ان سنگ تراشوں کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ اندازہ کرلیا کہ جس چٹان میں وہ عمارت کھودنے والے ہیں وہ اندر سے ٹھوس اور دراڑ کے بغیر ہے۔ ان عمارتوں کے کمرے بھی اس قدر حیرتناک حد تک وسیع ہیں کہ ان میں ایک

---

[1] دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلوپیڈیا۔

ہزار سے زیادہ آدمی ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ تمام عمارتوں میں دو طرفہ زینے تراشے گئے ہیں جن پر چار پانچ آدمی بیک وقت ایک ساتھ چڑھ سکتے ہیں۔ اسی سے باقی عمارتوں کی وسعت اور عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان میں ہوا اور روشنی کا بھی انتظام تھا۔ صرف چند کمرے ایسے ہیں جنہیں تاریک کہا جاسکتا ہے۔

ان غاروں میں بے شمار تراشیدہ بت ہیں جن کی ساخت بتاتی ہے کہ اس زمانے کے سنگ تراش اپنے فن میں کس قدر ماہر تھے۔ بعض بت بہت بڑے لیکن طبعی تناسب کے لحاظ سے کاریگری کے بہترین نمونے ہیں۔ سب سے زیادہ بُت بُدھ، مہادیو اور پاروتی کے ہیں۔ مشہور ہے کہ مہادیو جی سب سے پہلے انہی پہاڑیوں پر ظاہر ہوئے تھے اور اپنی بیوی پاربتی (پاروتی) کے ساتھ یہاں رہا کرتے تھے۔

ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ ایلورا کی عمارتیں کسی ایک زمانے میں تعمیر نہیں ہوئیں بلکہ مختلف زمانوں میں ایک طویل عرصے یعنی صدیوں کی محنت اور صبر و استقلال کا نتیجہ ہیں۔

جبل نور القرآن، کوئٹہ:

اسی طرح کے غار (تورابورا) ودیگر جہادی علاقوں میں مجاہدین نے بنائے تھے، نیز کوئٹہ میں ایک (جبل نور القرآن) قرآن کریم کے بوسیدہ نسخوں کے لیے ہے، جہاں اس طرح کے عجیب وغریب اور قابلِ دید غار بنائے گئے ہیں، احقر نے بچشم خود مشاہدہ کیا ہے۔ [1]

☆☆☆

بیزنطیة / بازنطینی سلطنت

مشرقی سلطنتِ روم۔ چوتھی صدی عیسوی میں سلطنتِ روم دو حصوں، مغربی اور مشرقی میں تقسیم ہوگئی۔ مشرقی حصہ اپنے دارالحکومت بازنطان کے نام پر بازنطینی سلطنت کہلایا۔ (۳۳۰ء میں بازنطینی شہنشاہ قسطنطین) نے بازنطان کا نام اپنے نام پر قسطنطنیہ رکھ دیا اور ۱۹۳۰ء میں ترکی کی حکومت نے بدل کر استنبول (اسلام بول) کر دیا۔

[1] دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلو پیڈیا۔

بازنطینی سلطنت میں شام، ایشیائے کوچک، مصر، تھریس اور یونان کے ممالک شامل تھے۔ پانچویں صدی عیسوی میں بلقان کے سلاؤ قبائل اور جرمنی کی ونڈال قوموں نے قسطنطنیہ پر کئی حملے کیے۔ چھٹی صدی عیسوی میں اس کے عروج کا زمانہ تھا، خصوصاً شہنشاہ جسٹینین کا دورِ حکومت۔ لیکن ساتویں صدی میں یہ زوال پذیر ہوئی اور شمال اطالیہ کے میدان میں لمبارڈی میں بسنے والوں، ایرانیوں اور عربوں نے اس پر پے در پے حملے کیے۔ جس کے باعث یہاں طوائف الملوکی اور انتشار کا دور دورہ رہا۔ ساتویں صدی کے اختتام پر شمالی افریقہ، مصر، شام، فلسطین اور قبرص وغیرہ پر عربوں نے قبضہ کرلیا اور آخری بازنطینی سلطنت حقیقت میں یونانی سلطنت بن کررہ گئی۔ آخر ۱۴۵۳ء میں ترکی کے بادشاہ سلطان محمد الفاتح الثانی کی فوجوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کرلیا اور آخری بازنطینی بادشاہ قسطنطین یازدہم مارا گیا۔ قسطنطنیہ کے سقوط سے ازمنہ وسطیٰ کا خاتمہ اور یورپ میں نشاۃِ ثانیہ کا آغاز ہوا۔ [1]

☆☆☆

تمثال/صنم/بُت

خدا یا کسی دیوی، دیوتا کی، پتھر، لکڑی یا دھات کی بنی ہوئی شبیہ جسے ارتکازِ توجہ کے لیے عبادت کے وقت سامنے رکھ لیا جائے۔ اسی شبیہ کو سنسکرت میں مورتی، عربی میں صنم، فارسی میں بت اور انگریزی میں IDOL کہتے ہیں، جو یونانی لفظ EIDOLON سے ماخوذ ہے۔

الہامی مذاہب بت پرستی کے مخالف ہیں۔ اسلام نے تو اس باب میں اتنی احتیاط برتی کہ جان داروں کے مجسمے اور تصویریں بنانے کی بھی ممانعت کردی۔ یہودیوں کے معبدوں میں مسلمانوں کی مساجد کی طرح، کوئی مجسمہ یا تصویر نہیں ہوتی اور شبیہیں ہوتی ہیں، عیسائیوں کا پروٹسٹنٹ فرقہ عبادت کے وقت جناب عیسیٰ

1. تاریخ اسلام/ نجیب آبادی، المنجد فی الأعلام (البزنطية/ الأمبراطورية)

علیہ السلام کی تصویر یا مجسمہ سامنے رکھنا ضروری نہیں سمجھتا۔ ہندوؤں کا سناتن دھرمی فرقہ بت پرست ہے، لیکن آریہ سماجی مورتی پوجا کے خلاف ہیں۔ بدھ مت کے پیرو مہاتما بدھ کی مورتی کے آگے احتراماً ماتھا ٹیکتے ہیں۔ آغا خانیوں اور بوہریوں نے اپنی دکانوں، گھروں اور دیگر اہم مقامات پر آغا خان اور سیدنا برہان الدین کی مورتی نما تصویریں لگائی ہوئی ہیں۔ 1

☆☆☆
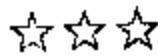
پتھر کا زمانہ/ بش کی مشہور اصطلاح

ابتدائی دور کا انسان پتھروں کے ہتھیار بنانے میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ وہ چقماق کے ٹکڑوں کو چھیلتا اور کناروں کو تیز کر کے دھار نکالتا تھا۔ لیکن وہ ان کو چمکا نہ سکتا تھا۔ اس کے ہتھیار اور اوزار بہت بھدے ہوتے تھے۔ چنانچہ جس زمانے میں یہ لوگ رہتے تھے اس کو ہم اسی وجہ سے پتھر کا زمانہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کا زمانہ پچاس ہزار سال پہلے کا بتایا جاتا ہے۔ اس وقت دنیا میں موذی جانور بکثرت تھے جن غاروں میں یہ انسان بود و باش رکھتے تھے، ان میں شیر اور ریچھ وغیرہ بھی بسیرا کر لیتے تھے۔ آب و ہوا بتدریج سرد ہوتی جا رہی تھی۔ زمین پر برف چھا رہی تھی۔ گویا برف کے زمانے کا دور دورہ تھا۔ لیکن آگ کی دریافت سے سردی کا خطرہ کم ہو رہا تھا۔ اس وقت آدمی چھوٹے موٹے جانوروں کا شکار کر لیتے تھے، لیکن بڑوں کو صرف ڈرا کر بھگا ہی سکتے تھے یعنی وہ خود شکاری بھی تھے اور شکار بھی۔ ان کی خوراک پھل، پرندے، پرندوں کے انڈے، مینڈک، مچھلی، سانپ وغیرہ تھی۔

اسی اثناء میں برف کا زمانہ ختم ہوا اور زمین پھر گرم ہوگئی۔ نتیجے کے طور پر سابقہ نسلیں فنا ہوگئیں اور جدید نسلیں ظہور میں آگئیں۔ یہ نسل سابقہ نسلوں کے مقابلے میں ترقی یافتہ تھی اور بحیرۂ روم کے ایک جزیرے میں بود و باش رکھتی تھی۔ ان لوگوں کے دماغ آج کل کے لوگوں کی طرح تھے۔ یہ لوگ گھوڑوں کا شکار

1. Oxford-Press English Dictionary، تلبیس ابلیس/ 51-61، الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة۔

کرتے، ان کا گوشت کھاتے لیکن ان پر سواری نہیں کرتے تھے، کیونکہ پالتو جانوروں کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا۔ وہ جانوروں اور پرندوں کی تصویریں بھی بنایا کرتے تھے اور اپنے مردوں کو بڑے تکلف سے دفن کرتے تھے۔ یہ زمانہ آج سے ۱۵ ہزار سال پہلے ختم ہوگیا۔

زمین بہت گرم اور مرطوب ہوگئی تو پتھر کا قدیم زمانہ ختم ہوگیا۔ اس مرحلے پر بارشیں شروع ہوگئیں اور گھنے جنگلات وجود میں آگئے۔ اب ایک اور نسل انسانی نے ابھرنا شروع کیا۔ قدیم پتھر کے زمانے کے آدمیوں کو جو گھوڑے اور ہرنوں کا شکاری تھے، بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ نسل بھی پتھر کے ہتھیار بناتی تھی، لیکن ان کے ہتھیار خوبصورت اور پالش شدہ ہوتے تھے۔ اس لیے اس زمانے کو نئے پتھر کا زمانہ کہتے ہیں۔ لیکن سابقہ نسلوں کی طرح یہ لوگ تصویر کشی سے واقف نہ تھے۔ ان لوگوں نے کاشت کاری بھی شروع کردی اور گائے، کتے، بھیڑ، بکری بھی پالنے لگے۔ مٹی کے برتن بھی بنانے شروع کردیئے۔ زیورات کے لیے سونا بھی استعمال کرتے تھے۔ پھر کچھ عرصے بعد اپنے اوزار برنج اور تانبے بنانے لگے اور تین ہزار سال پیشتر لوہا بھی استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ ان زمانوں کو تانبے کا زمانہ اور لوہے کا زمانہ بھی کہتے ہیں۔

اس وقت جنس کے بدلے جنس کے تبادلے کی صورت میں تجارت بھی شروع ہوگئی۔ تجارتی اشیاء سونا، عود کی لکڑی اور سخت قسم کے پتھر تھے۔ اس زمانے میں یورپ میں خصوصاً جھیلوں میں کھمبے گاڑ کر ان پر مکان بنائے جاتے تھے (اس کے نمونے احقر نے ساؤتھ افریقہ اور براعظم آسٹریلیا کے فیجی آئی لینڈ میں دیکھے) تاکہ جنگلی جانوروں سے محفوظ رہا جاسکے۔ اب انسان کی آبادی دنیا کے ہر حصے میں پھیل گئی۔ زراعت کا چرچا ہوا، جنگل کٹنے لگے اور اناج اور گوشت سے کھانا تیار ہونے لگا۔ لوہے کے اوزار موذی جانوروں کو تباہ اور تلف کرنے میں ممد ثابت ہوئے اور یہ جانور آہستہ آہستہ نابود ہونا شروع ہوگئے، لوہے کے ان اوزار (اسلحہ) کی نہایت جدید ترین شکلیں ٹیکنالوجی کی بدولت روز افزوں رو بترقی ہیں۔ [1]

☆☆☆

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ۔

مجسّمہ سازی/مصوری/بت تراشی

بت بنانا، مٹی یا پتھر کے صنم تراشنا، اسلام میں اس کو صحیح نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ اس سے بت تراشی جنم لیتی اور پروان چڑھتی ہے۔ جہاں تک بت تراشی کے آرٹ کے آغاز کا تعلق ہے۔ یہ زمانہ قدیم ہی سے چلا آرہا ہے۔ تہذیب کے آغاز سے بھی بہت قبل کے انسان نے تصویر کشی اور بت تراشی کا آغاز کر دیا تھا۔ مذہبی رسوم کو ادا کرنے کے لیے معبود کی ضرورت پیش آئی تو جاہل انسان نے تصویر اور بت کو اس کا متبادل اور مترادف ٹھہرایا۔ رفتہ رفتہ یہی تصاویر اور بت لوگوں نے معبود ٹھہرا لیے۔

فرانس کے میگڈالینی غاروں سے جانوروں کے بت ملے ہیں جنہیں زمانہ قبل از تاریخ کا انسان پوجا کرتا تھا۔ یورپ کے علاوہ افریقہ اور ایشیا سے بھی ایسے شواہد ملے ہیں۔ قدیم مصر میں عام طور پر فرعونوں کے مجسمے تراشے جاتے تھے جنہیں فرعون کی قائم مقام حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ انہیں سجدہ کرنا، فرعون ہی کو سجدہ کرنا ہوتا تھا اس دور میں مردوں کے ساتھ ان کے مجسموں کو بھی دفن کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بت تراشی کے فن نے خاصا عروج حاصل کیا۔

میسوپوٹیما (عراق) کے علاقے میں سمیری، بابلی، آشوری اور کلدانی تہذیبوں میں بت تراشی کو ایک فن کی حیثیت حاصل رہی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن (اُر) میں بت تراشی کا فن چار ہزار سال قبل مسیح سے رائج تھا۔ یہاں آدمیوں اور جانوروں کے بت بنائے جاتے تھے جس کے لیے پتھر، مٹی، دھات اور لکڑی وغیرہ استعمال کی جاتی تھی۔ نینوا شہر میں ۸۸۵ قبل مسیح کا دور بت تراشی کا نمایاں دور تھا۔ تقریباً ہر گھر میں بت سجے ہوئے تھے۔ جنگی واقعات کو مجسموں کی شکل دینا اسی دور سے شروع ہوا۔

قدیم یونان میں بت تراشی کا فن اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ مقدونیہ اور کریٹ کی ریاستوں میں انیسویں صدی قبل مسیح ہی میں خوبصورت مجسّمہ سازی ہوئی تھی۔ مجسّمہ سازی میں یونانی ماہرین اس قدر آگے بڑھ چکے تھے کہ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ یونان علوم کا باغ ہے اور مجسّمہ سازی اس باغ کا خوبصورت ترین

پھول ہے۔انہوں نے سنگِ مرمر اور ہاتھی دانت کے خوبصورت بت تراشے۔

یونان سے یہ فن ایران پہنچا اور یہاں فرہاد جیسے مشہور مجسمہ ساز پیدا ہوئے۔یہیں سے یہ فن ہندوستان آیا۔سکندر اعظم کے حملوں کے بعد شمالی ہندوستان میں گندھارا آرٹ نے جنم لیا۔ بدھ مت کے پیروکاروں نے اس فن کو ترقی دی۔کرشن، رام وغیرہ کے مجسموں کے ساتھ ساتھ مہاتما بدھ کے مجسمے بھی تراشے گئے۔ اگر چہ قدیم چینی ادوار شانگ اور چاؤ میں ہمیں بت تراشی کے عمدہ نمونے نہیں ملتے لیکن جو دور دوسری صدی قبل مسیح سے شروع ہوا۔چینی مجسمہ سازی کے عروج کا دور تھا۔اسی دور میں جاپانی مجسمہ سازی کا آغاز ہوا جو آج تک پورے جوش وخروش سے جاری ہے۔

یورپ میں یونانیوں کے بعد رومیوں کا دور آیا اور پھر عرصۂ دراز تک اسلامی فتوحات کی وجہ سے بت تراشی کا فن عنقا (معدوم) رہا۔یورپ کے تاریک دور میں کہیں کہیں رومی آرٹ کی بازگشت سنائی دے جاتی تھی۔پندرہویں صدی عیسوی میں فرانس میں اس فن کا احیاء ہوا اور پھر اس نے باقاعدہ سنگ تراشی کے فن کی حیثیت اختیار کر لی۔

قدیم عربوں کے ہاں بت تراشی بطور فن کبھی رائج نہیں رہی۔وہ بت پرست تو تھے لیکن بت تراشی ان کے یہاں بطور فن کبھی رائج نہیں رہی۔وہ بت پرست تو تھے لیکن بت تراش نہیں تھے۔ان کے ہاں بت دوسرے ملکوں سے آتے تھے۔خانہ کعبہ میں رکھے گئے تین سو ساٹھ بت زیادہ تر بابل آشور اور مصر کے علاقوں سے آئے تھے۔ہندوستان کی بعض فاشسٹ تنظیمیں بھی اکھنڈ بھارت کے نعرے میں عالم عرب بطور خاص حرمین شریفین کے دعویدار بن جاتے ہیں اور ابوجہل کو اپنا پنڈت ہیں، جبکہ عرب بت پرستوں کا ہندوستانی بت پرستوں سے کبھی بھی کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ہندو مت، بدھ مت، جین مت اور تاؤازم وغیرہ ناموں سے بھی عرب واقف نہیں تھے۔[1]

☆☆☆

1 دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلو پیڈیا۔
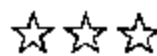
اصنام پرستی/بت پرستی/شرک/وثنیت/گاؤ پرستی

بت پرستی ایک طرح کی غلاظت ہے، جس سے پاک صاف انسان کو گھن آتی ہے۔ اسلام نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ معبودِ حقیقی غیر مرئی ہستی ہے اور اس کی تجسیم کرنا یا اس کا بت بنانا بھی غلط اور ناپاک فعل ہے، چہ جائیکہ بہت سے دیوی اور دیوتاؤں کے بت بنائے جائیں۔ جدید دور میں تو انڈین میڈیا نے تمام بتوں کے کارٹون بنا کر ان پر فلمیں بنادی ہیں۔

بت یا مورتیاں بنانے کا رواج زمانہ قبل از تاریخ ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ ایشیائے کوچک، مصر، عراق اور وادی سندھ کے آثار قدیمہ سے ایسی مورتیاں ملی ہیں جن کی بابت خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ یہ مورتیاں زیادہ تر نسوانی ہوتی تھیں۔ شاید قدیم انسان کا خیال یہ تھا کہ خالق مطلق عورت کے روپ میں ہے۔

کہا جاتا ہے ابتدا میں عبادات کے لیے کسی الوہی مظہر کی ضرورت محسوس ہوئی تو انسان نے مختلف نشانات سے کام لینا شروع کیا۔ بعد ازاں مصوری نے اس کی جگہ لی اور پھر سنگ تراشی کی صورت سامنے آئی۔ جس کی بدولت انسان نے اپنے دیوی دیوتاؤں کے بت تراش کر سامنے رکھ لیے۔ ان بت پرستوں کا کہنا یہ تھا کہ وہ بت کو خدا نہیں سمجھتے بلکہ ان کے ذریعے خدا کی تجسیم کی جاتی ہے اور ان سے خدا کی خدائی کا ظہور ہوتا ہے۔ [1]

بت پرستی کی رسوم کے متعلق ماہرین تاریخ و آثار متفق ہیں کہ یہ روم اور یونان سے شروع ہوئی۔ بلاشبہ اب بھی دنیا میں بت پرستی رائج ہے۔ خصوصاً ہندومت، جین مت اور بدھ مت میں۔ بنی اسرائیل ہی وہ قوم ہے جس نے خدا کی واضح ہدایت کے باوجود گائے کے بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔ آج بھی یہودی اور عیسائی مختلف بت بناتے اور اپنے معبدوں میں سجاتے ہیں۔ ایک طاقتور بیل کی مورتی یہودیوں کے یہاں مالیاتی اداروں کا نشان (مارکہ) ہے۔

1۔ قصص النبیین / ندوی

یوں تو بت پرستی دنیا بھر میں کسی نہ کسی طور رائج رہی، لیکن اس شرک کی لپیٹ میں سب سے زیادہ ہندی، یونانی اور عرب اقوام آئیں۔ ہندوستان میں سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کے بت تراشے گئے۔ دراوڑیوں، آریاؤں، برہمنوں اور بدھ مت کے پیروکاروں نے مذہبی عبادات کے لیے بت کو اہم حیثیت دی۔ ہر ذات اور ہر گھرانے کے لیے علیحدہ بت پوجنا مذہب کا حصہ ٹھہرا اور یوں ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی۔ تاہم ان کے تین بڑے دیوتا برہما، وشنو اور شیو تھے۔ بدھ مت اور جین مت میں گوتم بدھ اور مہابیر کے بت بنا کر پوجے گئے۔

یونانیوں کے ہاں انسانی شکل وصورت کے دیوتاؤں کے بت بنائے جاتے تھے۔ یہ تعداد میں بارہ تھے۔ ان میں سے سات دیوتا اور پانچ دیویاں تھیں۔

بت پرستی کے سلسلے میں عربوں کے طریقے مختلف تھے۔ ان میں بت پرستی کو فروغ عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی آویزش سے ہوا۔ عیسائیوں کے ہاں مصر و یونان کی بت پرستی کے آثار نمایاں تھے۔ کلیساؤں میں اکثر صنم رکھے ہوئے تھے۔ یہی چیز عربوں کے ہاں در آئی اور ہر قبیلے نے عبادت کے لیے بت تراشنے شروع کر دیے۔ انہیں صنم اور نصب کہا جاتا تھا۔ عام خیال تھا کہ یہ بت آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ عربوں کا عقیدہ تھا کہ یہ بت خدا اور بندگان خدا کے درمیان وسیلہ کا باعث ہیں۔ مرکزی اتحاد کی خاطر مختلف قبائل نے اپنے بت لا کر خانہ کعبہ میں رکھ دیے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد فتح مکہ کے وقت تین سو ساٹھ تھی۔ ابن ہشام لکھتا ہے کہ عربوں میں بت پرستی کا آغاز کرنے والا شخص عمرو بن لُحی تھا، جو شام کی سرزمین میں تجارت کے لیے گیا۔ اسے عمالیقیوں کی بت پرستی پسند آئی اور وہ ان سے ہُبَل نامی ایک بت لے آیا جسے خانہ کعبہ کی چھت پر رکھ دیا تاکہ عرب اس کی عبادت کریں۔ دوسرے بتوں میں سے لات قبیلہ ثقیف کا، عُزّیٰ بنو قریش کا، منات قبیلہ اوس اور خزرج کا، یغوث بنو غطیفہ کا، یعوق جنوبی عرب کے قبائل کا، سواع بنی ہذیل کا اور وَدّ ایک جنگی دیوتا تھا۔ ان کے بتوں کی پرستش طوفان نوح کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سے ہو رہی تھی، جسے عربوں نے فروغ بخشا۔ اسلام نے نہ صرف بت پرستی کا قلع قمع کیا بلکہ عرب کی سرزمین کو ان بتوں کے وجود سے بھی پاک کر ڈالا۔ [1]

☆☆☆
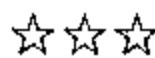
[1] دیکھیے الأدیان والفرق والمذاهب المعاصرة/60، دائرہ معارف اسلامیہ، اردو انسائیکلوپیڈیا، اسلامی انسائیکلوپیڈیا، قصة الحضارة، تاریخ اسلام 1/ 59، 60، تلبیس ابلیس/ 51-61۔

اہلِ ذکر

اہلِ ذکر وہ لوگ ہیں جن کا ذکر کیا گیا یا جو ذکر کرتے ہیں۔ ذکر کے معنی یاد میں لانے، حفاظت کرنے، پند و نصیحت اور ثناء و تعریف کے ہیں۔ ذکر دو طرح کا ہوتا ہے: ا۔ قلبی ۲۔ لسانی۔

اہلِ ذکر کی ترکیب قرآن میں دو جگہ پر آئی ہے:

سورۂ نحل میں کہا گیا ہے: اہل ذکر سے پوچھ لو۔ اگر تم خود نہیں جانتے۔'' 1

سورۂ انبیاء میں ہے: ''اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے۔ تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔'' 2

قرآن مجید میں ذکر کا لفظ کئی جگہوں پر قرآن کے لیے آیا ہے: ''یقیناً ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' 3

گویا اہل ذکر کے معنی قرآن مجید کے ماننے والوں کے بھی ہیں۔ امام جعفر کا قول ہے: ''اہل ذکر ہم ہیں'' حضرت ابن عباس، عبداللہ بن سلام اور سلمان رضی اللہ عنہم اجمعین نے اہل ذکر سے مراد یہودی اور نصاریٰ لیے ہیں۔ امام بغوی کے نزدیک اہل ذکر سے مراد اہل کتاب میں سے جو ایمان لا چکے ہیں۔ بعض نے اہل ذکر سے مراد وہ لوگ لیے ہیں جنہیں امتوں اور ادیان کا علم ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ 4

خلاصہ یہ ہے کہ اہل ذکر سے مراد وہ تمام علماء ہیں جنہیں قرآن مجید اور ادیان سابقہ کی کتابوں کا علم ہے۔ 5

☆☆☆

---

1 سورۂ نحل/43

2 سورۂ انبیاء/4

3 سورۂ حجر/19

4 مندرجہ بالا آیات ذکر پر تفسیری تشریحات ملاحظہ ہوں۔

5 اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

اہل الرأی

قیاس کرنے والے، ذاتی رائے رکھنے والے۔ اہل حدیث اس اصطلاح کو اپنے مخالف فقہاء کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فقہاء مسائل فقہی میں فیصلے کرنے کے لیے قیاس اور رائے سے مدد لیتے تھے اور اس کا اطلاق انسانی دلیل کے طور پر ہوتا تھا۔ لیکن اہل حدیث اس بات کو ناجائز سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کو رائے کی بناء پر رد کر دیا جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کو جو کسی خاص مسئلے میں اپنی ذاتی رائے یا اہل الرائے کہا جانے لگا۔ اگرچہ فقہاء میں کوئی دبستان (مکتبۂ فکر) بھی اپنے آپ کو اہل الرائے کہلوانا پسند نہیں کرتا۔ اہل حدیث کے نقطۂ نظر کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے مقلدین اسی طرح امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے مقلدین خاص طور پر اہل الرائے ہیں۔ اہل حدیث کے اس طعن کی وجہ سے یہ غلط خیال پیدا ہو گیا ہے کہ اہل الرائے حنفیوں ہی کا لقب ہے۔ حالانکہ خود امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کسی حدیث کے مقابلے میں میری رائے پتھر پر دے مارو، جبکہ امام شافعی اور ابن قتیبہ رحمہما اللہ وغیرہ کے نزدیک بھی حنفی ہی اہل الرائے ہیں۔ [1]

☆☆☆
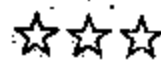
سلافیہ/ یوگوسلاویہ اتحاد

ایک جماعت جس کی بنیاد روس نے عثمانیہ سلطنت کو سبوتاژ کرنے کے لیے رکھی تھی۔ اس جماعت کا نام جمعیتِ سلافیہ رکھا گیا۔ اس نے سلافی قوموں میں روس کے ادب کی اشاعت کی ابتدا کی اور آہستہ آہستہ لوگوں کے دل میں گھر کرتی گئی۔ یہاں تک کہ بہت قلیل مدت میں ریاستِ بلقان کے بیشتر عیسائی جمعیتِ سلافیہ کے

1۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔

ہمدرد اور طرف دار بن گئے۔ جمعیت سلافیہ کو ایک روسی مفکر اگناتیف چلا رہا تھا۔ جنگ کریمیا کے بعد سے اتحادِ سلافی کا چرچا شروع کیا گیا۔ روسیوں نے سلافی لوگوں کو اپنی ہم نسل قوموں میں پروپیگنڈا کرنے پر اکسایا۔ اس زہریلے پروپیگنڈے کے نتیجے میں ۱۸۶۷ء میں ''اتحادِ سلافی'' کی ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی۔ یہ کانفرنس کو ایک علمی اور ادبی انجمن کا چغہ پہنا کر منعقد کرائی گئی تھی۔ اس کانفرنس میں اتحادِ سلافی کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا صدر مقام ماسکو میں بنایا گیا۔ ساتھ ہی اس کی ایک ذیلی شاخ بخارسٹ میں بھی قائم ہوئی۔ جمعیت سلافیہ نے سلافی نوجوان لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم کے پردے میں روسی یونیورسٹیوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ جہاں سے وہ اتحادِ سلافی کے کٹر مبلغ بن کر نکلتے تھے۔ جب مدحت پاشا کو اس ساری روداد کا علم ہوا تو اس نے بلغاریہ کے تمام شہر میں اعلیٰ تعلیم دینے کے لیے درسگاہیں کھولنے کا پروگرام سلطان کے سامنے پیش کیا کہ عیسائی اور مسلمان اکٹھے ہی تعلیم حاصل کریں۔ مدحت پاشا کے اس پروگرام کو جنرل اگناتیف نے درہم برہم کرا دیا۔ اس طرح جمعیتِ سلافیہ نے دولت عثمانیہ کے خلاف اپنا معاندانہ رویہ برقرار رکھا اور اس میں آہستہ آہستہ کامیابیاں حاصل کرتی رہیں۔ [1]

☆☆☆

قبطی/اقباط

قدیم مصریوں کی عیسائی اولاد، جس کی تعداد اب بھی مصر کی آبادی میں ۵ سے ۱۰ فیصد ہے یہ لوگ اپنی قدیم زبان فراموش کر چکے ہیں اور اب عربی بولتے ہیں۔ مصر میں عیسائیت کے آنے سے پہلے بھی یہ لوگ قبطی کہلاتے تھے۔ فراعنۂ مصر اسی قوم سے ہوئے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل مصر جا کر آباد ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو قبطیوں نے بنی اسرائیلیوں کو غلاموں سے بدتر بنا رکھا تھا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ان ظلم و زیادتیوں کا ذکر واقعۂ فرعون و موسیٰ میں قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بعثت سے پہلے جب ابھی مصر میں فرعون کے محل میں مقیم تھے تو ان سے ایک قبطی کا قتل ہو گیا، جو ایک کمزور بنی اسرائیل پر ظلم کر رہا تھا۔

---

1 المنجد فی الاسلام، اردو انسائیکلو پیڈیا، دائرہ معارف اسلامیہ، بین الاقوامی و اسلامی جغرافیا/ الیاس بھٹکلی۔

جب رومی عیسائیوں نے مصر پر قبضہ کیا تو قبطیوں نے عیسائیت قبول کر لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب مسلمانوں کے ساتھ ایک جنگ میں قبطیوں کے کئی افراد قیدی ہوئے تو ان میں ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا۔ چودہویں صدی عیسوی میں مصر پر مسلمانوں کے مکمل قبضہ کے بعد اکثر قبطیوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ 1

☆☆☆

محمدیہ

مسلمانوں میں سے چند گروہوں نے اس نام کو اختیار کیا۔ شیعہ مسلک سے متعلق گروہ خصوصی طور پر اس نام کو اپنے لیے استعمال کرتے رہے۔ کیسانیہ (مختاریہ) کے ایک گروہ نے اس وجہ سے خود کو کیسانیہ سے الگ کر لیا کہ وہ امامت وخلافت کے لیے اولادِ علی رضی اللہ عنہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے سوا حنفیہ سے) کو بھی قبول کر لیا۔ ان میں سے ایک گروہ منصوریہ کا سرکردہ ابو منصور عجلی تھا جسے خلیفہ ہشام کے دور میں (۱۲۵ھ/۷۴۳ء) عراق کے گورنر یوسف بن عمر نے معزول کر دیا تھا۔

ابو منصور کو امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے بھی اس کے عقائد اور نظریات کی وجہ سے رڈ کر دیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان جنت ہے اور شیعہ زمین ہیں۔ خود کو جنت میں سے زمین پر آنے والا ایک حصہ قرار دیتا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم وعنایات سے جنت کی طرف ایک سفر کے دوران بعض چیزیں سکھائی تھیں۔ ابو منصور کے بعد یہ گروہ بھی مختلف حصّوں میں بٹ گیا۔

انڈونیشیا میں انقلابی ''مسلم آرگنائزیشن'' کے پیروکار بھی محمدیہ کہلاتے ہیں۔ مصر اور برصغیر میں اسلامی تحریکوں کی طرز پر جکارتہ میں اس کی بنیاد حاجی احمد دہلان نے ۱۸ رنومبر ۱۹۱۲ء کو رکھی تھی۔ 2

☆☆☆

1 سورۂ قصص بالعموم اور آیت نمبر 15 بالخصوص ملاحظہ ہو، المنجد فی الأعلام (القبط/الاقباط)، اسلامی انسائیکلو پیڈیا (قبطی)، تباہ شدہ اقوام/ہارون یحییٰ/باب ششم۔

2 اسلامی انسائیکلوپیڈیا، غنیۃ الطالبین/شیخ عبدالقادر جیلانی/169-170۔

موحدین

وہ لوگ ہیں جو بت پرستی چھوڑ کر خدا پر ایمان لائے تھے اور اپنی سمجھ وفہم کے مطابق عبادتِ خدا کرتے تھے۔ ان میں سے مشہور اشخاص یہ ہیں: قس بن ساعدہ، واقد بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل۔ موحد کا اطلاق ایسے مسلمان پر بھی ہوتا ہے جو توحید کا قائل ہو اور سوائے اللہ کے، اپنی حاجت کے لیے کسی اور سے رجوع نہ کرتا ہو۔

یہ اصطلاح مسلمانوں کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ توحید پر ایمان رکھتے ہیں، مگر وہابی طبقے کے لوگ اپنے لیے یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے باقیوں کو مشرک تصور کرتے ہیں۔ [1]

مراکش اور اس کے اطراف پر حکومت کرنے والے بعض خلفاء بھی موحدین کہلاتے ہیں۔ [2]

میمندی:

احمد میمندی (متوفی ۱۰۳۲) سلطان غزنوی کا وزیر اعظم، جس نے فارسی کے بدلے عربی زبان سرکاری طور پر نافذ کی تھی۔ [3]

☆☆☆

میمن جماعت

یہ اہلِ سنت کی تبلیغی جماعت ہے، جس نے زیادہ تر کاٹھیاواڑ میں کام کیا۔ اہلِ میمن کا بیان ہے کہ حضرت عبدالقادر جیلانی نے اپنے بیٹے تاج الدین کو سندھ جا کر تبلیغ کرنے کو کہا۔ وہ خود ایسا نہ کر سکے۔ ان کی نسلوں نے یہ فرائض پورے کیے اور ایک بزرگ سید یوسف الدین قادری ۱۴۲۱ء میں سندھ آئے اور ٹھٹھہ

1. تفصیل کے لیے دیکھیے: شیخ محمد بن عبدالوہاب اور علماء حق/ مولانا منظور نعمانی
2. تاریخ اسلام/ نجیب آبادی: 2/ 532۔
3. المنجد في الأعلام (المهمندی)

کو، جو اُن دنوں صدر مقام تھا، اپنا مسکن بنایا۔ جلد ہی لوہانہ خاندان کو اسلام کی جانب مائل کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس جماعت کو آج بھی لوہانہ ذاتوں میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سندھ کے تجارت پیشہ افراد بھی ایمان لائے۔ میمن انہی کی نسلوں سے ہیں۔ 1

☆☆☆

کیوپڈ

لاطینی صنمیات میں عشق کا دیوتا۔ وینس کا بیٹا۔ کمان اور سنہرے ترکش میں تیر لیے لوگوں پر اندھا دھند تیر چلاتا ہے۔ چونکہ محبت اندھی ہوتی ہے اور اچانک پیدا ہوتی ہے، اس لیے کیوپڈ کو تصویر میں اندھا دکھایا جاتا ہے۔ 2

☆☆☆

یزدیہ/یزیدیہ

یزدیہ (یزد/یزدان کی طرف منسوب)، کردستانی قبائل کا نام ہے۔ شمالی عراق سے ۴۰ میل شمال میں ان کا امیر رہتا ہے، یہیں سے شمال کی جانب تین گھنٹے کے سفر پر ان کے سابق چیف شیخ عدی کا مزار ہے۔ یہ لالیش کے مقام پر ہے۔ عراق کے علاوہ یہ شام میں بھی رہتے ہیں۔ ان کا یزید بن معاویہ یا اموی خلفاء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ فارس کے ایک شہر اور عربی لفظ یزد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "خدا کا عبادت گزار" اگرچہ یہ قبائل آپس میں کوئی ربط نہیں رکھتے، لیکن پھر بھی سب کا رہن سہن ایک سا ہے۔ شام کے کرد لمبی داڑھی اور گھنے بال رکھتے ہیں۔ یہ بال آنکھ کے اوپر اور ہونٹوں تک اُگ آتے ہیں۔ وہیں ان کی ایک

---

1 اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔

2 اردو انسائیکلو پیڈیا، Encyclopedia Britanica۔

اور نسل رہتی ہے۔ یہ جرمن ہے۔ ان کی کچھ خصوصیات آرمینیا کے باشندوں سے ملتی جلتی ہیں۔

بعض حصے کردی اور بعض عربی زبان بولتے ہیں اور ان کی کتب بھی اسی زبان میں ہیں۔ مذہبی طور پر یہ دوزخ پر یقین رکھتے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ماہِ دسمبر میں تین یوم کا روزہ رکھتے ہیں اسے شراب سے کھولتے ہیں۔ ان کے مطابق بدھ کا دن مقدس دن ہے اور ہفتہ کا دن آرام کا ہے۔ ان کی عبادت گاہوں میں افریقی طرز کے آرائش بھی نمایاں رہتی ہے۔ جہاں سانپ، خنجر اور اسی قسم کی دوسری اشیاء دیواروں میں کندہ ہوتی ہیں۔ ۱۵ سے ۲۰ ستمبر تک شیخ عدی کے مقبرے پر حاضری دیتے ہیں جو ان کی اہم مذہبی رسم ہے۔ اپریل کا پہلا بدھ بھی بڑے زور و شور سے مناتے ہیں۔ یہ فرقہ شیطان کو مقدس سمجھتا ہے اور اس کی عبادت بھی اپنے طور پر کرتے ہیں۔ 1

1. المنجد فی الأعلام (الیزیدیۃ)، نیز اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الأدیان والفرق والمذاہب المعاصرۃ/109۔
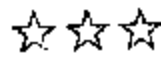
کتابیات

(۱)... القرآن الکریم

(۲)...الصحاح الستة......(کبار المحدثین)

(۳)... کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم...... (محمد اعلیٰ تھانوی)

(۴)... الصواعق المحرقة فی رد علی أهل البدع والزندقة ... (ابن حجر هیتمی)

(۵)...الرد علی المنطقیین (حافظ ابن تیمیہ)

(۶)... إغاثة اللهفان......(ابن القیم الجوزیة)

(۷)...جدید اسرائیل کی تاریخ......(محمد احسن بٹ)

(۸)......سکھ (مذہب تاریخ، سیاست)......(جے یو آہلووالیہ/امجد محمود)

(۹)......کلام گرونانک......(بھائی جودھ سنگھ/محمود جالندھری)

(۱۰)......گولڈن ٹمپل......(ستیش جیکب)

(۱۱)......فلسفیوں کا انسائیکلوپیڈیا......(یاسر جواد)

(۱۲)......گہر ہونے تک (آپ بیتی)......(مالکوم ایکس/عمران الحق چوہان)

(۱۳)......تعلیم، سماج اور کلچر......(اے، کے، سی، اوٹاوے/اختر انصاری)

(۱۴)......لینن (آپ بیتی)......(ڈاکٹر ظ، انصاری)

(۱۵)......ذاتوں کا انسائیکلوپیڈیا......(ای، ڈی میکلیگن، ایچ، اے، روز)

(۱۶)......انسانی ارتقاء ... (ڈاکٹر ایم، آر، ساہنی)

(۱۷)... مسائل تصوف......(میکش اکبرآبادی)

(۱۸)......تاریخ فلسفہ ......(کلیمنٹ سی، جے ویب)

(۱۹)......فلسفہ اسلام ......(ڈی اوبری)

(۲۰)...وادیٔ سندھ اور تہذیبیں.....(سر مورٹیمر وہیلر)

(۲۱)...پنجاب کے رسم ورواج کا انسائیکلو پیڈیا.....(ای ڈی میکلیگن ایچ اے اوز/ یاسر جواد)

(۲۲)...گوتم بدھ سے دلائی لامہ تک.....(کرسٹوفر رابرٹس)

(۲۳).....اخوان الصفا.....(اکرام علی)

(۲۴)...سرگزشت دھلی.....(سر شجاع منعمی)

(۲۵).....مسلم دنیا اور سامراجی یلغار.....(پروفیسر طفیل ڈھانہ)

(۲۶).....دائرة المعارف للقرن العشرين.....(محمد فريد وجدي)

(۲۷).....تقابل ادیان.....(غلام رسول)

(۲۸).....المرتضیٰ.....(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

(۲۹).....افحام اليهود.....(د/شرقاوي)

(۳۰)...واقعۂ کربلا نئے مطالعے کی روشنی میں.....(مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی)

(۳۱).....امیر معاویہ اور تاریخی حقائق.....(مفتی محمد تقی عثمانی)

(۳۲).....مذاہب عالم.....(احمد عبداللہ)

(۳۳).....اسلامی انسائیکلو پیڈیا.....(سید قاسم محمود)

(۳۴).....اردو انسائیکلو پیڈیا.....(فیروز سنز)

(۳۵).....دینی دسترخوان.....(مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی)

(۳۶).....رواداری اور مغرب.....(محمد صدیق شاہ بخاری)

(۳۷).....آرائش محفل.....(مرزا شیر علی افسوس)

(۳۸).....الخوارج.....(د/احمد عوض ابو شباب)

(۳۹).....الاسلام واليهودية (مقارنة).....(د/عماد الدين عبد السميع حسين)

(۴۰).....صورتان متضادتان عند اهل السنة والشيعة الامامية.....(العلامة الندوي)

(۴۱).....بيان مذهب الباطنيين وبطلانه.....(علامہ احسان الٰہی ظہیر)

(۴۲).....القاديانية.....(علامہ احسان الٰہی ظہیر)

(۴۳).....الشيعة والتشيع.....(علامہ احسان الٰہی ظہیر)

(۴۴) مطالعۂ بریلویت......(علامہ خالد محمود)

(۴۵) الأستاذ المودودي ... (علامہ بنوری)

(۴۶) ...مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا ....(ابوطاہر محمد صدیق)

(۴۷) ....ناصبیت......(مولانا عبدالرشید نعمانی)

(۴۸) تاریخ معتزلہ.....(زھدي حسن جاراللہ)

(۴۹) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام

(۵۰)....تاریخ المذاهب الاسلامية.....(امام محمد ابوزھرہ)

(۵۱) ..مفتاح السعادة ومصباح السيادة.....(طاش کبریٰ زادہ)

(۵۲).....تمدن ہند.....لی بان.....(سید علی بلگرامی)

(۵۳).....غنیۃ الطالبین.....(شیخ عبدالقادر جیلانی)

(۵۴) ..تاریخ ہند......(سید ہاشمی)

(۵۵).....THE DISCOVERY OF INDIA.....(جواہر لعل نہرو)

(۵۶)......جہاد دہشت گردی یا دفاع ... (مولانا چراغ علی)

(۵۷) خفیہ اور باطنی تحریکیں......(مرزا سید دھلوی)

(۵۸).....تہذیبوں کا تصادم......(سموئل پی ہنٹنگٹن)

(۵۹).....انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

(۶۰) ... میں کرسچن کیوں نہیں ہوں......(ڈاکٹر شبیر احمد فلوریڈا)

(۶۱).....تحریک احمدیت .....(بشیر احمد)

(۶۲)......الدين القيم......(مناظر احسن گیلانی)

(۶۳)......اسلام اور اسلامی عقائد......(الیاس بھٹکلی)

(۶۴) .... بین الاقوامی و اسلامی جغرافیا ...(الیاس بھٹکلی)

(۶۵)..... ہندوستان اور مسلمان......(الیاس بھٹکلی)

(۶۶)......مسلم دنیا ماضی اور حال......(الیاس بھٹکلی)

(۶۷).....اسلام مشرق و مغرب میں ....(الیاس بھٹکلی)

(۶۸) ....فکر ولی اللہی......(مولانا عمر فاروق)

(۶۹)......الجماعات الاسلامية في ضوء الكتاب والسنة

(۷۰)......التصوف بين الحق والخلق

(۷۱)......بصائر وعبر......(محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری)

(۷۲)......اللامذهبية، خيانات وافتراءات...... (ابن الحسن عباسی / ولی خان المظفر)

(۷۳)......وقفة مع اللامذهبية في شبه القارة الهنديه......(ابوبکر غازی پوری)

(۷۴)......اللامذهبية ...... (محمد سعيد رمضان بوطي)

(۷۵)......الخلافة والملك ...... (جناب مودودی/احمد ادریس مصری)

(۷۶)......فتنہ انکار حدیث، منظر و پس منظر (۳ جلدیں)...... (پروفیسر افتخار احمد سلفی)

(۷۷)......اعترافات......(روسو)

(۷۸) The Rise of Aapagan state......(ڈاکٹر ہالٹن)

(۷۹)......ہندوستان و چین......(سردار پانیکر)

(۸۰)......تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام......(مولانا قاری محمد طیب)

(۸۱) The British in India......(گائی ونٹ)

(۸۲)......اظهار الحق......(مولانا رحمت اللہ کیرانوی)

(۸۳)......بائبل سے قرآن تک......(مفتی محمد تقی عثمانی)

(۸۴)......بدء الخلق والتاريخ ...... (مطهر بن طاهر)

(۸۵)......العقيدة الطحاوية ...... (امام طحاوي)

(۸۶)......العقيدة الاسلامية ...... (الشيخ عبدالرحمن حبنكة)

(۸۷)......المنجد في الاعلام ...... (أويس معلوف يسوعي)

(۸۸)......آزادی کی شاہراہ پر......(منڈیلا)

(۸۹)......اختلاف امت اور صراط مستقیم......(مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید)

(۹۰)......النشاط الصهيوني الماسوني في الوطن العربي ...... (موسى نبهاني)

(۹۱)......پیر بابا......(بشیر احمد خان بریکوٹی آف لندن)

(۹۲)......فتنہ انکار حدیث......(پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد)

(۹۳)......ماذا خسر العالم ...... (العلامة الندوي)

(۹۴)......تاریخ دعوت وعزیمت......(العلامۃ الندوي)

(۹۵)......قصص النبیین (۵ جلدیں)...... (العلامة الندوي)

(۹۶)......علمائے ہند کا شاندار ماضی......(مولانا محمد میاں)

(۹۷)......سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم......(مرتبہ وفاق)

(۹۸)......سیرۃ المصطفیٰ......(مولانا ادریس کاندھلوی)

(۹۹)......التاریخ الاسلامی مع القول السلیم...... (د/ ابراھیم الشریقی/الشیخ سلیم اللّٰہ خان)

(۱۰۰)......تقریر دلپذیر......(حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی)

(۱۰۱)......قبلہ نما......(ایضاً)

(۱۰۲)......کشف الباری......(الشیخ سلیم اللہ خان)

(۱۰۳)......نفحات التنقیح......(الشیخ سلیم اللہ خان)

(۱۰۴)......راہِ سنت......(مولانا سرفراز خان صفدر)

(۱۰۵)......تحفۃ الناظر......(ڈاکٹر منظور مینگل/مفتی ضیاء الرحمٰن)

(۱۰۶)......فیروز اللغات......(فیروز سنز)

(۱۰۷)......السنة ومكانتها فی التشريع الاسلامی ...... (د/ مصطفیٰ سباعی)

(۱۰۸)......The Authority of Sunnah (انگریزی)......(مولانا محمد تقی عثمانی)

(۱۰۹)......تاریخ دار العلوم دیوبند

(۱۱۰)......اکابر علمائے دیوبند......(مولانا محمد تقی عثمانی)

(۱۱۱)......اسلام اور جدید معیشت وتجارت......(ایضاً)

(۱۱۲)......تباہ شدہ اقوام......(ہارون یحییٰ)

(۱۱۳)......ابلیس کا مذہب......فری میسنری......(ایضاً)

(۱۱۴)......یہودیت اور فری میسنری......(ایضاً)

(۱۱۵)......یہودا کے بیٹے اور فری میسنز......(ایضاً)

(۱۱۶)......فری میسنری اور سرمایہ داری......(ایضاً)

(۱۱۷)......خدا مذہب اور سائنس......(ثناء اللہ سعد شجاع آبادی)

(۱۱۸) ... القصیدۃ النبویۃ الکبری...... (ابن القیم الجوزیۃ

(۱۱۹) شرح العقائد النسفیۃ ...... (تفتازانی)

(۱۲۰)......الفہرست ...... (ابن الندیم)

(۱۲۱) ...... کشف الظنون ...... (حاجی خلیفہ)

(۱۲۲)......نہایۃ الاقدام فی علم الکلام ...... (الشہرستانی)

(۱۲۳)......الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ...... (ابن تیمیۃ)

(۱۲۴)......تاریخ الرسل والملوک ...... (طبری)

(۱۲۵)......احیاء علوم الدین...... (غزالی)

(۱۲۶)......العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام ...... (سید قطب)

(۱۲۷)......ابجد العلوم ...... (صدیق حسن خان)

(۱۲۸)......فیہ مافیہ ...... (مولانا رومی)

(۱۲۹)......تفہیمات الٰہیہ......(امام شاہ ولی اللہ)

(۱۳۰)......حجۃ اللہ البالغۃ ...... (ایضاً)

(۱۳۱)......اتحاف النبلاء المتقین ...... (صدیق حسن خان)

(۱۳۲)......قاموس المشاہیر......(نظامی بدایونی)

(۱۳۳)......الرد علی النصاری (٤) جلدیں...... (امام ابن تیمیۃ)

(۱۳۴)......تذکرہ......(امام الہند ابوالکلام آزاد)

(۱۳۵)......الرحلۃ (سفر نامہ) ...... (ابن بطوطہ)

(۱۳۶)......ہزار سال پہلے......(ابن حوقل/مناظر گیلانی)

(۱۳۷)......القاموس السیاسی (عربی/ انکلیزی/فرنسی)...... (س، م لحام/ ا،فرح/ سامیین/ علوان)

(۱۳۸)......ہمارے اسماعیلی مذہب کی حقیقت......(ڈاکٹر زاہد علی)

(۱۳۹)......الاعلام ...... (خیر الدین زرکلی)

(۱۴۰)......تحفۂ اثنا عشریہ......(شاہ عبدالعزیز دہلوی)

(۱۴۱)......منهاج السنة ...... (ابن تيميه)

(۱۴۲)......الفرق بين الفرق ...... (بغدادی)

(۱۴۳)......عقيدة الشيعة...... (رونلد سون)

(۱۴۴)......قرآن سائنس اور مسلمان......(شہاب الدین ندوی)

(۱۴۵)......سوشلزم اور اسلام......(وحیدالدین خان)

(۱۴۶)......حقانیت اسلام......(حضرت تھانوی)

(۱۴۷)......مقارنة الأديان(۴جلدیں)......(ڈا/شلبی)

(۱۴۸)......مذہب اور جدید چیلنج......(وحیدالدین خان)

(۱۴۹)......دین ودنیا......(حضرت تھانوی)

(۱۵۰)......سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی نظام سے موازنہ......(علامہ شمس الحق افغانی)

(۱۵۱)......الازمنة والامكنه ...... (ابوعلی المرزوقی)

(۱۵۲)......قصة ابی جهل ...... (جميل ابراهيم حبيب)

(۱۵۳)......المستشرقون والاسلام ...... (زكريا هاشم زكريا)

(۱۵۴)......المستشرقون ...... (نجيب العقيقی)

(۱۵۵)......المقدمة فی الاستغراب ...... (حسن العقيقی)

(۱۵۶)......نور الاسلام واباطيل الاستشراق ...... (فاطمه هدی نجا)

(۱۵۷)......تاريخ الادب العربی ...... (حسن زيات)

(۱۵۸)......بدعت اور بدعتی......(مومن خان عثمانی)

(۱۵۹)......فتوحات نعمانیہ(بریلوی، دیوبندی تنازعہ کا حل)......(محمد منظور نعمانی)

(۱۶۰)......تاریخ تصوف......(پروفیسر یوسف چشتی)

(۱۶۱)......اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش......(ایضاً)

(۱۶۲)......اسلام، عیسائیت اور سیدنا عیسیٰ......(خالد محمود سابق یوئیل کندن)

(۱۶۳)......حیات عیسیٰ......(مولانا ادریس کاندھلوی)

(۱۶۴)......علم الکلام......(ایضاً)

(۱۶۵)......مسیحیت...... (یوسف جلبی)

(۱۶۶)......اللہ......موجود نہیں؟...... (امیر حمزہ)

(۱۶۷)......جہان دیدہ......(مولانا مفتی تقی عثمانی)

(۱۶۸)......فکر اسلامی کی تشکیل جدید......(علامہ اقبال)

(۱۶۹)......نظرية داروين بين مؤيديها ومعارضيها ...... (قيس القرطاس)

(۱۷۰)......الكنز المرصود في قواعد التلمود ...... (د/ روهلنج)

(۱۷۱)......العلم والدين في الفلسفة المعاصرة ...... (اميل بوترو)

(۱۷۲)......الغزو الفكرى ...... (جلال كشك)

(۱۷۳)......قصة الحضارة ...... (و، ل، ديورانت)

(۱۷۴)......المذاهب الاقتصادية الكبرىٰ ...... (جورج سول)

(۱۷۵)......ماركسية القرن العشرين ...... (روجيه غارودى)

(۱۷۶)......الطريق الى الاسلام ...... (محمد اسد)

(۱۷۷)......علم الاجتماع ومدارسه ...... (مصطفىٰ الخشاب)

(۱۷۸)......أساليب الغزو والفكرى ...... (على جريشة)

(۱۷۹)......الاسلام قوة الغد العالمية......(باول شمتر)

(۱۸۰)......الانسان والاخلاق و المجتمع......(فلوجل)

(۱۸۱)......الاسلام يتحدى ......(وحيد الدين خان)

(۱۸۲)......التلمود، تاريخه وتعاليمه ...... (ظفر الاسلام خان)

(۱۸۳)......اضمحلال الامبراطورية الرومانية ...... (جيبون)

(۱۸۴)......ملینیم اینڈ کرزما اا مانگ پٹھان......(ڈاکٹر اکبر ایس احمد)

(۱۸۵)......تعارف سیاسیات......(سید راشد علی)

(۱۸۶)......العلمانية......(سفر بن عبدالرحمن الحوالى)

(۱۸۷)......محاضرات فى النصرانية......(محمد ابوزہرہ)

(۱۸۸)......مذاهب فكرية معاصرة......(محمد قطب)

(۱۸۹)......مسلم ثقافت ہندوستان میں......(عبدالمجید سالک)

(۱۹۰)......سید بادشاہ کا قافلہ......(آبادشاہ پوری)

(۱۹۱)......حقائق الاسلام وأباطيل خصومه ......(أستاذ عباس عقاد)

(۱۹۲)......بيان الأديان (فارسی) ...... (ابوالمعالی الایرانی)

(۱۹۳)......تلبیس ابلیس......(ابن الجوزی)

(۱۹۴)......مقصود المؤمنين......(بايزيد انصاری)

(۱۹۵)......موسوعة مصطلحات العلوم(دستور العلماء)......(القاضي عبدالنبي الأحمد نگری)

(۱۹۶)......التصوف بين الافراط والتفريط ......(د/عبدالله كامل)

(۱۹۷)......العواصم من القواصم......(ابن عربی)

(۱۹۸)......تاریخ اسلام......(اکبرشاہ نجیب آبادی)

(۱۹۹)......عقائد اهل السنة والجماعة...... (مفتی طاهر مسعود)

(۲۰۰)......الحضارات اليهودية......(يوسيفوس)

(۲۰۱)......مقالات صفدر......(مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی)

(۲۰۲)......ذکری مذہب اسلام کے آئینے میں......(عبدالغنی بلوچ)

State Politics and Islam (Dr.Mumtaz Ahmad)......(۲۰۳)

Politics Poot of washingtan universitiy......(۲۰۴)

The Christain religion......(۲۰۵)

The Jewish State......(۲۰۶)

A Short History of world......(۲۰۷)

History of The religion......(۲۰۸)

God and man carly Israel......(۲۰۹)

China Hand book......(۲۱۰)

The great religion of modren world......(۲۱۱)

China in the South East Asia......(۲۱۲)

Oxford-Press English Dictionary......(۲۱۳)

The wisdom of Confucius (Lin yatony)......(۲۱۴)

Encyclopedia britanica ......(۲۱۵)

Encyclopedia of Religions and Ethiscs......(۲۱۶)

Chines in the South cost Aria......(۲۱۷)

Encyclopadia Britanica(1972)......(۲۱۸)

Studies in Islamic Mysticism......(۲۱۹)

The Wahabia......(۲۲۰)

Introduction to Sikhism......(۲۲۱)

The 2500 year of buddhism......(۲۲۲)

Sufism an accaunt Mysticism of Islam......(۲۲۳)

People and religion of India......(۲۲۴)

Hiduism......(۲۲۵)